۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب

ایک جائزہ

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب

ایک جائزہ

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

اقبال اکادمی پاکستان

ناشر: پروفیسر محمد منور

ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان

طبع اوّل: ۱۹۸۸ء

مطبع: وفاق پرنٹنگ پریس، لاہور

تعداد: ۱۰۰۰

نگران طباعت: فرخ دانیال

صدر دفتر: ۱۳۹۔ اے نیو مسلم ٹاؤن، لاہور

دفتر فروخت کتب: ۱۱۶۔ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

اقبالیات کے مُعَلّمُ و نقّاد

اَوْر

مُمتاز اقبال شناسؔ

ڈاکٹر سیّد محمّد عبداللہؒ

کی یاد میں

○ رحلت: ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء

○

"اقبال کے پیغام، ان کی شاعری، ان کے فلسفے اور ان کی علمی و ادبی اور سیاسی کوششوں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔۔۔۔ اس سلسلے میں کئی کتابیں، مقالے اور مضامین شائع ہو چکے ہیں اور ان میں آئے دن جستہ جستہ اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہماری قومی زبان کے علاوہ دنیا کی کئی زبانوں میں بھی خاصا لٹریچر پیدا ہو گیا ہے، جس کو "اقبالیات" کا موزوں نام دیا گیا ہے۔ اس خیال کے پیشِ نظر کہ اقبال پر کس حد تک کام ہوا ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور ہمیں اس سلسلے میں مزید کیا کام کرنا ہے؟ اس پورے لٹریچر پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی ضروری ہے تاکہ ہم اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر سکیں۔"

(قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی)

ترتیب

(۴) اقبال کے سوانح اور شخصیت

(۵) فکروفن پر تنقیدی کتابیں

(ا) موضوعاتی مطالعے

(ب) مضامین و مقالات کے مجموعے

(۶) متفرق کتابیں

(۷) تشریحاتِ اقبال

(۸) جامعات کے تحقیقی مقالے

(۹) اقبال نمبر

(۱۰) اقبالیاتِ متفرق

کتابیاتِ اقبال ۱۹۸۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

دیباچہ

سالانہ جائزے کا یہ سلسلہ تین برس پہلے شروع کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد سال بھر کی اقبالیاتی کاوشوں اور ان کے حسن و قبح کو جانچنا ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے جائزوں سے، کسی شعبۂ علم و ادب کے معیار کو بہتر و بلند کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۱۹۸۵ء کے جائزے میں، ایک نامور اقبالی مصنّف کی کاوشش پر ہم نے اپنی دیانت دارانہ رائے کے مطابق جو ریمارکس دیے، مصنّف موصوف نے انھیں سخت ناپسند کیا اور شدید طور پر نکرمند ہوتے۔ یہ رویّہ ہمارے لیے ناقابلِ فہم ہے — یہ ایک علمی جائزہ ہے۔ اس کا مقصد نہ تو کسی کا استخفاف ہے، اور نہ کسی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا۔ تنقید سے مقصود تنقیص نہیں۔ ہمارے نزدیک اقبالیات پر ادنیٰ سا کام بھی قابلِ قدر ہے، اور ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اسی لیے ہم اپنے جائزے میں معمولی درجے کی چیزوں کا ذکر بھی لے آتے ہیں مگر اس ذکر کے ساتھ ہم اس کی قدر و قیمت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے، تاریخِ اقبالیات کے قارئین کی راہنمائی ہو سکے۔

استاذی ڈاکٹر وحید قریشی نے ۱۹۸۵ء کے جائزے کی ایک بنیادی خامی کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس بار ہم نے اس کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ برادرم تحسین فراقی نے اپنے تبصرے میں بجا طور پر ہماری ایک کوتاہی کی نشان دہی کی۔ ہم دونوں اصحاب کے ممنون ہیں۔ آئندہ بھی جو اصحاب، تلخ نوائی کے بجائے، بہ دلائل اس جائزے کی کسی کوتاہی یا خامی کی طرف متوجہ کریں گے، ہم تہِ دل سے ان کے شکر گزار ہوں گے اور اپنی اصلاح سے دریغ نہیں کریں گے۔

اقبالیات پر ۱۹۸۴ء میں ۷۴ اور ۱۹۸۵ء میں ۳۸ کے مقابلے میں ۱۹۸۶ء میں ۶۲ مطبوعات شائع ہوئیں۔ یہ صورتِ حال حوصلہ افزا ہے۔ تاہم محض اقبالیات کی مقداری پیش رفت ہمارے لیے وجہِ اطمینان نہیں بن سکتی۔ اقبالیاتی ادب کا معیار بلند کرنے، اور اقبالیاتی پیش رفت کے لیے تنظیم، منصوبہ بندی اور اہداف و ترجیحات متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

رفیع الدین ہاشمی

* "درشناختِ اقبال" (مقالات اقبال کانگریس تہران) کا ذکر متنِ کتاب میں نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کا علم بہت تاخیر سے ہوا۔ تاہم ضمیمہ کتابیات میں اس کے کوائف درج کر دیے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

اقبالیاتی ادب کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ ۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی ادب پر نظر ڈالیں، تو اس کی حدود مختلف اطراف میں پھیلی ہوتی نظر آتی ہیں۔ اس ذخیرۂ ادب کی مختلف سطحیں ہیں اور کئی نوعیتیں ــــ دورانِ سال میں بعض مستقل اور مخصوص موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی اور حوالہ جاتی کتابوں کے ساتھ مقالات و مضامین کے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ اسی طرح مجلّات کے اقبال نمبر، جامعات کے امتحانی تحقیقی مقالے، اور کلامِ اقبال کے ترجمہ و شرح سے متعلق کتابیں منظرِ عام پر آتی ہیں۔ پھر ایک بڑا ذخیرہ رسائل و اخبارات میں شائع شدہ متفرق مقالات و مضامین کا ہے۔ اس سال علامہ اقبال کا کچھ نیا متن دریافت ہوا ہے، اور خطوط کے دو پرانے مجموعے اور انگریزی خطبات از سرِ نو تحقیق و ترتیب کے ساتھ مدوّن ہوتے ہیں۔ چند اہم کتابیں مکرّر اشاعت پذیر ہوتی ہیں ــــ علاوہ ازیں اقبالیات اور اقبالیاتی ادب کے متفرقات اور بعض ایسے پہلو ہیں، جن کا تذکرہ سالانہ جائزے میں ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہ جائزہ حسبِ ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے:

(۱) متنِ اقبال

(۲) ترجمہ

(۳) کتبِ حوالہ

(۱) متنِ اقبال

علّامہ اقبال کا نثری اور شعری متن ہی، اقبالیاتی ادب کی اساس ہے۔ متنِ اقبال معلوم و موجود اور مرتّب و مدوّن ہے، پھر بھی : تحریراتِ دخطوطِ اقبال کی دریافت کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور کوئی برس نہیں جاتا کہ علّامہ کی کوئی نئی تحریر یا کوئی خط دریافت نہ ہوتا ہو۔[1]

—— اس بار علّامہ کا ایک انگریزی مضمون دریافت ہوا ہے، اور نو انگریزی خطوط — یہ متن، ۱۹۸۵ء میں دریافت شدہ متنِ اقبال کے مقابلے میں، مقداراً تو کمتر ہے، مگر اپنی نوعیّت کے اعتبار سے اہم ہے۔

ایک نیا انگریزی مضمون

ڈاکٹر تحسین فراقی، Bedil, in the light of Bergson, کی کاوش اور اقبال اکادمی پاکستان کے مجلّہ Iqbal Review (اکتوبر تا دسمبر) کے توسّط سے منظرِ عام پر آیا۔ اصل مضمون بہ خطِ اقبال، اقبال میوزیم لاہور میں محفوظ ہے۔[2]

علّامہ اقبال، ابوالمعانی مرزا عبدالقادر بیدؔل (۱۶۴۴ء —— ۱۷۲۰ء) کے مدّاح تھے۔ اسی کا سبب بیدؔل سے اقبالؔ کی "عمیق روحانی ہم آہنگی"[3] اور دونوں کے درمیان "فنّی یگانگت بلکہ رویّے اور نقطۂ نظر کی مماثلت"[4] ہے۔ اقبالؔ، بیدؔل سے ذہنی استفادہ و تاثّر کے معترف اور ان کے ممنون نظر آتے ہیں۔[5] زندگی کے بارے

میں بیدلؔ کے حرکی تصور نے اقبالؔ کو بہ طور خاص متاثر کیا۔ بہشت کے بارے میں بیدلؔ کا یہ شعر: ؎

گویند بہشت است وہمہ راحتِ جاوید
جائے کہ بہ داغے نہ تپد دل چہ مقام است

اقبال کا شعر معلوم ہوتا ہے[۱۶]۔ ڈاکٹر فراقی نے علامہ کے زیرِ بحث نودریافت شدہ مضمون پر اپنے مفصل اور سیر حاصل تعارف میں اقبالؔ کی شیفتگیِ بیدلؔ، اُن سے علامہ کے تاثر اور دونوں کے مابین مماثلتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے اقبالؔ، بیدلؔ اور برگساں کے متعدد پہلوؤں پر کلام کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کسی زمانہ میں دورانِ مطالعہ، علامہ نے کلامِ بیدلؔ کا ایک انتخاب کیا تھا[۱۷]۔ غالباً یہ دستبردِ زمانہ کا شکار ہوگیا، ورنہ اس سے اقبالؔ و بیدلؔ موضوع کے کچھ اور گوشے روشن ہوجاتے۔ تاہم اس سلسلے میں علامہ کا انتخابِ نکاتِ بیدلؔ بھی اہم ہے، جس کے ذریعے انھوں نے بعض اخلاقی اور حکیمانہ نکات کو اجاگر کیا۔ یہ انتخاب ۱۹۲۶ء میں پنجاب یونیورسٹی کے بی اے کے فارسی نصاب میں شامل تھا۔ اُن دنوں علامہ، یونیورسٹی کے پرشین بورڈ کے ممبر تھے۔ انھوں نے بقول مولانا محمد عمر خان:

”فارسی کے کورس میں بیدلؔ کو گھسیڑ ہی دیا۔ بعد میں
جونہی، وہ پرشین بورڈ سے الگ ہوتے، یونیورسٹی نے
بیدلؔ کا کلام نکال باہر کیا“[۱۸]

بیدلؔ سے اقبالؔ کے ذہنی تاثر اور ان کی پسندیدگی کے رجحان کی، اس مضمون سے مزید تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ بیدلؔ اور برگساں دونوں کے بارے میں اقبالؔ نے کسی اور جگہ، اس قدر شرح و بسط کے ساتھ اظہارِ خیال نہیں کیا۔ اس اعتبار سے یہ مضمون علامہ کی نثری تحریروں میں ایک اہم اور قیمتی اضافہ ہے۔ تحسین فراقی کا خیال ہے

کہ یہ مضمون ۱۹۱۶ء کے آس پاس لکھا گیا ہوگا۔ ان کی یہ بات اس لیے بھی قرینِ قیاس ہے کہ یہ مضمون مجلّے کے اکتیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اور علامہ کی بیشتر مفصّل تحریریں اسی (یا اس سے بھی پہلے) دور کی ہیں ــــ پھر اس میں علامہ نے تقریباً ویسے ہی خیالات ظاہر کیے ہیں، جو ہمیں "اسرارِ خودی" کی بحث کے ضمن میں، ان کے ۱۹۱۶ء کے اردو مضامین (اسرارِ خودی اور تصوّف۔ سِرِّ اسرارِ خودی۔ تصوّفِ وجودیہ)[9] میں ملتے ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

The history of man is a stern reality and the glory of human personality consists not in gradual self-evaporation but self-fortification by continual purification and assimilation. If God, as Bedil seems to teach is essentially life and movement, then it is not through an intuitive slumber, but through life and movement alone that we can approach Him. If, in any sense He has chosen to dwell within us and our personality is but a veil that hides Him from us, our duty lies not in demolishing the tiny dwelling. He has chosen, but to manifest His glory through it by polishing its clay walls through action and turning them into transparent mirrors. The idea of annihilation is indeed the vice of all Persian sufism (the reader will please bearin mind that in my opinion Muslim sufism and Persian sufism are two different things) which has, for centuries been prevalent in the entire muslim world, and working as one of the principal factors of its decay. This type of sufism has soaked up the energies of the best muslims in every

age, and has imperceptibly undermined the foundations of a revelational system of law which it regards as a mere device to meet the emergencies of communal life.

اس اقتباس سے اقبال خوب صورت انگریزی نثر کا ایک نمونہ بھی سامنے آتا ہے۔ جس کا ایک وصف clarity ہے۔

نو غیر مطبوعہ خطوط

متنِ اقبال کے سلسلے میں دوسری دریافت، علامہ کے نو غیر مطبوعہ انگریزی خطوط ہیں۔ ان میں سے دو، اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کے مجلّے "اقبالیات" میں شائع ہوتے ہیں۔ ۱۹۳۴ء کے یہ دونوں خط بیجاپور کی بی بی امینہ کے نام ہیں۔ خطوط کا صرف متن دیا گیا ہے، مکتوب الیہا اور خطوں کے سیاق و سباق کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ بی بی امینہ مثنویِ رومی کا منظوم ترجمہ کرنا چاہتی تھی۔ علامہ نے انھیں منع کیا، کیوں کہ ان کے خیال میں شاعری کے منظوم ترجمے کی کاوش ایک بنیادی غلطی ہے۔ علامہ نے مکتوب الیہا کے منظوم ترجمے کی تصحیح سے معذرت چاہی۔ اس سلسلے میں مصروفیات اور خرابیِ صحت کے علاوہ، معذرت کا ایک اور سبب یہ ظاہر کیا:

I am not very (well) acquainted with the technique of English verse.

یہ علامہ کی صاف گوئی تھی، اور ان کا انکسار بھی، ورنہ:

"وہ انگریزی ادب کے استاد رہ چکے تھے، خود اچھی انگریزی لکھتے تھے اور انگریزی کے ادبِ عالیہ سے ان کی واقفیت

گری تھی۔ ملٹن اور انگریزی کے رومانی شعراء خصوصاً
ورڈز ورتھ سے انھوں نے بہت اثر قبول کیا ہے۔" [۱۰]

دوسرے خط مورخہ ۳ جولائی ۱۹۳۴ء میں علامہ لکھتے ہیں:

I am not a sufi and do not believe in the ways of modern Indian Sufism, which I regard one of the main causes of the moral decay of Indian Islam.

یہ تقریباً وہی بات ہے، جس کا اظہار علامہ نے "اسرارِ خودی" پر بحث سے متعلق متذکرہ بالا مضامین میں کیا۔ گویا ۱۹۳۴ء میں بھی، علامہ اپنے انھی خیالات پر قائم تھے، جن کا اظہار وہ ۱۹۱۶ء سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ وہ مثنویِ رومی کو جدید تشکیک و الحاد کا تریاق سمجھتے تھے۔ لکھتے ہیں:

I do regard Rumi's Mathnavi as a kind of antidote to the poison of modern Scepticism and Atheism.

علامہ نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء کے خط میں محمد حسین عرشی کو لکھا:

"میں ایک مدت سے مطالعۂ کتب ترک کر چکا ہوں۔
اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی۔" [۱۱]

امینہ بی بی کے نام خط میں، اقبال نے لکھا ہے کہ آج کل کی مصروف زندگی میں کسی شخص کے لیے چھبیس ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی کا مطالعہ ممکن نہیں ہے، اس لیے عصرِ حاضر کی ضروریات کے مطابق رومی کا ایک انتخاب ہونا چاہیے۔ اقبال نے اپنی اس دیرینہ خواہش کا اظہار ذکر کیا ہے کہ وہ خود رومی کا ایک انتخاب کرنا چاہتے تھے، مگر خرابیِ صحت کے سبب انھیں یہ ارادہ ترک کرنا پڑا ـــــــ یہ خط مطالعۂ رومی و اقبال کے

سلسلے میں ایک نیا حوالہ ہے ـــــ اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کے ڈائریکٹر پروفیسر آل احمد سرور سے یہ التماس بے جا نہ ہوگا کہ وہ بی بی امیتہ کے ورثا سے اس خطوط حاصل کر کے محفوظ کرلیں، اور اُن کی عکسی نقول اپنے مجلّے میں شائع فرمائیں۔

تیسرا خط، نواب بہاول پور صادق محمد عباسی کے نام ہے، اور اقبال اکادمی پاکستان کے انگریزی مجلّے Iqbal Review (شمارہ: اپریل تا ستمبر) میں شائع ہوا ہے۔ اس پر تاریخِ تحریر درج نہیں، مگر یہ آخرِ ستمبر یا اوائلِ اکتوبر ۱۹۳۷ء کا تحریر کردہ معلوم ہوتا ہے۔ موضوع ہندوستان میں مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کا مستقبل ہے۔ خیال رہے کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں جب کانگریس کو ہندوستان کے آٹھ صوبوں میں اقتدار ملا، تو اس کے صدر سوبھاش چندر بوس نے کانگریس ڈکٹیٹرشپ کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا کہ ہمیں دوسری جماعتوں سے تعاون اور مخلوط حکومت کا خیال ترک کر دینا چاہیے۔ پنڈت نہرو نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اعلان کیا کہ:

"ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں، ایک کانگریس
اور دوسری حکومت۔"[۱۲]

پھر اقتدار ملتے ہی کانگریس نے ایسے اقدامات کیے، جن سے مسلمانوں کو بے حد مایوسی ہوئی ـــــ علامہ اقبال کا یہ خط اسی پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

The Indian National Congress has begun to show itself in its true colours.

علامہ نے بندے ماترم کو سیاسی گیت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے ذریعے ذہنوں میں "قدیم ہندوستان کے بت" کا تصوّر پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے انہوں نے صوبہ سرحد کی کانگریسی حکومت کے بعض اقدامات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جن کے نتیجے میں اسلامیہ کالج پشاور کے ختم ہونے کا اندیشہ تھا ـــــ ایسے

نازک حالات میں، اقبال نے علمائے سوء سے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ ان کا بیان لائقِ توجہ ہے۔ فرماتے ہیں:

> The behaviour of the Ulemas of Islam who have participated in Indian politics, have shown that they have absolutely no grasp of Muslim situation in India. Indeed the most learned of Ulema have shown themselves to be the most stupid one.

علامہ نے اس صورتِ حال پر انتہائی کرب اور رنج و الم کا اظہار کیا ہے۔ ان کے لیے یہ امر باعث اذیت تھا کہ مسلمان طلبہ الحاد و لادینیت کی طرف مائل ہو رہے تھے اور مذہب کا تمسخر اڑانے لگے تھے۔ علامہ کے خیال میں ایسے حالات میں ہر مسلمان کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں ہم سب خدا اور رسولؐ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اس خط میں اقبالؔ نے، نواب صاحب کو بطور ایک مسلمان اور مسلم حکمران، اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ انھوں نے عربی زبان و ادب کے احیاء پر زور دیا ہے کہ اس طرح ہندی اسلام اپنی اصل سادگی اور پاکیزگی کی طرف لوٹ آئے گا ـــــ علامہ نے اس خط میں نواب صاحب کے سامنے کوئی متعین منصوبہ کار پیش کرنے کے بجائے مناسب انداز میں ایک کلچرل تحریک جاری کرنے پر زور دیا ہے۔ اصل میں یہ خط ہندوستان کی امتِ مسلمہ اور اس سے بھی زیادہ، اس ملک میں اسلام اور اسلامی تہذیب کے مستقبل کے بارے میں اقبالؔ کے خدشات اور ان کی فکر مندی کا آئینہ ہے، اور مکتوب الیہ کے لیے ایک طرح کی تنبیہ بھی ـــــ معلوم ہوتا ہے، علامہ اُس زمانے میں شدید اضطراب کا شکار تھے۔ اُس زمانے کے بعض دیگر خطوں میں بھی: "کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی" والی

کیفیت نظر آتی ہے۔ خیال آتا: "اسلام کے لیے اس ملک میں نازک زمانہ آرہا ہے؛ کبھی سوچتے: "مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہوگا؟ ۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جاتے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک سے فنا ہو جاتے ـــــــ مختصر یہ کہ یہ خط، اسلامی تہذیب اور امّتِ مسلمہ کے لیے علامہ اقبال کے والہانہ لگاؤ، اور ساتھ ہی ان کی دردمندی و دل سوزی کا ایک اور اہم ریفرنس ہے۔

م حسن لطیفی کے نام علامہ کے چھ غیر مطبوعہ خطوط مجلّہ "نقوش" (دسمبر ۱۹۸۶ء) میں شائع ہوتے ہیں۔ تین خط انگریزی میں ہیں اور تین اردو میں ـــــ تین خطوط، تین چار سطری ہیں اور رسمی نوعیت کے جواب ہیں۔ ایک خط میں وسطِ ایشیا کے مسلمانوں پر روسی مظالم کا ذکر ہے۔ ۱۹۳۳ء کے خط میں علامہ نے نام لیے بغیر اس ادارے کے لیے نیک تمناؤں کا ذکر کیا ہے، جس کے لیے وہ نظامِ دکن کی اعانت کے خواہاں تھے۔ ۱۹۳۶ء کے خط میں ایک دو ایسے ریفرنس ہیں، جن کے بارے میں یقینی طور پر کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔ یہ خط علامہ نے قدرے بے تکلّفانہ انداز میں لکھا ہے اور اس سے علامہ کے مخصوص مزاج کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ م حسن لطیفی کو لکھتے ہیں

> "اب تو حج بھی کر آئے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللّٰہ میاں پر
> آپ کا کچھ نہ کچھ حق بھی قائم ہوگیا ہے۔ بلا تکلّف اس
> مشورے پر عمل کیجیے، جو مَیں نے آپ کو ایک مدّت ہوئی،
> دیا تھا۔ پنجاب میں اس مشورے پر عمل کرنے میں کوئی
> دقت نہیں ہے۔ خدا کے فضل سے یہاں کے لوگ؛
> یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد
> باقی رہا وہ راز، جو آپ کو معلوم ہوگیا ہے۔ اس کو مناسب

ہو تو شائع کو دیکھیے۔ مجھ کو تو جو کچھ معلوم ہوا، قرآن پر
تدبّر کرنے سے ہوا۔ ممکن ہے حقائق کی طرف کوئی
short-cut بھی ہو، مگر مجھ کو وہی پسند ہے،
جس پر میں سے عامل رہا ہوں۔ والسلام
محمد اقبال

اسں سال متنِ اقبال کا کچھ حصّہ، از سرِ نو مرتّب و مدّون ہو کر سامنے آیا ہے۔ ایک
وخطبات کا محشّٰی نسخہ ہے۔ اور دوسرے: مکاتیبِ اقبال کے دو مجموعے۔

انگریزی خطبات The Reconstruction of Religious Thought in Islam

محشّٰی ایڈیشن ○ مرتبہ: ایم سعید شیخ

راقم الحروف کے نزدیک، اقبالیات کا بنیادی اور اہم ترین کام، تصانیفِ اقبال کے
صحیح اور محشّٰی ایڈیشنوں کی تیاری اور علامہ کے متفرق کلامِ نظم و نثر کی تحقیقی ترتیب و تدوین ہے۔
اقبالیات کا یہ شعبہ، اقبالی مصنّفوں کی تحقیق و توجہ کا طالب ہے۔ ماسوا خطوط کے، اور وہ بھی
ایک حد تک، علامہ کے متن پر کوئی معیاری کام سامنے نہیں آیا۔ پروفیسر محمد سعید شیخ
نے برسوں کی تحقیق و پژوہش کے بعد خطباتِ اقبال کا محشّٰی ایڈیشن تیار کیا ہے۔ یہ نسخہ
حال ہی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس کام کو متنِ اقبال کے
سلسلے میں' بلا تامّل ایک معیاری، بلکہ مثالی کام قرار دیا جا سکتا ہے۔
چھ خطبات پر مشتمل اوّلین ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں

ایک خطبے کے اضافے، اور متن کی بعض ترمیمات کے ساتھ ۱۹۳۴ء میں لندن سے دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ علامہ کی زندگی میں شائع ہونے والا آخری ایڈیشن تھا۔ اس اعتبار سے علامہ کے نزدیک یہی، خطبات کا حتمی متن ہے۔ پروفیسر ایم سعید شیخ صاحب نے اسی کی بنیاد پر متن تیار کیا ہے، جس میں اہتمامِ رموز اوقاف کے علاوہ اسماء و اعلام، انگریزی اقتباسات اور اردو اور فارسی اشعار صحیح صورت میں درج کیے گئے ہیں۔ اسمائے معرفہ کے ہجوں اور اِملا کی درستی کے ضمن میں سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ تصحیح "زرکشی" کی ہے، جو متن میں "سرکشی" تھا۔ خطبات کے اردو، فارسی اور فرانسیسی مترجموں نے اسے "سرخشی" قرار دیا تھا۔ سعید شیخ صاحب خاصی تلاش و تحقیق کے بعد اس نتیجے تک پہنچے کہ صحیح نام "زرکشی" ہے ـــــــ مرتب نے مقدمے میں تدوین کی نوعیت اور اس کے طریقِ کار کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ علامہ نے خطبات میں چونتیس مغربی مصنّفین کے حوالے دیے ہیں، جن میں سے اٹھائیس ان کے معاصرین ہیں۔ زیادہ تر حوالے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۸ء کے درمیان شائع ہونے والی کتابوں کے ہیں علامہ نے مغربی مصنّفین پر جو بحثیں کی ہیں، مرتب نے ان کے حوالے سے علامہ کے فلسفیانہ خیالات پر عالمانہ اظہارِ خیال کیا ہے۔

پروفیسر ایم سعید شیخ کا حاصلِ تحقیق، کتاب کے آخری نوّے صفحات ہیں۔ اس کے چار حصّے ہیں:

۱۔ تعلیقات اور حوالے۔

۲۔ کتابیات۔

۳۔ قرآنی اشاریہ۔

۴۔ (عمومی) اشاریہ

خطبات کے متن پر ان کے تحریر کردہ تعلیقات اور حوالے سینتالیس صفحات پر محیط ہیں۔
تعلیقات وحواشی مختلف النوّع ہیں :

۱۔ علامہ نے بعض مشرقی و مغربی حوالوں یا ان کی کتابوں کے نام لیے بغیر، ان کے اقتباسات، خطبات میں شامل کیے ہیں، مثلاً خطبۂ ششم کے آغاز میں A modern historian of civilization کے حوالے سے ایک طویل اقتباس دیا ہے۔ ایک اور جگہ The great mystic poet of Islam کی ایک عبارت شامل کی ہے۔ کہیں مصنّف کا نام لکھ دیا، مگر کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ کہیں کتاب کا نام ہے مگر مصنف کا نام ندارد۔

مرتب نے ایسے حوالے تلاش کیے، اور ان کی مکمل نشان دہی کی، مثلاً اوّل الذکر "ایک جدید مورّخ تہذیب" کے نام (J.H.Denison) اور ان کی کتاب Emotion as the Basis of Civilization کا کھوج لگایا، اور اس سے اخذ کردہ اقتباس کا حوالہ بھی درج کیا۔ وغیرہ

۲۔ مرتب نے علامہ کے بعض حوالوں کی تصحیح بھی کی ہے۔ خطبۂ دوم (ص ۲۹-۳۰) میں برٹرینڈ رسل کا ایک اقتباس درج ہے، شیخ سعید صاحب نے وضاحت کی ہے کہ یہ رسل کا نہیں، کار کا بیان ہے اور اس نے یہ بات رسل پر تنقید کرتے ہوئے کہی ہے۔ (ص ۱۶۳، تعلیقہ نمبر ۱۵)

۳۔ علامہ نے کسی موقع پر کسی خاص امر کا ذکر کیا یا اس جانب اشارہ کیا یا کسی تأثر کا اظہار کیا، تو مرتّب نے کسی قرینے کی بنا پر اس کا سبب متعیّن کرنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ تأثر، فلاں کتاب کے مطالعے سے پیدا ہوا ہوگا۔ اس سلسلے میں جنابِ مرتّب نے علامہ کی ذاتی لائبریری (مخزونہ اسلامیہ کالج لاہور) میں موجود کتابوں، اور ان پر علامہ کے تحریر کردہ اشارات وحواشی سے استشہاد

کیا ہے۔

۴۔ علامہ نے خطبات میں عربی، فارسی، جرمن اور ترکی مصنّفین کے (ترجمہ شدہ) انگریزی اقتباسات دیے ہیں۔ فاضل مرتّب نے اصل عربی، جرمن، فارسی اور ترکی متون شامل کر کے حواشی میں درج کیے ہیں، مثلاً "المباحث المشرقیہ" سے رازی کی اصل عربی عبارت (ص ۱۶۹) یا جورف فریڈرک ناؤمن کا جرمن اقتباس (ص ۱۷۰) یا شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات سے فارسی عبارت۔ یا ضیا۔ گوکلپ کی ترکی نظموں کا متن (علامہ اقبال نے جرمن ترجمے سے انگریزی ترجمہ کیا تھا) وغیرہ۔

۵۔ بعض مقامات پر علامہ نے ابن مسکویہ کی "الفوز الاصغر" حضرت شاہ ولی اللہؒ کی "الحجّۃ البالغہ" اور عراقی کی "غایت الامکان فی درایتہ المکان" وغیرہ سے ملخص تراجم خطبات میں شامل کیے ـــــ جناب مرتّب نے یہ حوالے بھی تلاش کر کے درج کیے ہیں۔

۶۔ فاضل مرتّب نے کسی خاص نکتے یا مسئلے پر، علامہ اقبال کی بحث کے علاوہ، دیگر علماء کے مباحث کی طرف بھی اشارے کیے اور حوالے دیے ہیں، جیسے آئن سٹائن کے نظریات پر بحثیں (ص ۱۶۴، تعلیقہ ۱۷)

۷۔ تقابلی حوالوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ خطبات کے باہمی تقابلی حوالوں کے علاوہ خطوط کے حوالوں کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں۔ مزید مطالعے کے لیے بھی ہدایات دی گئی ہیں۔

۸۔ خطبات میں عددی اعتبار سے قرآن حکیم کے حوالے سب سے زیادہ ہیں۔ فاضل مرتّب کے مطابق براہِ راست حوالوں کی تعداد ستتّر ہے۔ پچاس مقامات پر محض اشارے کیے گئے ہیں۔ ان کا تعلّق قرآنی تصوّرات اور موضوعات سے ہے۔

قرآنی اشاریہ ان سب کی نشان دہی کرتا ہے۔ جناب سعید شیخ، خطبات کے قرآنی حوالوں کی تلاش و تفتیش کے دوران میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علامہ قرآن حکیم میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔

حواشی و تعلیقات کے اس کام میں، گنتی کے چند مقامات پھر بھی وضاحت طلب رہ گئے ہیں (ص ۳۵) مرتب نے بتایا ہے کہ اُنھیں خطبات میں مذکور بار مصنّفین کے حوالے نہیں مل سکے ـــــ اس کے باوجود جناب مرتب نے محنت و جانکاہی اور تلاش و تحقیق کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ کہنے کو یہ صرف ۷۴ صفحات ہیں۔ اگر قرآنی اشاریے کے صفحے بھی شامل کر لیے جائیں تو ۵۲ صفحات بن جاتے ہیں، مگر گنتی کے یہ صفحے، مقدار سے قطع نظر، اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے سیکڑوں، بلکہ ہزاروں صفحات پر بھاری ہیں۔ فاضل مرتب نے اس ضمن میں کیا کیا کھکیڑ اٹھائی، اس کا اندازہ اس کام کو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس عظیم الشّان کام پر مرتب کے ہاں کوئی ادّعا نہیں ملتا۔ صحیح معنوں میں ایک عالم کی شان کے ساتھ، وہ اُن افراد اور اداروں کا نام بنام شکریہ ادا کرتے ہیں، جن سے کسی نہ کسی درجے میں بھی انھیں تعاون ملا۔

ہمارے علمی اور ادبی حلقوں میں پروفیسر سعید شیخ کے نام سے کم لوگ واقف ہیں، وہ حلقوں اور جلسوں کے آدمی نہیں۔ ان کی دلچسپی اپنے کام سے رہی۔ ان کا کام غیر معمولی ہے مگر اس کا ذکر، ابھی تک کہیں نہیں ہوا ـــــ سوال یہ ہے کہ ہمارے ہاں قدر دانی کا معیار کیا ہے؟ ـــــ راقم اس کا جواب دینے کی پوزیشن میں تو نہیں، مگر بلا تأمّل کہہ سکتا ہے کہ یہ درجۂ اوّل کا کام ہے اور اقبالیات کی تاریخ میں ایک کارنامہ ـــــ اس کام کے ساتھ پروفیسر محمد سعید شیخ صاحب کا نام اقبالیات کی تاریخ میں محفوظ رہے گا۔

اقبال بنام شاد ○ مرتبہ : محمد عبداللہ قریشی

علامہ اقبال کے خطوط کا سب سے پہلا مجموعہ "شاد اقبال"، دکن کے نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا تھا۔ یہ اقبال کے ۴۹، اور شاد کے ۵۲ یعنی کل ایک سو ایک خطوط اور مرتب کے تیس صفحاتی دیباچے پر مشتمل ہے۔ بعد ازاں اقبال اکادمی پاکستان کو شاد کے نام اقبال کے پچاس مزید خطوط دستیاب ہوئے جو بزرگ ادیب اور محقق محمد عبداللہ قریشی سے مرتب کرائے گئے اور "صحیفہ" کے اقبال نمبر (جلد اول، اکتوبر ۱۹۷۳ء) میں ایک طویل مقدمے اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئے ـــــ "شاد اقبال" اور "صحیفہ" کا مذکورہ خاص شمارہ دستیاب نہ تھے، چنانچہ قریشی صاحب نے اس ساری مراسلت کو نئی (زمانی) ترتیب کے ساتھ، مع حواشی و تعلیقات اور مقدمہ، شائع کر دیا ہے، مجموعے کا نام ہے: "اقبال بنام شاد"۔ اصل میں تو یہ "شاد اقبال" ہی کا اضافہ شدہ ایڈیشن ہے ـــــ ہمارے خیال میں اس مجموعے کا اصل نام برقرار رکھنا چاہیے تھا، اور سرورق پر اس کے مرتب ڈاکٹر زور کا نام بھی درج کرنا قرینِ انصاف تھا، اور اس کے ساتھ محمد عبداللہ قریشی صاحب کا نام، بہ طورِ شریکِ مرتب خوب جچتا ـــــ یہ مطلوب صورت بعینہٖ وہی ہے، جو "مقالاتِ اقبال" کے دوسرے ایڈیشن میں اختیار کی گئی ہے۔[۱۵]

جناب مرتب نے اپنے تفصیلی مقدمے میں شاد کے سوانح، تصانیف اور اقبال سے ان کی ملاقاتوں اور تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ دیگر مصادر کے علاوہ، ان کا ایک اہم ماخذ "شاد اقبال" کا، ڈاکٹر زور کا تحریر کردہ مقدمہ ہے، مگر کہیں اس کا

حوالہ نہیں دیا گیا۔ شاؔد کے سفرنامے "سیرِ پنجاب" سے جو اقتباس لیے گئے ہیں عجیب اتفاق ہے کہ وہ سب وہی ہیں، جو ڈاکٹر زورؔ کے مقدمے میں درج ہیں۔ شاؔد کے سوانح اور ادبی خدمات پر ڈاکٹر حبیب ضیار کا تحقیقی مقالہ ۱۹۷۸ء میں دکن سے شائع ہوا تھا، اس کی روشنی میں، اس مقدمے میں خاصے اضافے ہو سکتے ہیں ـــــ قریشی صاحب نے خطوط پر تعلیقات بھی رقم کیے ہیں۔ یہ بہت مفید، مگر ساتھ ہی غیر متوازن ہیں۔ ایک ڈیڑھ سطر کے مختصر تعلیقات کے مقابلے میں بعض تعلیقے کئی کئی صفحات پر پھیل گئے ہیں۔ مثلاً: سر علی امام، سوا تین صفحے۔ ظہیر دہلوی ساڑھے پانچ صفحے۔ مولانا عبداللہ عمادی، ساڑھے دس صفحے۔ نواب سر ذوالفقار علی خان ساڑھے چودہ صفحے۔ آفتاب اقبال، سولہ صفحے ـــــ بعض تعلیقے تو مرتب کے مستقل مضامین ہیں جو اُن کی ایک دوسری تصنیف "معاصرین، اقبال کی نظر میں"[۱۶] میں، جوں کے توں یا معمولی کمی بیشی کے ساتھ، موجود ہیں، جیسے: نواب سر ذوالفقار علی خان، مولانا عبداللہ عمادی، ظہیر دہلوی وغیرہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کے بارے میں فاضل مرتب کو جو بھی معلومات حاصل ہو گئیں، وہ سب تعلیقات میں شامل کر لی گئیں، قطع نظر اس سے کہ، متعلقہ مقام پر ان کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ طرفہ تماشا یہ ہے کہ جنابِ مرتب نے ان تعلیقات کی "طوالت [کو] نہایت ضروری" قرار دیا ہے (ص-۶۰) انہوں نے خیال نہیں فرمایا کہ وہ خطوط کے تعلیقات رقم کر رہے ہیں، رجالِ اقبال یا معاصرینِ اقبال کی سوانح عمریاں مرتب نہیں فرما رہے ـــــ بے ضرورت اور نامطلوب معلومات کے علاوہ، تعلیقات کا ایک اور نقص یہ ہے کہ بعض اہم اور مطلوبہ امور تشنۂ وضاحت رہ گئے ـــــ حواشی و تعلیقات، کسی امر کی توضیح و تعیّن کے لیے دیے جاتے ہیں اور اس ضمن میں تواریخ و سنین بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود جنابِ مرتب ایک جگہ ظہیر دہلوی کی "داستانِ غدر" کی ایک خامی کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"اس میں ایک بات کی کمی ہے کہ مولانا ظہیر نے اس
میں کہیں بھی تاریخ یا سنہ یا مہینہ نہیں دیا۔" (ص ۶۶)

ہمیں زیرِ نظر مجموعے کے تعلیقات میں یہی کمی واضح طور پہ نظر آتی ہے، مثلاً : یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء کے خط میں اقبال بتاتے ہیں کہ :

"پہلے کان پور مسجد کے مقدمے کے لیے گیا۔"

اس کا تعلیقہ ایک صفحے کا ہے، مگر اس پورے تعلیقے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مسجد کی شہادت کا واقعہ کس سنہ میں پیش آیا۔ تعلیقہ نگار نے یہ سب یہ لکھ دیا ہے کہ انگریزوں نے "اپنے دورِ اقتدار میں" مسجد کا کچھ حصہ مسمار کر دیا تھا۔

اس مجموعے میں شامل خطوط کے متن کو بھی فاضل مرتّب کی خاطر خواہ توجہ حاصل نہیں ہو سکی۔ بعض خطوط کی تاریخیں معمولی سے تامّل سے صحیح ہو سکتی تھیں، مثلاً :

خطوطِ اقبال : خط ۴۔۔۔ ترتیب زمانی میں ۱۹۱۶ء کا خط ہے، نہ کہ ۱۹۱۴ء۔۔۔ خط ۴۹، ۵ دسمبر صحیح ہے، نہ کہ ۴ دسمبر (دیکھیے خط ۵۰، محررہ ۶ دسمبر "کل جو عریضہ لکھا تھا") خط ۸۹، محض "۱۱ دسمبر" لکھا ہے، یہ دسمبر ۱۹۲۲ء کا تحریر کردہ ہے۔

خطوطِ شاد : خط ۳، پہلی سطر، ۱۱ نومبر صحیح ہے، نہ کہ ۱۴ نومبر (دیکھیے خط ۲، ص ۲۸۹) ۔۔۔ خط ۹۴، ۲۹ دسمبر ۱۹۲۴ء صحیح ہے، نہ کہ ۹ جنوری ۱۹۲۵ء (داخلی شواہد اس کی تصدیق کرتے ہیں) ۔۔۔ تاریخوں کے علاوہ کئی خطوں کا متن تصحیح طلب ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں موجود عکوسِ مکاتیب کی مدد سے ایسا کرنا مشکل نہ تھا۔ جناب محمد عبد اللہ قریشی ایک ذی علم بزرگ ہیں۔ ان کے تمام تر احترام کے باوجود، ان کی زیرِ نظر کاوش کو تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے معیاری قرار دینا مشکل ہے۔ مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"اقبال اپنا کوئی راز مہاراجہ سے پوشیدہ نہیں رکھتے
تھے، بلکہ اپنے عشق و محبّت کی واردات کا حال تک
بیان کر دیتے تھے۔" (ص ۶۰)

یہ بات قریشی صاحب روا روی میں کہہ گئے ہیں۔ اوّل تو اقبال کی "عشق و محبّت کی وارداتوں" کا معاملہ ہی وضاحت طلب ہے۔ پھر یہ کہ ہمیں زیرِ نظر مجموعے میں کوئی ایسا خط نہیں ملا، جس میں اقبال نے شاد کو اپنی کسی ایسی "واردات" سے آگاہ کیا ہو۔

ہم نے اس مجموعے کے بعض نقائص کی طرف اس لیے توجّہ دلائی ہے کہ مرتبین کو تنبّہ ہو۔ متن کی تدوین و ترتیب میں فنِ تدوین (editing) کے اصولوں کو نظر انداز کر کے کوئی معیاری تدوین نہیں کی جا سکتی۔

مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان

خطوط کے ایک اور مجموعے "مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان" کا دوسرا ایڈیشن، مرزا محمد منوّر کے مقدمے، خان نیاز الدین خان کے مختصر تعارف، مختصر تعلیقات اور مکاتیبِ گرامی بنام نیاز الدین خان، کے اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ پروفیسر منوّر صاحب نے مقدمے میں حضرتِ علامہ کی شخصیت اور ان کی مکتوب نگاری پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ غالب کے سوا، اُردو کے شاید ہی کسی دوسرے شاعر نے اتنے خطوط لکھے ہوں گے۔ تاہم غالب اور اقبال میں فرق یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد غالب نے مکتوب نویسی کو، اپنی تنہائی کی تسکین کے لیے، بہ طورِ مشغلہ حیات اختیار کیا تھا، مگر اقبال نے محض تنہائی سے گھبرا کر یا فارغ ایّام کی شکم پروری کے لیے شاید ہی کبھی خط لکھا ہو۔ ان کے خطوط کی کثرتِ کثیرہ لوگوں کے مکاتیب کا جواب

ہے۔ (ص ۹) مکتوب الیہ کے صاحبزادے نفیس الدین احمد نے "تعارف" میں خطوط کی ترتیب و اشاعت کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ خان نیاز الدین خان مرحوم صاحبِ ذوق اہلِ علم تھے۔ اُن کے سوانحی خاکے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ قلم تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی متعدّد قلمی یادگاریں ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گئیں ان میں ایک فارسی کتاب کا ترجمہ، خود نوشت بہ عنوان: "حیاتِ بے ثبات" اور اردو فارسی کلام پر مشتمل بیاض شامل تھی۔ مزید برآں انھوں نے "پیام مشرق" کا منظوم اردو ترجمہ بھی کیا تھا، علّامہ نے اسے پسند تو کیا، مگر فرمایا کہ شائع نہ کیا جائے، ورنہ اصل کتاب نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔ اس ایڈیشن کا سب سے مفید اضافہ خطوط پر تعلیقات ہیں، تاہم ان پر مزید اضافوں اور ان کی ایڈیٹنگ کی ضرورت ہے۔ نفیس الدین احمد صاحب نے یہ تعلیقات اپنی "بے بضاعتی" کے اعتراف کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ بایں ہمہ یہ ایک مفید اضافہ ہے اور ان سے خطوط کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس ایڈیشن میں ایک کمی کا احساس ہوتا ہے۔ پہلی اشاعت میں دو خطوں کے عکس شامل تھے، اس اشاعت میں مزید عکسوں کے اضافے کے بجائے، وہ دو عکس بھی نکال دیے گئے ـــــ بہرحال بہ الفاظ پروفیسر محمد منوّر:

> "کہا جا سکتا ہے کہ اس ننھّے منّے سے مجموعۂ مکاتیب نے
> خان صاحب کو حیاتِ جاوید بخش دی۔ مردانِ حُر دوامی
> قدروں کی طرح لافانی ہیں۔ ان مردانِ حُر سے ذرا سی نسبت
> بھی لافانی بنا دیتی ہے۔" (ص ۱۶)

موضوعاتِ اقبال ○ مرتبہ: محمد شریف بقاؔ

"خطباتِ اقبال پر ایک نظر" کے مصنّف جناب محمد شریف بقا نے، مختلف

موضوعات پر علامہ اقبال کے اشعار کا ایک انتخاب پیش کیا ہے۔ اس میں بندۂ مومن، زندگی، سائنس، سرمایہ داری، عشقِ رسول ؐ، عورت، فرد اور قوم، کسان، کشمیر، ملتِ اسلامیہ، وطنیت اور اسی طرح کے بہت سے موضوعات پر منتخب اردو اشعار یک جا مل جاتے ہیں۔ پاورقی حاشیے میں مشکل الفاظ کے معانی بھی درج کیے گئے ہیں۔ ——— طالب علموں کے لیے اسے ایک مفید کتاب قرار دیا جا سکتا ہے تاہم جناب خالد بزمی کا یہ کہنا کہ: "اس قسم کی کوششیں سنگِ میل ثابت ہو سکتی ہے۔" (تقریظ)، مبالغہ آرائی ہے۔

---

(۲) کلامِ اقبال کا ترجمہ

The Secrets of The Self ○ مقبول الٰہی

"اسرارِ خودی" (۱۹۱۵ء) کا، اور علامہ اقبال کی کسی بھی کتاب، سب سے پہلا ترجمہ ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن نے شائع کیا تھا۔ اقبال صدی (۱۹۷۷ء) کے موقع پر عبدالرحمان طارق نے دوسرا انگریزی ترجمہ پیش کیا، اور اب مقبول الٰہی صاحب کا منظوم ترجمہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے شائع کیا ہے۔

ایک شعر کا ترجمہ چار سطری سٹینزے میں کیا گیا ہے، جس کی دوسری اور چوتھی سطریں ہم قافیہ ہیں۔ ترجمے کی بحر یکساں نہیں، بلکہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ مترجم بتلاتے ہیں کہ ایسا غیر شعوری طور پر ہوا، بعدازاں اُنھیں احساس ہوا، مگر اب تبدیلی مشکل تھی، اس لیے ترجموں کا توں رہنے دیا گیا۔ — انہوں نے وضاحت کی ہے کہ یہ ترجمہ مغربیوں کے لیے نہیں، بلکہ انگریزی خواں اہلِ مشرق کے لیے کیا گیا ہے۔ مقبول الٰہی صاحب دیباچے میں لکھتے ہیں: نثری ترجمہ، خواہ کتنا ہی صحیح ہو، اس سے اصل کلام کی اپیل اور شعری حسن ظاہر نہیں ہوتا، مگر منظوم مترجم خود بھی شاعر ہوتا ہے۔۔۔ میں نے ترجمے میں کلامِ اقبال کی لفظی خوبیوں، ڈکشن اور استعارے کو بھی، ممکن حد تک، قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔۔۔ رہا یہ امر کہ ترجمے میں اقبال کا فکر، شاعرانہ عظمت اور ان کے اسلوب اور ڈکشن کی شوکت نظر آتی ہے یا نہیں؟

اس کا فیصلہ قارئین کریں گے ــــــ کیا مقبول الٰہی صاحب کا ترجمہ "اسرارِ خودی" کی فنی خوبیوں اور شاعرانہ دل کشی کا حامل ہے؟ اس بارے میں ہم کچھ کہنے سے قاصر ہیں، اس کا صحیح فیصلہ اہلِ نظر نقاد اور ماہرین فن ہی کر سکتے ہیں۔ تاہم ہمیں یہ عرض کرنے میں تامّل نہیں کہ شاعری کا منظوم ترجمہ، اکثر صورتوں میں محض ایک ذہنی مشق ثابت ہوتا ہے۔ اس سے بسا اوقات مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا؛ اور اصل شاعری کا سا لطف پیدا کرنا تو کارے دارد۔ یہی وجہ ہے کہ مترجم نے گوناگوں مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بعض سہارے تلاش کیے ہیں، مثلاً انھوں نے زبان خاص قسم کی اختیار کی ہے، جسے انھوں نے "وکٹورین ورس" کا نام دیا ہے۔ پھر انھیں توضیحِ مفہوم کے لیے قوسین میں بعض زائد الفاظ و عبارات دینی پڑیں۔ بعض مقامات پر تو پورے مصرعے قوسین میں ایزاد کیے گئے ہیں۔ بایں ہمہ ایک عام قاری کی حیثیت سے ہمارا تاثر یہ ہے کہ مقبول الٰہی صاحب کا ترجمہ خاصا کامیاب ہے، اور اکثر صورتوں میں نکلسن سے بہتر ہے۔ "اسرارِ خودی" کا ایک شعر ہے:

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست

بت پرستی، بت گری مقصود نیست

ڈاکٹر نکلسن کا ترجمہ:

Poetising is not the aim of this masnavi

Beauty-worshipping and love-making is not its aim

عبدالرحمان طارق کا ترجمہ:

Poetising is not the aim

of this Mathnavi.

Idol-making and Idol-worshipping
Is not its object [۱۸]

مقبول الٰہی صاحب کا ترجمہ:

Mere poetry, of this Mathnavi
Is not at all the aim
Creating idols for worship
Is farthest from its claim [۱۹]

مؤخر الذکر ترجمہ منظوم ہونے کے باوجود، نکلسن کے ترجمے سے بہتر ہے۔ نکلسن، دوسرے مصرعے کا مفہوم صحیح طرح ادا نہیں کر سکے۔ مقبول الٰہی صاحب کی چوتھی سطر محلِ نظر ہے۔ مقصود کا ترجمہ aim تو درست ہے، مگر کیا claim بھی صحیح ہے؟ پھر کیا آخری سطر کو ترجمے کے طور پر درست قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کچھ تأمل ہے — علامہ کے مصرعے:

ع ہندی ام از پارسی بیگانہ ام

کا ترجمہ انھوں نے یوں کیا ہے:

An Indian am I and therefore
of Persian ignorant

ہماری نظر میں، علامہ نے خود کو جس مفہوم میں فارسی سے "بیگانہ" قرار دیا ہے، اس سے اس مفہوم کی صحیح طور پر ترجمانی نہیں ہوتی۔ نکلسن اور طارق کے ترجمے علی الترتیب اس طرح ہیں:

Persian is not my native- tongue
persian is not my mother- tongue

بہ نسبتاً بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ علامہ کے اس شعر:

اشکِ من از چشمِ نرگس خواب شست
سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رُست

کے ترجمے میں نکلسن اور طارق نے "سبزہ" کے لیے grass ، مگر مقبول الٰہی صاحب foliage استعمال کیا ہے، جو زیادہ مناسب ہے ـــــ مختصراً یہ کہ ترجمہ بہرحال ایک ایسی کاوش ہے، جس میں مُترجِم کہیں تو پتھر سے چشمہ جاری کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، اور کہیں گوناگوں مشکلات اس کی راہ میں حائل ہو کر اُسے متبادل راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں ـــــ مقبول الٰہی صاحب نے ڈاکٹر نکلسن کی تعریف کی ہے، مگر کہا ہے کہ انھیں براہِ راست علامہ اقبال سے مشورے کا موقع ملا، مزید برآں انھیں مولوی محمد شفیع (پرنسپل اورینٹل کالج) سے استفادے کی سہولت بھی حاصل رہی ـــــ ہمارے خیال میں نکلسن کی مشکلات، اُنھیں میسّر سہولتوں کے مقابلے میں زیادہ تھیں۔ نکلسن کے برعکس مقبول الٰہی صاحب کو کچھ زیادہ آسانیاں حاصل ہیں۔ ان کے سامنے "اسرارِ خودی" کے کئی اردو اور انگریزی ترجمے، شروح اور تشریحات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ پھر وہ فارسی زبان، اور فارسی شاعری کی روایات اور اس کے اسالیبِ شعری اور زبان و بیان کی نزاکتوں، نیز اسلامی تاریخ، اسلامی علوم اور تصوّف کی روایت سے کہیں زیادہ واقف ہیں۔ نکلسن کو یہ سب سہولیات اس پیمانے پر میسّر نہ تھیں اور سب سے بڑا اور اہم فرق تو یہ ہے کہ نکلسن اپنی تربیت اور فکر و ذہن کے اعتبار سے ایک مغربی تھا، جب کہ مقبول الٰہی صاحب، مشرق میں پروان چڑھے ہیں۔

زیرِ نظر کاوش، کلامِ اقبال کے انگریزی ترجموں میں ایک اضافہ ہے۔ مترجم نے بعض الفاظ و اصطلاحات اور اعلام و اماکن پر توضیحی حواشی تحریر کیے گئے ہیں، جن کی مدد سے مغربی قارئین بھی بہتر استفادہ کرسکیں گے۔

(۳) کتبِ حوالہ

کسی بھی علم و فن میں تحقیق و تدوین اور اس کی پیش رفت میں حوالہ جاتی تحریریں، ایک ناگزیر معاون یا tool کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بہ سلسلہ اقبالیات اس برس اردو کلام کا ایک اشاریہ، ایک فارسی کتابیات اور اقبال کی تلمیحات و اشارات پر ایک کتاب شائع ہوتی ہے۔

کلیدِ اقبال ○ محمد یونس حسرت

اشاریہ سازی، تحقیق کی اہم شاخ ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، اس کی اہمیت سے قطع نظر، عام قارئین کے لیے بھی کسی کتاب کا اشاریہ استفادے اور کئی اعتبار سے سہولت کا باعث ہوتا ہے۔ بایں ہمہ ہمارے ہاں ایسے کاموں کی جانب، بعض حلقوں میں عمومی تحقیر کا رویہ پایا جاتا ہے۔ یہ رویہ اشاریہ سازی سے بے اعتنائی کا ایک سبب بنا ہے، چنانچہ ہمارے ہاں اکثر علمی اور کتابیں اشاریے سے خالی ہوتی ہیں۔
علامہ اقبال کے جملے اشاریے، زیادہ تر ان کی اُردو شاعری کے حوالے سے تیار کیے گئے ہیں۔ اب تک ایسے چار اشاریے شائع ہوتے ہیں:

۱- "کلیدِ اقبال" از منصور بی اے۔ لاہور، ۱۹۵۰ء

۲۔ کلام اقبال کا اشاریہ، مرتبہ: محمد حنیف شاہد (مشمولہ "کلیاتِ اقبال" اردو، فارسی۔ لاہور، ۱۹۷۳ء)۔
۳۔ "اشاریہ کلامِ اقبال" (اردو) از ڈاکٹر صدیق شبلی۔ فیصل آباد، ۱۹۷۷ء۔
۴۔ "جوئے شیر" از داؤد عسکر۔ کراچی، ۱۹۷۹ء۔

اوّل الذکر دو اشاریے، کلامِ اقبال کے الفاظ، اعلام و اماکن اور موضوعات کے حوالوں پر مشتمل ہیں۔ یہ دونوں کئی اعتبار سے ناقص ہیں، اس لیے ان کی افادیت محدود ہے۔ اشاریہ نمبر ۳ میں، ہر شعر کے پہلے ایک، دو یا تین الفاظ کے حوالے مرتب کیے گئے ہیں۔ اشاریہ نمبر ۴ (جوئے شیر) میں ہر ہر مصرعے کے حوالے ترتیب دیے گئے ہیں۔ اس کی مزید خوبی یہ ہے کہ ہر مصرع مکمل صورت میں درج کیا گیا ہے۔ کلامِ اقبال کی دونوں اشاعتوں، (قدیم و جدید) کے صفحات نمبر اور متعلقہ نظم یا غزل کا عنوان بھی دیا گیا ہے ـــــ یہ اشاریہ، اپنی نوعیت کے اشاریوں میں سب سے بہتر ہے۔ اگر کسی مصرعے کا پہلا لفظ معلوم ہو تو شعر بہ آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے ـــــ لیکن کسی مصرعے کا پہلا لفظ یاد نہ آ رہا ہو اور باقی مصرع خواہ پورا ہی یاد ہو، تو یہ اشاریہ بھی دستگیری نہیں کرتا۔

اس برس اقبال اکادمی کا شائع کردہ اشاریہ "کلیدِ اقبال" اس مشکل کو حل کرتا ہے۔ یہ "کلیاتِ اقبال"، اردو (لاہور، ۱۹۷۳ وما بعد) کے الفاظ و تراکیب کا اشاریہ ہے۔ اس کی مدد سے، اقبالؔ کے کسی شعر یا مصرعے میں استعمال ہونے والے کسی ایک لفظ کے ذریعے (اس سے قطع نظر کہ وہ لفظ مصرعے کے شروع میں ہے، وسط میں ہے یا آخر میں) شعر تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے محمد یونس حسرتؔ کی یہ کاوش، اس شعبے میں کی جانے والی متذکرہ بالا کوششوں پر ایک اضافہ ہے۔ مگر محض اضافہ نہیں، بلکہ نسبتاً ایک بہتر، جامع تر اور زیادہ سائنٹی فک کام ہے۔

مرتب نے دیباچے میں منصور بی اے اور محمد حنیف شاہد کے اشاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے، بجا طور پر، ان کے نقائص کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ اس اسکیم پر بھی روشنی ڈالی ہے، جس کے تحت "کلیدِ اقبال" مرتب کی گئی ہے۔ ہمیں محمد یونس حسرت کے ساتھ کامل اتفاق ہے کہ اس اشاریے سے اقبالیات پر کام کرنے والوں کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہو سکے گی کیوں کہ اس اشاریے کی مدد سے بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون کون سا لفظ یا کون کون سی ترکیب کلیاتِ اقبال میں کس کس صفحے پر وارد ہوتی ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ فاضل مرتب، فن اشاریہ سازی سے مزاجی مناسبت رکھتے ہیں۔ اس کام کے لیے جس باریک بینی اور دقّتِ نظر اور جس مخصوص ذوق کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ان کے اندر موجود ہے (اور اسی بنا پر وہ ایک عمدہ اشاریہ تیار کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں) تاہم، ان کی توجہ چند امور کی طرف مبذول کرانا مناسب ہوگا:

۱۔ انھوں نے دیباچے میں لکھا ہے:

> "فروری ۱۹۷۳ء سے قبل، اقبال کی مختلف تصانیف
> کے جو بھی ایڈیشن شائع ہوتے، وہ سب کے سب
> انھی پلیٹوں سے طبع ہوتے رہے، جنھیں حضرت علامہ
> مرحوم نے خود اپنی نگرانی میں تیار کروایا تھا۔" (ص ۵، ۶)

مرتب نے یہ سطور (اور اس کے بعد کی چند سطور بھی) کلیاتِ اقبال (فارسی اور اردو) کے دیباچے (از جاوید اقبال) سے نقل کی ہیں۔ مگر یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ ۱۹۷۳ء میں جب "کلیاتِ اقبال" (فارسی اور اردو) کے جدید ایڈیشن شائع ہوتے، اس وقت اقبال کی زندگی میں شائع شدہ ان کے کسی اردو یا فارسی مجموعے

کے کسی ایڈیشن کی پلیٹیں محفوظ نہیں تھیں۔ اُس وقت اقبال کے شعری مجموعے جن پلیٹوں سے طبع کیے جا رہے تھے، وہ سب کی سب علاّمہ کی وفات کے بعد تیار کی گئی تھیں۔[۱۲]

۲۔ مرتّب کہتے ہیں:

"یہ اشاریہ کلامِ اقبال میں اسم کو بنیاد مان کر تیار کیا گیا ہے۔" (ص ۱۲)

مزید یہ کہ:

"یہ اشاریہ بنیادی طور پر "کلیاتِ اقبال" اردو کے الفاظ و تراکیب کا اشاریہ ہے۔" (ص ۱۳)

اس وضاحت کی روشنی میں، ہمارے خیال میں اشاریہ صرف متنِ کلام (شاعری) کے حوالوں تک محدود ہونا چاہیے، مگر جناب مرتّب نے:

ا۔ حواشی (جو کلامِ اقبال کا حصّہ نہیں) میں مذکور الفاظ و اعلام کے حوالے بھی شامل کر لیے ہیں، مثلاً: سٹنڈل، بھوپال۔ شیش محل۔ خریطہ جواہر وغیرہ۔

ب۔ بعض نظموں کی تعارفی سطور میں مذکورہ الفاظ بھی اشاریے میں درج کیے گئے ہیں، مثلاً: توشہ خانہ حضور نظام۔ نادر شاہ، غازی وغیرہ۔

ج۔ شیخ عبدالقادر کے دیباچے میں مذکور الفاظ و اعلام کے حوالے بھی شامل کیے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی متنِ کلام نہیں ہے۔

د۔ حتیٰ کہ پرنٹ لائن (جو بہرحال "کلامِ اقبال" نہیں ہے) میں مذکور اعلام کے حوالے بھی شامل ہیں۔

اگر ان اضافات (دیباچہ، حواشی وغیرہ) کے حوالے بھی شامل کرنا مقصود تھا تو اس کی وضاحت ضروری تھی۔

۴- مرتب کہتے ہیں:

"بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو مختلف جگہوں پر مختلف
معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اشاریے میں۔۔۔
انھیں ایک ہی عنوان کے تحت دیا گیا ہے۔۔۔۔
"کلیم" کا لفظ کہیں موسیٰ علیہ السّلام کے لیے اور کہیں
محض کلام کرنے والے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے
چنانچہ ان کا الگ الگ حوالہ دینے کے بجائے تمام
حوالے ایک ہی جگہ "کلیم" کے تحت دیے گئے ہیں۔
اسی طرح "آدم" سے اقبال نے کہیں آدم علیہ السّلام
اور کہیں آدمی یا بنی آدم مراد لیا ہے۔ یہ تمام حوالے
ایک ہی جگہ "آدم" کے تحت دیے گئے ہیں۔"
(ص ۱۳) ———

ہمارے خیال میں یہ اصول ناقص ہے کیوں کہ دو مختلف المعانی الفاظ کو (خواہ اُن کا املا ایک ہی ہو) "ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا" سخت بے اصولی ہے۔ پھر یہ "اصول" قارئین کے لیے باعثِ پریشانی ہے ——— اگر اس "اصول" کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر "آدم" کے ساتھ "آدمی" "غلام کے ساتھ "غلامی" اور "آزاد" کے ساتھ "آزادی" کو ملانے میں کیا حرج ہے؟ (جیسا کہ محمد حنیف شاہد نے کیا، اور جنابِ مرتب اس پر معترض ہوتے ہیں) ——— چوں کہ مذکورہ بالا اصول" فی الحقیقت کوئی اصول ہی نہیں ہے، اس لیے جنابِ مرتب، غالباً غیر شعوری طور پر، اس کی پابندی نہیں کر سکے ہیں۔ مثلاً انھوں نے "جاوید" کے حوالے دو الگ عنوانات کے تحت دیے:

۱۔ "جاوید" بطور اسم نکرہ۔

۲۔ "جاوید" بطور اسم معرفہ یعنی "جاوید اقبال، جسٹس ڈاکٹر"۔

اسی طرح "غالب" کا حوالہ بھی دو عنوانات کے تحت آیا ہے:

۱۔ "غالب" بطور اسم نکرہ بمعنی غلبہ پانے والا۔

۲۔ "غالب" بطور اسم معرفہ یعنی مرزا غالب۔

۴۔ نظموں کے عناوین کے حوالوں میں دو رنگی ملتی ہے۔ بعض نظموں کے عنوانات کو حوالہ بنایا گیا ہے، جیسے:

"طلوعِ اسلام"۔ "ابرِ کوہسار"۔ "صدائے درد"۔

"سوامی رام تیرتھ"۔

مگر بعض منظومات کے عنوانات کے حوالے نہیں دیے گئے، جیسے:

"ایک آرزو"۔ "انسان اور بزمِ قدرت"۔ "دو ستارے"۔

"شمع اور شاعر"۔ "ایک حاجی مدینے کے راستے میں"۔

"ایک گائے اور بکری"۔ وغیرہ۔

دیباچے میں وضاحت ضروری تھی کہ عناوینِ منظومات کے حوالے دیے جا رہے ہیں یا انھیں شامل نہیں کیا جا رہا، اور جو "اصول" بھی قائم کیا جاتا، اس کی پابندی کی جاتی ـــــ راقم کی رائے میں منظومات کے عنوانات کو حوالہ بنانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ عنوانات، شعری مجموعوں (باستثناء "بالِ جبریل" اور "ارمغانِ حجاز") کی فہرستوں سے بہ آسانی تلاش کیے جا سکتے ہیں ـــــ دوسرے یہ کہ یہ عنوانات اقبال کے کلام (شاعری) کے متن میں شامل نہیں ہیں ـــــ البتہ اشاریے کے آخر میں "فہرست عنواناتِ منظومات" علاحدہ شامل کر دی جاتے تو کوئی حرج نہیں۔

۵۔ چند مزید توجہ طلب امور:

ا۔ "بانگِ درا" کا ایک مصرع ہے: ؏

اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمائیِ صحرائے علم

اس میں مذکور ترکیب کے ایک حصّے کو حوالے میں یوں درج کیا گیا ہے:

"راہ پیمائیِ صحرائے علم"

یعنی "رہ" کو "راہ" بنا دیا گیا ہے۔ یہ تصرّف، ناجائز ہے۔

ب۔ "پیرِ رومی" اور "روم" کے حوالوں کو ملا کر درج کیا گیا ہے۔ جب مرتّب کہتے ہیں کہ یہ الفاظ کا اشاریہ ہے، تو پھر دو مختلف الفاظ (خواہ معناً دونوں میں فرق نہیں) کو ایک عنوان کے تحت لانا درست نہیں۔

ج۔ "جبریل" اور "جبرئیل" میں تمیز نہیں کی گئی۔ جب اقبال کے کسی شعر میں "جبریل" کو "جبرئیل" سے تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں اور اسی طرح اس کے برعکس ـــــ تو اشاریے میں بھی اس تفریق کو برقرار رکھنا چاہیے۔

د۔ "سسلی" اور "صقلیہ" معناً ایک، مگر لفظاً مختلف ہیں۔ انھیں ایک ہی حوالے میں یک جا کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہ "الفاظ کا اشاریہ ہے" ـــــ اگر "سسلی" اور "صقلیہ" کو یک جا کرنا جائز ہے تو پھر "شاہین"، "عقاب"، "شہباز" اور "باز" یا "باغ"، "گلشن"، "چمن" اور "گلستان" جیسے ہم معنی الفاظ کے حوالوں کو الگ الگ رکھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

ھ۔ ص ۱۸ تا ۲۱ کے اندراجات میں بہ اعتبارِ ترتیبِ الفباتی، تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے معلوم نہیں کیسے؟ ـــــ اس کی ترتیب درست کر لینی چاہیے۔

و۔ ص ۲۲۴ پر ایک حوالہ ہے: "علمِ تخیل" ـــــ یہ اقبال کے اس مصرعے سے اخذ کیا گیا ہے:

؎ مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیلِ بے رطب

——"کلیاتِ اقبال" کے پہلے ایڈیشن (۱۹۷۳ء) میں یہ مصرع یوں تھا:

؎ مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب

—— اسی سے مرتّب نے "علم نخیل" کی (غلط) ترکیب اخذ کر لی —— اس کی اصلاح ضروری ہے۔

ہماری ان گزارشات کا مقصد، مرتّب کی کاوش کا استخفاف نہیں۔ کسی علمی کاوش میں اس طرح کی فروگذاشتوں کا راہ پا جانا عین ممکن ہے، اور اس سے نہ تو اس کاوش کی اہمیّت کم ہوتی ہے، اور نہ محض چند کمیوں کی بناء پر مصنّف یا مرتب کی محنت یا عرق ریزی پر حرف گیری کی جاسکتی ہے۔

ذخیرۂ اقبالیات میں یہ کتاب ایک قیمتی اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہ طور کتابِ حوالہ (Reference Book) اس کی افادیت و معنویت مسلّم، اور کسی شک و شبہے سے بالاتر ہے —— جناب مرتب کی محنت و کاوش کے تمام تر اعتراف کے باوجود، اس اشاریے کی ایک بڑی خامی کا ذکر ناگزیر ہے۔ مرتّب نے صرف کلیات کی جدید اشاعت (لاہور، ۱۹۷۳ء) کے صفحات نمبر دیے ہیں۔ یوں، جن اصحاب کے پاس کلامِ اقبال کے ۱۹۷۳ء سے قبل کے شعری مجموعے ہیں، ان کے لیے یہ اشاریہ کارآمد نہیں ہے —— گویا اس کی افادیت ایک طبقے تک محدود رہے گی۔ اگر قدیم اشاعتوں کے صفحات نمبر بھی درج کر دیے جاتے، تو اشاریہ سے استفادے کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا۔

کتاب شناسی اقبال ○ مرتبہ: ڈاکٹر محمّد ریاض

اُردو اور انگریزی میں علامہ اقبال پر متعدد کتابیات شائع ہو چکی ہیں۔ فارسی

میں یہ پہلی ببلوگرافی ہے، جس میں اقبال کی تصانیف، ان کے تراجم، شروح اور مختلف زبانوں میں ان کے متعلق چھپنے والی کتابوں کے حوالے جمع کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں بعض مضامین و مقالات کے حوالے بھی آ گئے ہیں، مگر بنیادی طور پر یہ کتابوں اور اقبال پر مجلات کے خاص نمبروں کی فہرست ہے۔ بعض حوالے مختصر ہیں اور بعض توضیحی، انگریزی، فارسی اور بعض پنجابی کتابوں کے اصل عنوان (titles) بھی درج ہیں، لیکن اردو کتابوں کے ناموں کے بجائے صرف ان کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ امر خاصی اُلجھن کا باعث ہے۔ عموماً ہر حوالہ کتاب کے عنوان، مصنف، مرتب یا مترجم کے نام، ناشر، سنہ اشاعت اور ضخامت پر مشتمل ہے۔ اندراجات میں تکرار ملتی ہے۔ حوالوں کی ترتیب میں بھی گڑبڑ ہے ـــــ یہ کتاب مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان نے شائع کی ہے۔ دیباچے میں مرکزِ تحقیقات کے مدیر بتاتے ہیں کہ ہم نے تہران اقبال کانگریس (مارچ ۱۹۸۶ء) کے موقع پر، محققین کے لیے فارسی میں ایک کتابیاتِ اقبال تیار کرانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک استاد سے رابطہ قائم کیا گیا، جو فارسی زبان میں ڈاکٹریٹ کی سند رکھتے ہیں، اور اقبال شناسوں میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے یہ کام اپنے ذمّے لے لیا۔ لیکن افسوس ہے کہ جب ان کا کام ہمارے سامنے آیا تو ہم نے دیکھا کہ:

"یہ تالیف اغلاط سے پُر ہے۔ نثر ایسی ہے کہ فارسی دانوں کی سمجھ سے بالاتر۔ مسوّدہ نہایت بدخط اور ناخوانا۔ ختمہ (فل سٹاپ) اور جملہ بندی کے بنیادی قواعد کی طرف معمولی توجّہ بھی نہیں دی گئی۔ حشو و زوائد اور مکرّرات کی کثرت ہے۔ اس میں وہ نظم و ترتیب بھی نہیں، جو ہر کتابیات سے استفادے کی اوّلیں شرط ہوتی ہے۔

"وقت تنگ تھا، اور کانگریس میں پیش کرنے کے لیے
کوئی نئی کتابیات تیار کرانا ممکن نہ تھا۔ پھر دوسروں کے
کام کے بارے میں بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ اس سے بہتر
ہوگا۔ ناچار اسی تالیف کو انتہائی جاں گسل محنت اور
اس کی چند خامیوں کو دور کرنے کے بعد طباعت کے لیے
بھیج دیا گیا۔"

کتابیات نگاری ایک فنی اور تکنیکی کام ہے۔ اس کی انجام دہی کے لیے ایک مخصوص مزاج کی ضرورت ہوتی ہے، محض اقبال شناسی کافی نہیں۔ ایک شخص بہت اچھا اقبال شناس ہوتے ہوئے بھی، ناکام کتابیات نگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض نامور اقبالی ہیں۔ ان کی اقبال شناسی میں کلام نہیں، مگر انھیں اس کام سے طبعی مناسبت نہ تھی۔ ہماری ناقص رائے میں انھیں یہ ذمہ داری قبول نہیں کرنی چاہیے تھی۔

مرکزِ تحقیقات نے دو غلطیاں کیں۔ اوّل: اس کام کے لیے صحیح آدمی کا انتخاب نہیں کیا۔ دوم: ایک ایسے کام کو بہ عجلت کرانا چاہا، جو انتہائی تامّل، تفحّص اور دیدہ ریزی کا طالب تھا، اور جو ازحد دل جمعی اور صبر و سکون کے بغیر انجام دینا ممکن نہ تھا۔ تعجیل ایسے کام کو بگاڑتی ہے، اسی لیے یہ کام خرابی کا شکار ہوا۔

معاملے کا سب سے عجیب و غریب، اور ناقابلِ فہم پہلو یہ ہے کہ ناشر ایک کتاب کو ناقص اور اغلاط سے پُر قرار دیتا ہے، مگر اس کی نشر و اشاعت کا اہتمام بھی کر رہا ہے، اور خرابی کی ساری ذمہ داری مرتب پر ڈال رہا ہے۔ ایک ناشر کے لیے نامناسب ہے کہ وہ اپنے ایک مصنف یا مرتب کی رسوائی کا اس انداز میں اہتمام کرے۔ مصنف نے جیسی بھی بُری بھلی خدمت انجام دی، بساط بھر کوشش تو کی،

اور ناشر کی فرمائش پر، اور اس کی احتیاج کی تکمیل ہی کے لیے کی ناشر کو یہ تو حق تھا کہ وہ اس کتاب کو سرے سے شائع نہ کرتا، مگر موجودہ صورتِ حال، ہماری ناقص رائے میں، کاروباری اخلاقیات کے بھی منافی ہے۔ یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ "کتاب شناسی اقبال" کے مرتب کی کوتاہیاں تو بجا، مگر کیا ناشر اپنی ذمہ داری سے کماحقہ، عہدہ برآ ہوتے ہیں؟ ناشر کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ کتاب کو ممکنہ حد تک صحت کے ساتھ چھاپنے کی کوشش کرے۔ یہ کتاب ٹائپ کی اغلاط سے پُر ہے، اس قدر کہ آخر میں شامل گیارہ صفحاتی اغلاط نامہ بھی اُن کی پردہ پوشی میں ناکام ہے۔

مطالعۂ تلمیحات واشاراتِ اقبال ○ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

حوالے کی تیسری کتاب اقبال اکادمی پاکستان کی شائع کردہ ہے۔ "مطالعہ تلمیحات واشاراتِ اقبال" از ڈاکٹر اکبر حسین قریشی۔ اصل میں یہ مصنف کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے، جو پہلی بار علی گڑھ سے ۱۹۷۰ء میں چھپا تھا۔ اس طرح یہ ایک پرانی کتاب ہے۔ ہمارا اقبالیاتی جائزہ صرف اُن کتابوں تک محدود ہے، جو دورانِ سال میں پہلی بار شائع ہوئی ہیں، مگر ہم اس کتاب کا ذکر اس لیے کر رہے ہیں کہ اشاعتِ مکرر میں بعض اضافے کیے گئے ہیں اور ایک حصہ نظرِ ثانی کے بعد، بصورتِ نو پیش کیا گیا ہے۔ پس ہم صرف انھی حصوں کو زیرِ بحث لائیں گے۔

طبعِ اوّل کے آخر میں مصنف نے "تحقیق طلب" کے زیرِ عنوان ایسے اشعار کی ایک فہرست درج کی تھی، جن کے مصنفین کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ یا اگر علامہ نے شاعر کا نام لکھا، تو اصل ماخذ دریافت نہیں ہو سکا تھا ـــــ اشاعتِ نو میں یہ فہرست مختصر ہو گئی ہے، کیوں کہ ڈاکٹر قریشی نے اس عرصے میں بعض ماخذات اور شعراء

بلا سراغ لگا لیا ہے۔

باب نہم میں اقبال کی دو نظموں کے جرمن ماخذ کا ذکر تھا۔ طبعِ دوم میں اصل جرمن منظومات کا متن بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مزید بیس بائیس ایسی انگریزی، عربی اور فارسی منظومات بھی دی گئی ہیں، جن کا علامہ نے ترجمہ کیا، یا اُن کی بنیاد پر بعض نظمیں لکھیں۔ اس قابل قدر اضافے کے ساتھ ڈاکٹر قریشی نے مختصراً اپنے تاثرات بھی درج کیے ہیں، اور نظموں کے متون کے بعد، ان کی باہمی مماثلتوں یا تفصیل اور پھیلاؤ کے فرق یا کسی اعتبار سے ایک کے مقابلے میں دوسری نظم کی موضوعی یا فنی دل کشی یا بہتر ترتیب و تشکیل کا ذکر کیا ہے۔ منظومات کے تقابلی پہلوؤں پر ان کے اشارے مختصر، مگر مفید ہیں۔ اس باب میں بچوں کے لیے اقبال کی نظم "پرندے کی فریاد" کی نشان دہی بھی ہونی چاہیے تھی۔ انھیں، اس کی تحریک پروفیسر حمید احمد خاں کے بقول:

"کوپر۔۔۔ کی۔۔۔ نظم On a Goldfinch starved

سے ہوئی۔ ترجمہ اقبال نے معمول سے بھی زیادہ آزادانہ

کیا ہے"[21]

طبع اوّل میں، قرآنی تلمیحات میں ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری کا تھا، اس اشاعت میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اشعار کے حوالے "کلیاتِ اقبال" کے جدید ایڈیشن کے مطابق کر دیے گئے ہیں، کیوں کہ کلامِ اقبال کی پرانی طباعتیں، اب عموماً دستیاب نہیں ہیں۔

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے باب اوّل، بہ عنوان: "اقبال کا ماحول اور شخصیت" پر بھی نظرِ ثانی کر کے بعض ترامیم کیں اور بعض اضافے بھی ــــــ مثلاً اقبال کی تاریخ ولادت

کو ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء سے بدل کر ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کر دیا (ویسے تو یہ بھی متنازع فیہ ہے) لیکن متعدد مقامات اب بھی اصلاح طلب ہیں۔ چند اغلاط سنین کی ہیں۔ "نالۂ یتیم" انجمن کے جلسے میں ۱۸۹۹ء میں نہیں، ۱۹۰۰ء میں پڑھی گئی (ص ۱۲) "شکوہ" ۱۹۰۹ء نہیں، ۱۹۱۱ء کے اجلاس میں پیش کی گئی۔ (ص ۱۳) انگلستان سے واپسی پر اقبال کی عمر (پ: ۱۸۷۷ء کے مطابق) ۳۵ نہیں، ۳۱ برس تھی۔ اسی طرح "میٹا فزکس آف پرشیا" اور "ایران کا فلسفہ۔ مابعد الطبیعات" کی جگہ "دی ڈویلپمنٹ آف میٹا فزکس اِن پرشیا" اور "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء" ہونا چاہیے (ص ۷) ـــــ بعض امور خلافِ واقعہ ہیں:

۱۔ مصنّف لکھتے ہیں:

> "اس زمانے میں پروفیسر ٹامس آرنلڈ ایم اے او کالج علی گڑھ سے گورنمنٹ کالج لاہور میں آ گئے تھے۔ ان کی فلسفہ دانی کی شہرت اور اپنے طبعی رجحان نے اقبال کو ایم۔ اے میں فلسفہ کا مضمون لینے کی ترغیب دی۔" (ص ۵) ــــ

"اپنے طبعی رجحان" کی بات تو درست ہے، مگر یہ صحیح نہیں کہ ایم اے میں فلسفے کا مضمون لینے کی ترغیب میں آرنلڈ کا کچھ دخل تھا۔ آرنلڈ ۱۱ مارچ ۱۸۹۸ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے استاد مقرر ہوئے[۲۲] جب کہ اقبال ۱۸۹۷ء میں ایم اے فلسفہ میں داخل ہو چکے تھے۔ دراصل آرنلڈ سے ترغیب و تاثر والی بات سب سے پہلے عبدالمجید سالک نے لکھی تھی۔[۲۳] ہمارے بعد کے اکثر سوانح نگار بلا تحقیق اسے دہراتے چلے گئے۔

۲۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

"ولایت سے واپس آنے کے بعد، اقبال گورنمنٹ
کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر اعلیٰ کی خدمات انجام
دینے لگے، مگر ۱۸ ماہ بعد اس سے سبکدوشی حاصل
کرلی، اور بیرسٹری کرنے لگے۔" (ص ۸)

اصل یہ ہے کہ قیام انگلستان ہی کے زمانے میں اقبال نے، ملازمت سے استعفیٰ لکھ بھیجا تھا، لاہور آکر ۱۹۰۸ء میں بیرسٹری شروع کی۔ ایک سال بعد (۱۹۰۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے فلسفے کے پروفیسر آسٹن واٹ جیمز اچانک فوت ہو گئے تو)، اقبال نے تدریسِ فلسفہ کی ذمہ داری عارضی طور پر قبول کرلی۔ اس زمانے میں وہ پہلے کالج میں درس دیتے، اور پھر چیف کورٹ جاکر اپنے مقدمات کی پیروی کرتے۔

۳۔ ص ۹ پر ڈاکٹر اکبر حسین قریشی بتاتے ہیں:

"اقبال کی [پہلی] بیوی اکثر بیمار رہا کرتی تھی، اس
لیے اس کا قیام زیادہ تر اپنے والدین ہی کے یہاں رہا۔"

—— والدین کے ہاں قیام کی وجہ بیماری نہ تھی، اصل سبب میاں بیوی کا اختلافِ طبائع اور ذہنی بُعد تھا۔

۴۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ دوسری بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ فی الحقیقت وہ زچگی میں بچے کی ولادت سے پہلے انتقال کر گئی تھیں۔

۵۔ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے جرمن خاتون کو علی گڑھ سے لاہور بھجوانے کا اہتمام پروفیسر رشید احمد صدیقی نے کیا تھا، خواجہ غلام السیدین نے نہیں (ص ۹)

ہمیں امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب، آیندہ اشاعت میں اس باب کو بھی بہ دقتِ نظر دیکھیں گے۔ ہمارے خیال میں بعض تصحیحات کے ساتھ اس باب کو نئے سرے سے لکھنے کی ضرورت ہے۔

(۴) اقبال کے سوانح اور شخصیّت

اقبال کی ابتدائی زندگی ○ ڈاکٹر سیّد سلطان محمود حسین

اقبال کے سوانح پر یہ اہم کتاب، اوائل عمر سے انٹرمیڈیٹ تک، اقبال کی تعلیمی زندگی کی تفصیلات سامنے لاتی ہے۔ بکھرے ہوتے تحریری مواد کو یکجا کرنے کے ساتھ مصنف نے بعض زبانی روایات، اور چند نئے ماخذات کی مدد سے نئی معلومات مہیّا کی ہیں، جن سے: "علامہ کی ابتدائی زندگی کی صورت گری کا سامان ہو گیا ہے۔"[۲۵]

مکتب، سکول اور کالج کے تعلیمی کوائف، مضامین، امتحانات، نتائج، ہم جماعت طلبہ، اساتذہ، نصابات اور نصابی کتابیں، سکاچ مشن اور اس کے تعلیمی اداروں پادریوں اور اساتذہ کے کوائف، سیالکوٹ کے تعلیمی ادارے اور ان کا ماحول، اقبال کے اعزّہ و اقربا، ان کے معاصرین، دوست اور بعض نمایاں شخصیات کے احوال و کوائف کی فراہمی میں مصنّف نے جو کاوشس اور محنت کی ہے، وہ دادو ستائش کے لائق ہے۔ ڈاکٹر حسن اختر ملک نے تین سال پہلے، علامہ اقبال کے تعلیمی نتائج سے متعلق (بہ حوالہ پنجاب گزٹ) کچھ نئی معلومات پیش کی تھیں،[۲۶] سیّد سلطان محمود حسین نے اس اجمال کو تفصیلاً بیان کرتے ہوتے، اس معاشرتی فضا اور تعلیمی

ماحول کو اہمیت دی ہے، جس میں اقبالؔ پروان چڑھے اور انھوں نے درجہ بہ درجہ مختلف تعلیمی مراحل طے کیے۔ انھوں نے سیالکوٹ کے تعلیمی اداروں، انجمنوں اخبارات ورسائل، کھیل تماشوں اور تہواروں کے علاوہ عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ فاضل محقق نے یہ معلومات قدیم اخبارات، گزیٹیرز، مشنری اداروں کی رپورٹوں، لاگ بکوں اور بعض رجسٹروں کی مدد سے جمع کی ہیں۔ کہیں کہیں یہ معلومات زائد از ضرورت اور موضوع سے غیر متعلق محسوس ہوتی ہیں، مثلاً ص ۴۷ پر نسیوں اور چوہڑوں کے بارے میں اقتباسات، یا ص ۲۲۰ پر مشنریوں کی سرگرمیوں کی تفصیل (ہسپتال کے مریضوں کی تعداد۔ سال بہ سال چھوٹے اور بڑے آپریشنوں کی تعداد۔ بستروں کی کمی کا ذکر وغیرہ) اسی بنا پر کتاب میں کئی جگہ احساس ہوتا ہے کہ فاضل محقق اہم اور غیر اہم یا مطلوبہ اور غیر مطلوبہ مواد کو یکساں طور پر جمع کرتے چلے گئے ہیں۔ تامّل کی کمی رہی اور مناسب چھان پھٹک نہیں کی گئی، اس لیے بعض مقامات پر وہ تضاد بیانی کا شکار ہو گئے ہیں، مثلاً:

۱۔ ص ۸۷ پر بتایا گیا ہے کہ ضلع سکول کے خاتمے کے نتیجے میں ۱۸۶۸ء سے:

"شہر کا پورا نظامِ تعلیم سکاچ مشن کے ہاتھوں میں تھا۔"

ص ۳۷، ۹۱ اور ۹۶ کے بیانات کے مطابق نہ صرف ۱۸۶۸ء میں، بلکہ آیندہ کئی برسوں تک امریکن سکول بھی سیالکوٹ میں قائم رہا۔ (امریکن سکول، سکاچ مشن سے الگ ادارہ تھا)۔

۲۔ ص ۴۷:

"سکاچ مشن سکول کی طرح [امریکن سکول] کے لڑکوں کو بھی [پنجاب یونیورسٹی کے علاوہ] کلکتہ یونیورسٹی کا بھی انٹرنس کا امتحان دینا پڑتا تھا۔"

گویا دو جگہ امتحان دینے کی مجبوری تھی ـــ مگر ص ۸۹ پر بتایا گیا ہے کہ:

"کچھ لڑکے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان دیتے تھے اور کچھ کلکتہ یونیورسٹی کا۔"

یعنی امتحانی ادارے کا انتخاب ایک اختیاری (آپشنل) معاملہ تھا؟

۳۔ ص ۳۷ پر اطلاع دی گئی ہے کہ امریکن مشن نے ۱۸۶۳ء میں سکول بند کر دیا مگر ص ۶۶، اور ص ۸۶ کے مطابق یہ واقعہ ۱۸۶۴ء کا ہے۔

۴۔ ص ۳۵، ۳۸ اور ۸۷ پر ضلع سکول کی بندش اور خاتمے کا ذکر ہے، مگر ص ۳۵ پر یہ بھی کہا گیا ہے:

"ضلع سکول تو بند نہ ہو سکا۔"

(ویسے ص ۳۵، ۳۸، اور ص ۸۷ کے بیانات میں بھی باہم تضاد ہے۔ ایک جگہ تو سکول، مشن کے سپرد کیے جانے کا ذکر ہے، مگر دو مقامات پر سکول، نصف قیمت پر مشن کے ہاتھ فروخت کر دینے کا تذکرہ ہے۔)۔

ڈاکٹر وحید قریشی نے بھی زیر نظر کتاب کے بعض متضاد بیانات کی نشان دہی کی ہے۔ اُن میں سے ایک تو خاصا دلچسپ ہے، ڈاکٹر صاحب ہی کے الفاظ میں سنیے:

"ص ۲۰۲ پر جسٹس محمد منیر فاروقی کو مولانا غلام حسن کا پوتا اور ص ۲۶۳ پر ان کا پڑپوتا قرار دیا ہے۔ بیک وقت دونوں باتیں درست نہیں ہو سکتیں۔"

فاضل مصنّف متعدد بیانات میں، محض ظن و تخمین سے کام لیتے نظر آتے ہیں، مثلاً:

"شادی کے بعد [اقبال] کی شاعری میں ایک تبدیلی آگئی ہوگی۔ اب تو وہ اَن دیکھے مجازی محبوب کے

بجائے، اصل محبوب سے مخاطب ہوتے ہوں گے۔ اپنے
لطیف جذبات و احساسات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر شعروں
کی صورت میں پیش کرتے ہوں گے۔" (ص۔ ۳۱، ۳۲)
—— "سیالکوٹ سے جموں ۔ ۔ ۔ ریل گاڑی چلنی
شروع ہوتی۔ پہلے دو روز ہر شخص کو مفت سفر کرنے
کی اجازت تھی۔ اقبال اور اس کے دوستوں نے ،
ممکن ہے، اس رعایت سے فائدہ اٹھایا ہو اور پہلی
بار ریل کا سفر کیا ہو۔" (ص ۵۲) —— "اقبال
شطرنج کھیلتے ہوں گے۔ میر صاحب کے لڑکے اس کھیل
میں ان کے ساتھ ہوتے ہوں گے۔" (ص ۵۵)۔
میٹرک کے "امتحان کے سلسلے میں گجرات میں [اقبال کا]
دو ہفتہ کے لگ بھگ قیام رہا۔ اس دوران، اقبال
دو ایک بار ڈاکٹر عطا محمد کے ہاں ضرور گئے ہوں گے۔
ڈاکٹر عطا محمد بھی سکاچ مشن سکول گئے ہوں گے اور
ہونے والے داماد کی خیر و عافیت دریافت کی ہو گی۔
یہ بھی معلوم کیا ہو گا کہ پرچے کیسے ہو رہے ہیں ——"
(ص ۱۳۶، ۱۳۷) —— "۲ مئی کو سکاچ مشن سکول
میں بذریعہ ڈاک [اقبال کا] نتیجہ پہنچ گیا ہو گا ۔ ۔ ۔ ۔
اقبال کو اپنے نتیجے کا دیر سے علم ہوا ہو گا ۔ ۔ ۔ ۴ مئی
کو ۔ ۔ ۔ انھیں امتحان میں کامیابی کا ایک تار موصول
ہوا ۔ ۔ ۔ یہ تار غالباً ان کے خسر اور شیخ نور محمد کے

سمدھی ڈاکٹر شیخ عطا محمد نے گجرات سے اقبال کی امتحان
میں کامیابی پر دیا ہوگا۔" (ص ۱۴۶) ــــ جب اقبال
کی برات سیالکوٹ سے گجرات گئی تو " اقبال کی والدہ
سیالکوٹ میں گھر پر رہ گئی ہوں گی۔ گھر کے دوسرے سب
افراد، برات کے ساتھ ضرور گئے ہوں گے۔ ان کے
علاوہ اقبال کے قریبی دوست محمد تقی، محمد ذکی، شیخ نور محمد
کے بہترین دوست اور ساتھی [متعدد نام گنواتے ہیں]
بھی باراتیوں میں شامل ہو گئے ہیں۔" (ص ۱۴۸) ــــ

یہ قیاسی بیانات جن امور و معاملات پر دیے گئے ہیں، ان میں سے بیشتر پر رائے زنی کی ضرورت ہی نہ تھی ــــ مذکورہ بالا بیانات میں تو ماضی شکیہ میں گفتگو کی گئی ہے، کئی دیگر مقامات پر فاضل محقق نے کسی سند یا شہادت کے بغیر بعض امور حتماً طے کر دیے ہیں، مثلاً:

" اس [آٹھویں] جماعت میں اقبال، سیالکوٹ کی شعری
محفلوں میں شرکت کرنے لگے، اور اپنا کلام شریکِ مشاعرہ
کو سنانے لگے۔" (ص ۱۲۵) ــــ " شیخ عطا محمد ۱۸۵۸ء
میں پیدا ہوتے۔" (ص ۱۶۵) [ص ۱۶۲] ــــ " اقبال اپنی چھوٹی
ہمشیرہ کریم بی بی کو پندرہ روپے ماہوار سیالکوٹ بھیجا
کرتے تھے" (ص ۱۷۶) ــــ " پہلی بیوی کریم بی بی سے
تیسری اولاد (ایک اور لڑکا) بھی ہوئی۔" (ص ۱۸۰)
ــــ " فرسٹ ایر ہی میں اقبال نے مرزا داغ دہلوی
کی شاگردی اختیار کر لی۔" (ص ۱۴۸) وغیرہ

اقبال کی تاریخ پیدائش کا مسئلہ اہم اور ساتھ ہی کسی قدر پیچیدہ ہے۔ ۱۹۷۷ء

میں تاریخ ولادت کے تعین پر ڈاکٹر وحید قریشی نے ۲۲ صفحات اور ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے ۸ صفحات پر مشتمل تحقیقی مقالات تحریر کیے تھے[۲۸] دونوں محققین کے نزدیک اقبال کی تاریخ ولادت ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء ہے — لیکن ڈاکٹر سیّد سلطان محمود حسین نے ۱۸۷۵ء کو اقبال کا سالِ ولادت قرار دیتے ہوئے اس مسئلے کو ڈیڑھ صفحے میں طے کر دیا ہے۔ اختصار و ایجاز، تصنیف و تحقیق کا ایک اہم وصف ہے، لیکن اگر اختصار سے زیرِ بحث مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھ جائے تو یہی وصف، عیب بن جائے گا۔ فاضل محقّق کا استدلال یہ ہے کہ مڈل اور میٹرک کے نتائج میں اقبال کی عمر بالترتیب ۱۵، اور ۱۷ سال درج ہے، اور اس دَور میں عمر میں کمی بیشی کرنے کا خیال بھی ذہن میں جنم نہیں لیتا تھا، اس لیے اقبال ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے — مگر معاملہ اس قدر سادہ نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ: کیا محض تعلیمی اسناد کی بنیاد پر سالِ تولّد کو حتمی طور پر طے کیا جا سکتا ہے اور کیا کسی تعلیمی سند پر درج شدہ عمر ہی حقیقی عمر ہو سکتی ہے؟ ہمارے خیال میں اس کا امکان تو ہو سکتا ہے، مگر محض اسی ایک شہادت پر مسئلہ حتماً طے نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ قدیم زمانے میں سکول میں داخلے کے وقت بچوں کی عمر قیاساً ہی لکھوائی جاتی تھی اور آئندہ تمام اسناد میں قیاسی عمر یا سالِ تولّد درج کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات، بہ تقاضائے مصلحت، عمر کم لکھوائی جاتی تھی۔ ڈاکٹر سیّد سلطان محمود حسین کا یہ خیال بھی ایک مفروضہ ہے کہ:

"اس دور میں عمر میں کمی بیشی کرنے کا خیال بھی ذہن میں جنم نہیں لیتا [تھا]" (ص ۲۳)

چند سطور آگے چل کر انھوں نے، ڈاکٹریٹ کے مقالے میں تاریخ پیدائش کے اندراج کے ضمن میں کہا ہے:

"اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ اقبالؔ نے اپنی عمر
میں دو سال کی کمی کر دی ہو۔"

گویا ڈاکٹر صاحب نے اپنے مفروضے کی خود ہی تردید کر دی ہے ـــــ ویسے
ان کا یہ بیان بذاتہٖ بھی بحث طلب ہے۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

"کیوں کہ سرکاری ملازمت کے حصول میں عمر کو مدِ نظر رکھا
جاتا ہے۔"

عمومی طور پر تو یہ بات درست ہے، مگر اس مخصوص سیاق و سباق میں اس لیے
غلط ہے کہ اس زمانے میں اقبال کے سامنے حصولِ ملازمت کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔
وہ اس وقت ملازمت میں تھے (البتہ رخصت پر تھے) اور ذہناً ترکِ ملازمت پر
آمادہ تھے۔ چند ماہ بعد انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔[۱۹])

اس بحث میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر مڈل اور میٹرک کی اسناد
کے حوالے سے ۱۸۷۵ء کو اقبال کا سالِ ولادت قرار دیا جا سکتا ہے، تو ڈاکٹر ریٹ
کے مقالے میں اقبال نے سنہ ہجری میں اپنی جو تاریخ پیدائش درج کی، اس بنیاد
پر ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو کیوں نہ ان کا سالِ ولادت قرار دیا جائے؟ ـــــ واضح رہے
کہ یہاں ہمارا مقصد ولادتِ اقبال کا سنہ طے کرنا نہیں ہے، اس ضمن میں فاضل
محقق کے کمزور استدلال کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ ان کی یہ بحث سرسری ہے اور
ناکافی شواہد کی بناء پر قاری کو قائل نہیں کرتی۔

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین کی فاضلانہ تصنیف میں بکثرت اس نوع کے
جملے ملتے ہیں:

"نصابی کتب اس قسم کی تھیں، جن سے دینِ مسیح کی
ترویج و اشاعت اجاگر ہوتی تھی۔" (ص ۸۷)

"پادریوں نے ۔۔۔ دینِ مسیح کی تعلیم دینے کا ایک
جامع پروگرام بنایا۔" (ص ۱۰۲)
"اس نے دینِ مسیح قبول کر لیا۔" (ص ۲۳۵-۲۳۶)
"ہنٹر نے سات آدمیوں کو دینِ مسیح میں داخل کر لیا۔"
(ص ۲۱۴)

ہمارے خیال میں مصنّف "مسیحیّت" اور "دینِ مسیح" کے فرق کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ ہندوستان میں مشنری "مسیحیّت" کی تبلیغ کرتے تھے، نہ کہ "دینِ مسیح" کی —— اس بنا پر ایسے (اور اس نوع کے) تمام مقامات پر لفظ "مسیحیّت" کا استعمال مناسب تھا —— اسی طرح ص ۱۰۰ پر "کیپٹن مرے مرحوم" کے بجائے "کیپٹن مرے آنجہانی" لکھنا چاہیے تھا۔

اس کتاب کا بہت سا حصّہ پنجاب میں تعلیمی اداروں کی تاریخ یا مشنریوں کی سرگرمیوں سے متعلّق ہے۔ یہ حصّہ، اقبال کی ابتدائی تعلیمی زندگی کے پس منظر کا کام دیتا ہے۔ اس پس منظر کو حیاتِ اقبال سے مربوط کرنے کی ضرورت تھی۔ بایں ہمہ یہ تفاصیل کار آمد اور مفید ہیں، اور جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا، مصنّف نے اس کے جمع کرنے میں نہایت جاں فشانی اور محنت سے کام لیا ہے —— البتہ حقائق و واقعات اور استخراجِ نتائج میں، کہیں کہیں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی ——
مجموعی حیثیت سے یہ کتاب اقبالیات میں خیر مقدم کے لائق ہے۔ نامور محقّق ڈاکٹر وحید قریشی کے الفاظ میں:

"چند مقامات سے قطع نظر، کتاب کے اندراجات
مجموعی طور پر قابلِ قدر ہیں۔ خصوصاً علاّمہ کی تعلیم، نصابات
پرچہ ہائے امتحان، اور سسرال کے بارے میں مفصّل

معلومات پہلی بار رقم ہوتی ہیں۔ اس کتاب سے "اقبال
اور ان کی پہلی بیوی" کے مصنف کی بعض فروگذاشتوں
کی بھی بخوبی اصلاح ہو گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ
کتاب اقبالیات میں ایک اہم اضافہ قرار دی جا سکتی
ہے۔"[۳۶]

اسے اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے شائع کیا ہے۔

○ ڈورس احمد Iqbal:As I Knew Him

یہ کتاب، اقبال کے آخری دو سالوں کے حوالے سے ان کی شخصیت کا ایک دلچسپ مرقع ہے۔ جرمن نژاد ڈورس احمد، پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تجویز و توجہ سے مئی ۱۹۳۶ء میں، جاوید منزل میں وارد ہوئیں۔ ایک برس پہلے والدۂ جاوید کی وفات پر، علامہ کو بچوں کی خبر گیری کے لیے کسی نگران یا آیا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ڈورس احمد، اس ذمہ داری کے لیے نہایت مناسب خاتون ثابت ہوئیں ــــــ وہ نہ صرف علامہ کے حینِ وفات، بلکہ اُن کے حسبِ خواہش، وفات کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک جاوید منزل سے منسلک رہیں اور اس ذمہ داری کو فرض شناسی اور مستعدی سے انجام دیتی رہیں۔ ڈورس احمد نے جاوید منزل کی یادداشتوں کو ایک ترتیب و تدریج کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علامہ کے معمولات، بچوں کے مسائل و معاملات، ملازمین اور ان کی ذمہ داریاں، علامہ کے احباب کی آمد و رفت، علامہ کے اعزہ و اقارب، زندگی کے آخری ایام اور بحیثیتِ مجموعی جاوید منزل کے شب و روز پر مصنفہ نے اپنے علم کی حد تک جملہ معلومات سیدھے سادے بیانیہ انداز میں تحریر کی ہیں۔ کوائف و معلومات کے ساتھ ان کے مختصر تاثرات بھی شامل ہیں۔ ان کے مشاہدات

سنی سنائی باتوں سے زیادہ اہم اور لائقِ توجہ ہیں، اس لیے کہ وہ بالکل خالی الذہن ہو کر جاوید منزل میں وارد ہوئی تھیں، اور ان کی کوئی سیاسی یا نظریاتی یا گروہی وابستگی نہ تھی ـــــ بتاتی ہیں کہ ایک بار انگلستان سے چند مسلم نوجوانوں کا خط آیا، جس میں دریافت کیا گیا تھا کہ ہم، آپ کے پیش کردہ آزاد مسلم ریاست کے تصوّر کو کس طرح فروغ دے سکتے ہیں؟ ـــــ ڈورس کہتی ہے میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا، دنیا بھر کے لوگ تو آپس میں اتحاد و اتفاق کی سوچ رہے ہیں، آخر یہ لوگ ایک دوسرے سے علاحدہ کیوں ہونا چاہتے ہیں؟ ـــــ علاّمہ نے فرمایا: مَیں اُن لوگوں میں سے ہوں، جنھوں نے ہندی مسلمانوں کو ایک جداگانہ وطن کا تصوّر دیا، اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے عقائد، تہذیب و ثقافت اور طرزِ بود و باش میں ہندوؤں سے اتنے مختلف ہیں کہ دونوں کا خوش اسلوبی کے ساتھ اکٹھا رہنا ممکن نہ ہوگا ـــــ مصنّفہ نے جاوید منزل میں قائداعظم کی آمد کا بھی ذکر کیا ہے۔ بتاتی ہیں کہ علاّمہ، کئی دن سے قائد کی آمد کے منتظر تھے۔ گھریلو گفتگو میں اکثر ان کی آمد کا ذکر ہوتا تھا۔ علاّمہ نے جاوید کو بتایا تھا کہ ایک عظیم الشان انسان ہمارے گھر آ رہے ہیں۔ قائد آئے، باتیں ہوئیں۔ انھوں نے جاوید سے پوچھا:

بڑے ہو کر کیا بنو گے؟

جاوید کچھ جھینپ سے گئے، خاموش رہے۔ قائد کہنے لگے:

یہ میرے سوال کا جواب نہیں دیتے؟

اس پر علاّمہ نے کہا:

اصل میں وہ آپ کی راہنمائی کا منتظر ہے۔ چاہتا ہے کہ آپ ہی بتائیں بڑے ہو کر اُسے کیا کرنا چاہیے۔

ڈورس احمد نے قرآنِ حکیم سے علاّمہ کے غیر معمولی شغف، اُن کی مذہبیت اور

دین داری، لباس کے معاملے میں بے نیازی، مالی تنگ دستی، ملازمین سے حُسنِ سلوک اور بچوں سے غیر معمولی محبت و شفقت کا ذکر کیا ہے۔ بچوں کے سلسلے میں معمولی سی بات بھی انھیں بے چین اور مضطرب کر دیتی۔ قرآن حکیم نے اموال و اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے۔[۱۳۱] الحمد للہ حضرتِ علامہ نے اموال و اولاد کو کوئی مسئلہ نہیں بنایا۔ تاہم عام انسانوں کی طرح وہ جاوید اور منیرہ کے بارے میں فکر مند ضرور تھے۔ ڈورس احمد لکھتی ہیں:

> Dr.Sahib was always worried about the future of his children he was very preturbed as to what would become of his children after his death.

انھیں تربیتِ اولاد کی بھی فکر رہتی۔ ایک بار ڈورس نے منیرہ کے بال بناتے ہوتے دو چوٹیاں کر ڈالیں۔ علامہ نے اس کا فوری نوٹس لیتے ہوتے ایسا کرنے سے منع کیا کہ یہ یہودیوں کی نقالی ہے (ص ۲۱) جاوید کو شلوار قمیص پہننے کی تلقین کرتے۔ وہ بتاتی ہیں کہ جاوید نے پتلون کا استعمال ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد شروع کیا۔ (ص ۳۰) بحیثیتِ مجموعی علامہ، ایک نرم دل، حلیم و شفیق اور محبت سے لبریز دل رکھنے والے باپ محسوس ہوتے ہیں۔

مصنفہ نے علامہ کے احباب میں سے چودھری محمد حسین، منشی طاہر دین، راجہ حسن اختر، ڈاکٹر عبد المجید، ڈاکٹر جمعیت سنگھ اور خلیفہ عبد الحکیم، اور علامہ کے اعزہ میں سے شیخ عطا محمد، کریم بی بی اور زینب کا ذکر کیا ہے۔ بعض افراد کے ذکر پہ، مختصر اور دل چسپ خاکے کا گمان ہوتا ہے۔ انھوں نے علامہ سے چودھری محمد حسین کے غیر معمولی تعلقِ خاطر اور علامہ کی وفات کے بعد، جاوید و منیرہ کے سلسلے میں چودھری صاحب کی

مثال فرض شناسی کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ لکھتی ہیں:

He seemed to be the person who was closest in intellect and thinking to Dr.Sahib, and he shared all his thoughts with him.

شیخ عطا محمد کے بارے میں بتایا ہے کہ انھیں پسند نہ تھا کہ ان کے بھتیجے اور بھتیجی کی نگہداشت ایک "میم صاحب" کے سپرد کر دی جائے۔ ان کے خیال میں یہ ذمہ داری کسی مسلمان خاتون کو سونپی جانی چاہیے تھی۔ ایک بار انھوں نے سیالکوٹ سے منیرہ کے لیے برقع سلوا بھیجا، مگر ڈورس احمد نے بانو کو برقع نہ پہننے دیا، شیخ عطا محمد اس بات پر بھی خفا تھے۔ بایں ہمہ علامہ، ان کا احترام کرتے، اور ان کے سامنے بہ آوازِ بلند بات کرنے کے بھی روادار تھے ـــــ علامہ کی چھوٹی ہمشیرہ کریم بی بی ایک لطیف الطبع خوش مزاج، ہمدرد، ملنسار اور مشفق خاتون تھیں۔ بیوہ تھیں، مگر کسی کمپلیکس کا شکار نہ تھیں۔ نماز اور تلاوت کی پابند تھیں، ہاتھ میں تسبیح رہتی۔ شیخ اعجاز احمد کے بارے میں ڈورس احمد کا اندراج نہایت اہم ہے۔ علامہ نے ابتدا میں شیخ اعجاز احمد کو بھی، اپنے بچوں کے سرپرستوں میں شامل کیا تھا، لیکن بعد ازاں علامہ کو اپنے اس فیصلے پر شرحِ صدر نہیں ہوا ـــ ڈورس لکھتی ہیں:

Towards the end of his life, however, he expressed to me that he wished that he had made some other choice since Ejaz Ahmad had become a Qadiyani, an act which Dr.Sahib had thoroughl y disapproved, this opinion he expressed to me several times.

ڈورس احمد کی یادداشتوں سے بعض ایسی باتوں کا پتہ چلتا ہے، جو اقبال پر سوانحی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں، مثلاً یہ کہ علامہ کے پاس خوب صورت جلد والی ایک قلمی بیاض تھی۔ یہ علامہ کی شاعری کے جرمن تراجم پر مشتمل تھی۔ ڈورس کہتی ہیں: علامہ نے، مطالعے کے لیے مجھے بیاض دیتے ہوتے ہدایت کی:

handle it very carefully

مطالعے کے بعد، مَیں نے یہ بیاض علامہ کو لوٹا دی، لیکن پھر اس کا کہیں سراغ نہیں ملا ـــــ ایک اور دلچسپ بات مصنفہ نے یہ بتائی ہے کہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علی الصبح علامہ کا انتقال ہوا، تو چودھری محمد حسین کو بلایا گیا۔ انھوں نے آتے ہی جاوید منزل کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انھوں نے علامہ کی جملہ اشیاء بشمول کتب، ایک کمرے میں جمع کرائیں اور کمرہ مقفل کرا دیا (تاکہ تعزیت کے لیے آنے والوں کے ہجوم میں یہ چیزیں ضائع نہ ہو جائیں)۔ مرحوم کے بعض رشتہ دار یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے کہ مقفل کمرے میں کیا ہے ـــ ابھی علامہ کی میت گھر میں رکھی تھی، مگر ان کا اضطراب اس حد تک بڑھ گیا کہ قفل کھول یا توڑ لیا گیا، اور اسی افراتفری میں بعض چیزیں گم ہو گئیں، تاہم جلد ہی چودھری محمد حسین نے صورتِ حال پر قابو پالیا اور کمرے کو دوبارہ مقفل کر دیا گیا۔ (ص ۴۷)

ڈورس احمد نے وضاحت نہیں کی کہ انھوں نے یہ کتاب، اپنے نوٹس کی مدد سے لکھی ہے یا محض یادداشت پر بھروسا کیا ہے ـــ جو بھی صورت ہو، انھوں نے خاصی احتیاط سے روایت نگاری کی ہے۔ اقبال کے دیگر راویوں کے بیانات، ڈورس احمد کے اندراجات کی تصدیق کرتے ہیں۔ البتہ ایک جگہ ان کی یادداشت نے ساتھ نہیں دیا۔ وہ بتاتی ہیں کہ علامہ کے آخری ایام میں حکیم محمد حسن قرشی لاہور میں موجود نہ تھے، حیدر آباد دکن گئے تھے (ص ۳۵، ۴۴) مگر حکیم صاحب کے ایک

مضمون سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ان دنوں وہ لاہور میں تھے، اور ۲۰ اپریل کو رات گئے تک جاوید منزل میں موجود رہے[۲۲]

اس کتاب کو پڑھتے ہوتے ذہن میں، دنیا و مافیہا سے بے نیاز سادہ مزاج درویش منش شخص کا تصوّر ابھرتا ہے۔ من کی دنیا میں کھویا ہوا، دنیا داری کے آداب سے نفور انسان۔ایک informal شخصیت ___ ہرچند کہ وہ اپنے بقول "ایک معذور کی سی زندگی" بسر کر رہے تھے، مگر کبیدہ خاطری، زود رنجی یا چڑچڑے پن یا ایسے ہی کسی اور غیر متوازن رویّے کا شکار نہیں ہوتے۔ ڈورس کہتی ہیں: اس پورے عرصے میں انھوں نے صرف ایک موقع پر علاّمہ کو ناراض ہوتے اور شدید غصّے کا اظہار کرتے دیکھا اور یہ وہ موقع تھا، جب ایک سکھ نے جاوید منزل کے برآمدے میں بیٹھ کر شراب نوشی شروع کر دی۔ اس موقع پر وہ آپے سے باہر ہو گئے اور سکھ کو سخت سست کہنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ ___ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال علاّمہ کے لیے سخت ناگواری کا باعث تھی۔ اس اعتبار سے ان کا ردِّ عمل فطری تھا ___ مختصر یہ کہ زیرِ نظر خوب صورت کتاب اقبال اور رجالِ اقبال کا ایک بے لاگ اور معروضی کوائف نامہ ہے اور علاّمہ کی شخصیت کی بلاواسطہ گواہی، اور اس اعتبار سے سوانح اقبال کا ایک بنیادی ماخذ بھی ہے۔

اقبال سوانح و افکار ○ ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل

خوش آیند بات ہے کہ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں اقبال کی بیشتر تصانیف کے تراجم ہو چکے ہیں۔ اور ان زبانوں (خصوصاً پشتو، پنجابی اور سندھی) میں سوانحی، تشریحی اور تجزیاتی کتابیں بھی لکھّی جانے لگی ہیں۔ تیس برس پہلے لطف اللہ بدوی

مرحوم نے سندھی میں "حیاتِ اقبال" شائع کی تھی۔ اس اعتبار سے زیرِ نظر کتاب سندھی میں علامہ کی دوسری سوانح ہے، جو بدوی مرحوم کی تصنیف سے زیادہ مفصّل ہے اور جامع بھی ـــــ سوانحی حالات کے علاوہ، اس کا ایک حصّہ تصانیفِ اقبال کے تعارف، اقبال کی شاعری اور فکر و فلسفے کے تجزیہ و تنقید پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم خلیل نے اپنی کم علمی اور محدود مطالعے کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کاوشں کو کسی دعوی کے بغیر، عجز و انکسار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے دیباچے میں، اقبال کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بھی واضح کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اقبال، ایک خالص اسلامی شاعر ہیں، جن کی فکر
قرآنِ حکیم اور پیغمبرِ اسلام کے اُسوۂ حسنہ پر مبنی ہے"۔

یوں اس کتاب میں وہ اقبال کے ایک راست فکر نقاد اور شارح نظر آتے ہیں۔

کتاب کے دو ابواب اقبال کے حالاتِ زندگی اور شخصیت پر، ایک باب تصانیف پر، اور بقیہ" پانچ ابواب ان کے افکار، شاعری اور فلسفے پر تحریر کیے گئے" ہیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل، فکرِ اقبال کو ہماری اجتماعی زندگی اور ہمارے عمرانی، تہذیبی اور سیاسی مسائل سے مربوط سمجھتے ہیں۔ یہ امر بعض ابواب کے عناوین سے بھی ظاہر ہے، مثلاً چھٹے باب کا عنوان ہے:

"اقبال، جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آزادی کا شارح"

ـــــ ساتواں باب ہے:

"اقبال، اسلامی دنیا کے اتحاد اور آزادی کا مبلّغ"

آخری باب میں مصنّف نے اقبال کو تیسری دنیا کے اتحاد و آزادی کے علمبردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

سوانحی حصّے میں بعض تسامحات نظر آتے ہیں، اور اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ

مصنّف کا ماخذ "ذکرِ اقبال"، "اقبالِ کامل" اور "سیرتِ اقبال" جیسی کتابیں ہیں۔
علامہ اقبالؔ دوسری گول میز کانفرنس سے واپسی پر اطالیہ میں رُکے۔ مسولینی سے ملاقات ہوئی۔ بعض علمی اداروں میں گئے۔ وہاں سے مصر پہنچے اور پھر بیت المقدس میں منعقدہ موتمرِ عالمِ اسلامی میں شرکت کی ــــ اگلے برس تیسری گول میز کانفرنس سے واپسی پر پیرس میں برگساں سے ملاقات کی، پھر ہسپانیہ گئے۔ مسجد قرطبہ کی زیارت کی۔ میڈرڈ یونیورسٹی میں لیکچر دیا اور ہندوستان لوٹے۔ اقبالؔ کے ابتدائی سوانح نگاروں نے دونوں سفروں کو یک جا کرتے ہوئے، علامہ کو ایک ہی سفر میں اطالیہ اور ہسپانیہ کی سیر کرا ڈالی اور اسی سفر میں مسولینی اور برگساں دونوں سے ملوا دیا۔
زیرِ نظر کتاب میں بھی یہی ہوا ہے۔ اسی طرح علامہ کی تصانیف کے باب میں بھی مصنّف کی معلومات پرانی ہیں (ص ۱۱۰) تصوّف پر علامہ کی نا تمام کتاب شائع ہو چکی ہے۔[۳۳] ان کے مکاتیب کے مجموعوں کی تعداد تین نہیں، گیارہ ہے۔ حیات و تصانیفِ اقبالؔ کے متعدد سنین بھی تصحیح طلب ہیں۔ بعض حصّوں کی تدوین مناسب طریق پر نہیں ہو سکی۔ ص ۸۵ تا ۹۲ کے اندراجات کا محل ص ۴۴ پر "بیماری اور انتقال" سے پہلے تھا۔ انگریزی خطبات کے اُردو ترجمے کے بارے میں شیخ محمد ابراہیم خلیل بتاتے ہیں کہ یہ ترجمہ مولانا سیّد سلیمان ندوی کی نظر سے بھی گزرا تھا اور مولانا کے انتقال کے بعد یہ ویسے ہی پڑا رہا۔ جب یہ بزمِ اقبال کے ہاتھ آیا، تو انھوں نے یہ کام نذیر نیازی کو سونپا اور نیازی صاحب نے ترجمہ مکمل کیا (ص ۱۰۳) یہ بیان ترمیم و تصحیح طلب ہے۔ "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کے مقدّمے میں سیّد نذیر نیازی نے بتایا ہے کہ:

"مصطلحات کے سلسلے میں مترجم نے مولٰینا سیّد سلیمان ندوی سے بھی استفادہ کیا، اور سیّد صاحب مرحوم و

مغفور نے بھی اس تعلق کی بناء پر، جو انھیں حضرت
علامہ سے تھا، بہ کمال شفقت بڑے قابلِ قدر مشورے
دیے۔" (ص: "ب")

ظاہر ہے اس سے محمد ابراہیم خلیل کے متذکرہ بالا بیان کی پوری تائید نہیں ہوتی۔
اسس کتاب کی پرنٹ لائن میں یہ الفاظ درج ہیں:
"پہلی اشاعت، اگست ۱۹۸۶ء"
مگر بعض داخلی شواہد سے یہ کئی برس پہلے کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ آفتاب اقبال (وفات: ۱۹۷۹ء) کراچی میں بیرسٹری کر رہے ہیں (ص ۱۴۴) یعنی یہ تحریر ۱۹۷۹ء سے پہلے کی ہے ـــــ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:
"پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذو الفقار علی بھٹو نے
۱۹۷۷ء کو علامہ اقبال کا سال مقرر کیا ہے۔" (ص ۲۷۷)

یہ فیصلہ ۱۹۷۶ء میں ہوا تھا۔ اسس لیے مصنف کی یہ تحریر قریبی زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ ایک جگہ ایران کے "موجودہ بادشاہ" کے سیاسی فہم و ادراک کا بھی ذکر کیا ہے (ص ۲۹۱) یعنی یہ انقلابِ ایران سے پہلے کی بات ہے ـــ ہمارے خیال میں، مصنف کی بعض ناقص معلومات کا ایک سبب یہی ہے کہ یہ کتاب دس گیارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔

شیخ محمد ابراہیم خلیل نے فکرِ اقبال کی تشریح و تجزیے میں، زیادہ تر علامہ کے اشعار سے مدد لی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، وہ راست فکر مصنف ہیں، لیکن کہیں کہیں انھوں نے اشعار کی عجیب و غریب تشریح کی ہے۔ مثلاً: "بالِ جبریل" کے شعر سے

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

کے بارے میں، اقبالؔ کے تینوں اہم شارحین (یوسف سلیم چشتی، مولانا غلام رسول مہرؔ اور نشترؔ جالندھری) متفق ہیں کہ تین سو سال کی مدت سے اشارہ حضرت مجدد الف ثانی کی طرف ہے اور اقبال دعاگو ہیں کہ ساقی کا فیضِ عام جاری ہو اور مسلمانوں کو مجدد کی سی حق گوئی کی توفیق نصیب ہو ـــــ شیخ صاحب یہ شعر درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اقبالؔ کے زمانے سے تین سو سال پہلے مغل بادشاہوں کا زمانہ تھا اور ان کے زمانے میں [ہندو مسلم] فرق اور تعصب تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ مسلمان، سنسکرت اور متعلقہ علوم کے حصول میں اپنی زندگیاں کھپا دیتے تھے ۔ ۔ ۔ دونوں قوموں کے اتحاد و اشتراک سے ایسی خوشحالی ہوئی اور علوم و فنون میں ایسی ترقی ہوئی، جو اپنی مثال آپ ہے۔ اقبال ساقی سے مخاطب ہیں کہ ہندوستان کا میخانہ تین سو سال سے بند ہے۔ سبھی رند یعنی ہندوستان کے سبھی باشندے ایک اور قوم کے غلام بن چکے ہیں ـــــ شیخ صاحب موصوف مزید لکھتے ہیں:

"میخانے سے مراد وہ عام مجالس ہیں، جن میں ہندو مسلمان مل بیٹھتے تھے اور ملک و قوم کی بہبودی اور خوش حالی کی تدبیریں کیا کرتے تھے۔ اقبال کی تمنا ہے کہ ایسی مجلسیں پھر قائم ہو جائیں، تاکہ غلامی سے نجات مل جائے۔ (ص ۲۹۶)

ـــــ علامہ کے ایک اور شعر ـــ

میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

کی تشریح میں فاضل مصنف لکھتے ہیں: یہاں اقبال کی مراد اس شخص سے ہے جو

ہندو مسلمان اتحاد کو ناپسند کرتا ہے، اس کے لیے اقبالؔ "شیخ" کا استعارہ لاتے ہیں
پہلے مصرعے کا مفہوم یہ ہے کہ ہندو مسلم اتحاد میں میری شاعری کا بھی کچھ نہ کچھ حصّہ ہے
مگر اعتراض کرنے والا اسے بُرا سمجھتا ہے۔ (ص ۲۹۶) ظاہر ہے ایسی تشریحات کو
کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا ہے ـــ تاہم ایسے مقامات گنے چنے ہیں۔
ان کی بیشتر تشریحات، سیاق و سباق کے مطابق ہیں اور اس لیے درست ہیں ـــ
سندھی زبان میں ایسی کتاب کی تحریر و اشاعت ایک قابلِ قدر بات ہے، خصوصاً
ایسے حالات میں، جب منفی ذہنیت کے حامل بعض سندھی، دیگر شخصیات کے ساتھ،
اقبالؔ پر بھی سبّ و شتم اور تبرّے بازی کر رہے ہیں، یہ کتاب فکرِ اقبال کی تفہیم میں
معاون ہو گی۔ اس کتاب میں اقبال کی شخصیت اور ان کے افکار پر اس قدر مواد جمع
کر دیا گیا ہے، کہ اس سے پہلے کہیں میسّر نہ تھا۔

اقبال اور حیدر آباد ٥ سیّد شکیل احمد

سیّد شکیل احمد نے دو برس پہلے نے حیدر آباد اسٹیٹ آرکائیوز کی بعض دستاویزات
کی روشنی میں "اقبال، نئی تحقیق" کے عنوان سے ایک اہم مقالہ پیش کیا تھا (اسی
سال یہ کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا ہے) اپنی نئی کتاب میں سیّد شکیل احمد نے
زیرِ بحث موضوع کے بعض نئے زاویے اجاگر کیے ہیں۔ یہ کتاب بقول مصنّف:

> "دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (الف) اقبال اور حیدر آباد
> (ب) حیدر آباد اور اقبال ـــ پہلے حصّے میں اقبال
> کے حیدر آباد اور اہلِ حیدر آباد سے تعلقات کے ساتھ
> ساتھ حیدر آباد کے لیے اقبال کی contribution
> کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، جب کہ دوسرے حصّے میں

حیدرآبادیوں کا علامہ سے اظہارِ عقیدت، ان کے
افکار و خیالات کو عام کرنے کے لیے ان کی مساعی، حکومتی
سطح پر ان سے روا رکھا گیا سلوک اور ان کے مختلف
کاموں میں دیا گیا تعاون وغیرہ جیسے امور پر روشنی ڈالی
گئی ہے۔" (ص ۴)

اس موضوع پر قبل ازیں دو صاحبوں (نظر حیدرآبادی اور عبدالرؤف عروج) نے جو کاوش کی ہے[۳۵] سیّد شکیل احمد نے ان سے بھی مدد لی ہے، مزید برآں انھوں نے:

"ان بدلتے ہوتے حالات کو مدّ نظر رکھا، اور ان اہم
باتوں کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، جو پس پردہ،
اور وقت کے تناظر میں موجود تھے، لیکن جنھیں اقبال
سے عقیدت اور حیدرآباد سے محبت میں غلو کی بنا پر
بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔" (ص ۵)

ان کا موقف یہ ہے کہ اقبال، حیدرآباد میں کسی ملازمت یا منصب کے خواہاں نہ تھے، ان کی جانب سے اپنی خدمت کی پیش کش اس وجہ سے تھی کہ وہ حیدرآباد کو اس بھنور سے نکالنے کے لیے فکر مند تھے جس میں وہ حکمران کی نازک پوزیشن درباری فضا، ملکی حالات اور اطراف و جوانب کے کوائف کے باعث گھر چکا تھا۔ (ص ۶) ـــــ رہا یہ مسئلہ کہ اگر اقبال، کسی نہ کسی حیثیت میں حیدرآباد سے وابستہ ہو جاتے، تو کیا وہ کوئی مؤثر کردار ادا کر پاتے؟ مصنّف کو اس بارے میں شبہ ہے اور بجا طور پر، اس کا سبب یہ ہے کہ اس معاملے میں، جیسا کہ سیّد شکیل احمد نے تفصیل سے وضاحت کی ہے، متعدد اکابر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ـــــ

مبارز الدولہ، سیّد جمال الدین افغانی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، بہادر یار جنگ اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودی میں سے بعض شہر بدر کیے گئے، کچھ آغوشِ اجل میں چلے گئے، اور بعض نے اس سنگلاخ زمین سے ہجرت کرنا مناسب سمجھا۔ یوں:

"ہر زعیم ملّت نے حالات کو سدھارنے اور وقت
کے حکمرانوں کو راہِ راست دکھانے کی حتی المقدور کوشش
کی، لیکن حیدر آباد کے لیے جو زوال مقدر ہو چکا تھا، وہ
ہو کے رہا۔" (ص ۷)

مصنّف نے علامہ اقبال کے متعلق، سرکارِ حیدر آباد کے نامناسب رویّے کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ سر اکبر حیدری کے متعلق ان کا خیال ہے کہ موصوف اقبالؔ کے بہترین دوست ہونے کے باوجود، دوستی سے زیادہ سیاستِ حاضرہ کے وفادار تھے۔ (ص ۵۲) اسی طرح یہ کہ نظامِ دکن اپنی ریاست کو سب سے بڑی مسلم ریاست کہتے رہے، مگر علامہ کو سیاسی وجوہ کی بنا پر امداد یا وظیفہ نہیں دیا گیا (ص ۵۲) اقبالؔ کی وفات کے بعد آفتاب اقبال اور ان کی والدہ کے لیے پچاس پچاس روپے ماہانہ وظیفہ جاری کیا گیا، مگر اس سلسلے میں جو فرمان جاری ہوا، اس میں یہ افسوس ناک انداز اختیار کیا گیا:

"مرحوم کا تعلق ہماری ریاست سے نہ ہونے کے باوجود
ان کے پسماندوں پر احسان کیا جاتا ہے۔" (ص ۵۳)

سیّد شکیل احمد کا خیال ہے کہ نظامِ دکن نے نواب بھوپال کے نام ۱۹۳۲ء کے خط میں علامہ کو کسی طرح کا وظیفہ دینے سے معذرت کی تھی، اگر وہ پانچ سو روپیہ ماہانہ کا وظیفہ جاری کر دیتے تو (اپریل ۱۹۳۸ء تک) یہ محض چالیس ہزار روپے کا مسئلہ تھا (بعد ازاں شہزادہ اعظم جاہ نے نمایشِ اقبالیات کے موقع پر چالیس ہزار روپے کی تصاویرِ اقبالیات

خریدی تھیں) ـــــ اس سے اقبال کی قدر دانی ہوتی، اور بدنامی کا داغ حیدر آباد کے دامن پر نہ ہوتا (۵۹) ـــــ ہمارے خیال میں مصنف کی یہ کتاب، اس موضوع پر ایک معروضی مطالعہ ہے۔ نظر حیدر آبادی اور عبدالرؤف عروج کے مقابلے میں ان کا رویہ ناقدانہ اور جرأت مندانہ ہے ـــــ ایک حیدر آبادی مصنف کی جانب سے حقیقت پسندی کا یہ انداز قابلِ قدر ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں سیاسی اور سرکاری سطح پر اقبال کے بارے میں حیدر آبادی رویہ بلا شبہ لائقِ تحسین نہیں ہے، مگر عوامی سطح پر انھیں جو پذیرائی ہوئی اور حیدر آبادی عالموں اور دانش وروں نے ان کی شخصیت اور شاعری میں جو کشش محسوس کی اور شعرا نے انھیں جو خراجِ عقیدت پیش کیا، وہ تاریخِ اقبالیات کا ایک روشن باب ہے۔ بحیثیتِ مجموعی حیدر آباد میں آج بھی علامہ اقبال کے بارے ایک جوش و ولولہ، عقیدت مندی اور والہانہ پن پایا جاتا ہے، لہٰذا اہلِ حیدر آباد کو اس باب میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

اقبال کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ ○ توقیر سلیم خان

ایم ایس سی (نفسیات) کے امتحان کے لیے یہ مقالہ پروفیسر اختر حسین قریشی کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں جس نفسیات کی تدریس ہوتی ہے، وہ تقریباً تمام تر مغرب سے مُستعار ہے۔ چنانچہ ہم نفسیاتی تجزیے، مغربی کلیّوں کی روشنی میں کرتے اور بالعموم ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اس مقالے کے ایک حصّے میں یہی ہوا ہے ـــــ مزید برآں معلومات اور مطالعۂ اقبال کی کمی بھی ایک بڑا سبب بنی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقالہ نگار نے سرسری اور سطحی طور پر اپنے تأثرات رقم کر دیے ـــــ ابتدا میں انھوں نے اقبال کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے وراثتی اور معاشرتی

عوامل کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد سیالکوٹ، لاہور اور یورپ کے معاشرتی ماحول کا تذکرہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"سیالکوٹ میں ڈاکٹر محمد اقبال کو جو معاشرتی اور تعلیمی ماحول نصیب ہوا، وہ سراپا مشرقی اور اخلاقی ماحول تھا۔ اس ماحول میں گھٹن تھی، آزادی نہ تھی۔ اس ماحول میں آداب تھے، آزادی نہ تھی۔ یہ ماحول قدیم اور فرسودہ تھا، اس میں تازگی، شگفتگی اور چکا چوند نہ تھی۔ یہ ماحول انحطاط پذیر قدروں کا ماحول تھا، ارتقا۔پذیر قدروں کا ماحول نہ تھا۔ اس کی خصوصیات میں تابع داری اور نیازمندی رچی بسی تھی۔ اس میں آزادانہ فیصلے کی قوت نہ تھی ــــ" (ص ۹۱)

مقالہ نگار کو شاید اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ اس مختصر پیراگراف میں کس قدر متضاد باتیں کہہ گئے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لکھنے والے کے فکر و نظر کا زاویہ کیا ہے، اور نہ خداوندانِ مکتب سے شکایت کا محل ہے کہ وہ شاہین بچوں کے اذہان کس سانچے میں ڈھال رہے ہیں ــــ چند صفحات آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر محمد اقبال کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد تھا، لیکن ہندوستان کے غلام معاشرتی ماحول میں یہ صلاحیتیں کھل کر کارگر ثابت نہ ہو سکیں۔ شاعری کی مدت (؟) تک لوگوں نے آپ کی قدر کی اور داد دی ـــ۔

لیکن سیاسی طور پر آپ قائداعظم کے سیاسی مشیر سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اگر کوئی سیاسی مرتبہ حاصل ہوا، تو

وہ صرف یہ تھا کہ آپ لاہور سے صوبائی اسمبلی کے
ایک بار رکن بن سکے۔" (ص ۹۴)

سوال یہ ہے کہ اقبال کوئی "سیاسی مرتبہ" یا دیگر کوئی منصب حاصل کرنے کے آرزومند کب تھے؟ ان کا دائرہ کار دوسرا تھا۔ انھوں نے محض مصائب، قومی اور ملی ضروریات کے تحت اسمبلی کی رکنیت اختیار کی[۳۶]۔ سیاست کے میدان میں انھیں کبھی آگے بڑھنے کی ہوس نہیں رہی۔ جو شخص خود کو "جناح کا معمولی سپاہی" کہتا ہو[۳۷] اور قوم کو جناح کی لیڈر شپ تلے متحد ہونے کی بار بار تلقین کرتا ہو[۳۸]، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ جناح کے سیاسی مشیر سے آگے نہ بڑھ سکے، بے خبری بھی ہے اور اس شخص کے مزاج سے ناواقفیت کا نتیجہ بھی۔ اس بے خبری کا مظاہرہ اور بھی کئی مقامات پر ہوا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اقبال کو یورپ کا معاشرتی ماحول بے حد پسند
تھا، اور وہ اس معاشرتی ماحول کی دل کشی پر عاشق تھے
۱۹۳۱ء میں لندن گول میز کانفرنس کے موقع پر، اقبال
لٹریری ایسوسی ایشن کے اجلاس میں تقریر کرتے
ہوئے انھوں نے کہا: "۱۹۰۵ء میں جب میں انگلستان
میں آیا تھا، تو میں محسوس کر چکا تھا کہ مشرقی ادبیات
اپنی ظاہری دل فریبیوں اور دل کشیوں کے باوجود،
اس روح سے خالی ہیں، جو انسان کے لیے امید، ہمت
اور جرأتِ عمل کا پیغام لاتی ہے، جسے زندگی کے
جوش اور ولولے سے تعبیر کرنا چاہیے"۔۔۔۔
اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ اقبال یورپ کی

معاشرتی روایات سے ہے کہ ادبی روایات تک کے
گرویدہ تھے۔" (ص ۹۷ - ۹۸)

استدلال بہت دلچسپ ہے کہ مشرقی ادبیات (ماحول نہیں) سے مایوسی کے نتیجے میں اقبال مغربی معاشرتی ماحول کے گرویدہ اور اس کی دل کشی پر عاشق ہو گئے ـــــ مگر، خیر ـــــ مقالہ نگار اگر ایک سرسری نظر (ہی سہی) اقبال کی شاعری پر ڈال لیتے، تو انھیں اندازہ ہو جاتا کہ یورپ کے معاشرتی ماحول کے متعلق ان کی پسندیدگی اور اس کی دل کشی پر ان کے "عشق" کا کیا عالم تھا ؎

نئی تہذیب تکلّف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش

یہ حوریانِ فرنگی، دل و نظر کا حجاب
بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پا بہ رکاب
دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب

سوالِ مے نہ کروں ساقیِ فرنگ سے میں
کہ یہ طریقۂ رندانِ پاک باز نہیں

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی

مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذّت، کہاں حجاب کی دلیل

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش

مقالہ نگار نے آگے چل کر اُن نفسیاتی عوامل سے بحث کی ہے، جو اقبال کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے۔ اس آخری حصّے میں، معلوم ہوتا ہے، انھوں نے قدرے تامّل کر کے قلم اٹھایا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ ماہرینِ نفسیات کے گوناگوں نظریاتِ شخصیّت میں سے کوئی بھی نظریہ، اقبال کی پہلو دار شخصیّت پر پوری طرح اور مکمّل طور منطبق نہیں ہوتا۔ البتہ امریکی نفسیات دان ابراہیم میسلو (۱۹۰۸ء — ۱۹۷۰ء) کا نظریۂ تکمیلِ ذات (Self Actualization) اقبال کی شخصیت پر منطبق ہوتا ہے۔ اس نظریے کی روشنی میں، مقالہ نگار کا خیال ہے کہ علامہ صحت مند اور فعّال شخصیّت کے مالک تھے۔ اسلام کی سربلندی اور ہندی مسلمانوں کی سربلندی اور ذاتی سربلندی ان کی ضرورتیں تھیں، اور انھی کی تکمیل ان کے پیشِ نظر تھی۔ وہ واضح طور پر نادر انسان تھے، ان میں وہ صلاحیّت اور استعداد تھی جو کسی اور میں نہ تھی (ص ۱۲۲) —— وہ مزید کہتے ہیں کہ اقبال نے ساری عمر شادی، تعلیم، نقلِ مکانی، سفر، مرض، دو قومی نظریہ اور بچّوں کی پرورش وغیرہ مسائل وغیرہ کا خوش دلی سے سامنا کیا اور انھیں حل کیا۔ پھر یہ کہ ان میں محبّت کی صلاحیّت تھی، انھوں نے اسلام سے، ہندی مسلمانوں سے، نوجوانوں سے، قائداعظم سے، عطیہؔ فیضی سے اور سب سے بڑھ کر بنی نوعِ انسان سے محبّت کی (خواہ انسان کا تعلق دنیا کے کسی خطّے سے ہو)، بقول مقالہ نگار علاّمہ اقبال "محبّت کا مردِ میدان"

(ص ۱۲۷) تھے ـــــ وہ معترف ہیں کہ اقبال بیک وقت فلسفیانہ اور خلاق ذہن کے مالک تھے، انھوں نے بلاوجہ کسی کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ ہمیشہ لوگوں سے خلوص اور محبت سے پیش آتے ـــــ مقالہ نگار نے بجا طور پر یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال ذہنی اور نفسیاتی طور پر صحت مند شخصیت کے مالک تھے ۔ یوں اس مقالے کا انجام تو، بلاشبہ بخیر ہوتا ہے، مگر مصنف نے یہ عقدہ حل نہیں کیا کہ جب اقبال نے سیالکوٹ کے "قدیم اور فرسودہ" ماحول میں پرورش پائی، جہاں "گھٹن تھی، آزادی نہ تھی" اور "انحطاط پذیر قدروں" کا دور دورہ تھا، اور اس میں آزادانہ فیصلے کی قوت" نہ تھی ـــــ اور پھر اس "غلام معاشرتی ماحول" میں اقبال کی صلاحیتیں کھل کر بروئے کار نہ آسکیں اور وہ کوئی "سیاسی مرتبہ" بھی حاصل نہ کرسکے ۔ مزید برآں وہ یورپ کے "معاشرتی ماحول کی دل کشی پر عاشق" تھے، جو ظاہر ہے انھیں ہندوستان میں کبھی میسر نہ آیا، تو ان نامساعد حالات اور ناساز گار ماحول کے باوجود آخر وہ کس طرح ذہنی اور نفسیاتی طور پر ایک صحت مند، فعال اور متوازن شخصیت کے مالک بنے ؟ یوں اس مقالے میں ہمیں سب سے بڑی کمی یہ نظر آتی ہے کہ اس کے پہلے حصے اور آخری باب کے درمیان ربط پیدا نہیں ہوسکا ۔ یہ دونوں حصے، ایک دوسرے سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں، اور ان دونوں مطالعوں کے زاویے اور سمتیں بھی جدا ہیں ـــــ بایں ہمہ، ہماری جامعات میں، جس طرح کے تحقیقی مقالے لکھے جارہے ہیں، ان میں یہ مقالہ غنیمت معلوم ہوتا ہے ۔

جاویدانِ اقبال (ڈاکٹر جاوید اقبال)

○ مترجم : ڈاکٹر شہین دخت مقدم

"زندہ رود" جلد دوم کا فارسی ترجمہ ۱۹۸۵ء میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ اسی سال

جلد سوم کے جزو اوّل (باب ۱۵ تا ۱۸) کا ترجمہ، حسبِ سابق اقبال اکادمی پاکستان نے غیر معمولی اہتمام سے شائع کیا ہے۔ یہ حصّہ عملی سیاسیات میں علّامہ کی شمولیت، انگریزی خطبات کے سلسلے میں جنوبی ہند کے دورے، خطبہ الٰہ آباد اور گول میز کانفرنسوں میں ان کی شرکت سے متعلق ہے۔ اس طرح سوانحی اور فکری اعتبار سے، یہ "زندہ رود" کا اہم ترین حصّہ ہے۔ ڈاکٹر شہین دخت نے مختصر، مگر مفید پاورقی حواشی کا اضافہ کیا ہے اور ایک مفصّل مقدمہ بھی سپردِ قلم کیا ہے۔

یہ کتاب اقبالیاتِ فارسی میں ایک وقیع اضافے کی حیثیت رکھتی ہے اور توقع ہے اہلِ ایران کو علاّمہ اقبال کے حالات و افکار سے روشناس کرانے میں مفید ثابت ہوگی۔

خدوخالِ اقبال ○ محمّد امین زبیری

"خدوخالِ اقبال" کا موضوع بھی، علاّمہ اقبال کے سوانح اور شخصیت کا مطالعہ ہے اس مطالعے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مصنّف، مقدمہ نگار اور ناشر کے خیال میں، اقبال کے سوانح نگاروں نے جھوٹی اور غلط روایات کے ذریعے، علاّمہ کو فرشتہ، نبی اور خدا بنا ڈالا ہے ___ مصنّف علاّمہ کے مقامِ بشریت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

بہ طور مصنّف محمد امین زبیری (۱۸۷۲ء ___ ۱۹۵۸ء) کا کوئی مقام ہو یا نہ ہو، موصوف مولانا شبلی کی کردار کشی کے حوالے سے ضرور شہرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے عطیّہ بیگم کے نام شبلی کے خطوط شائع کیے۔ "حیاتِ شبلی" پر ایک زہریلا تبصرہ لکھا، اور پھر "شبلی کی رنگین زندگی" شائع کی۔ موصوف نے مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی کانٹوں میں گھسیٹا۔ خامہ بگوش بتاتے ہیں کہ:

"اس بدتہذیبی پر پورے ہندوستان کے عالموں اور

ادیبوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔"
مولانا مناظر احسن گیلانی نے تو یہاں تک لکھا کہ:

"منشی محمد امین صاحب اس کتاب کے بعد کسی مہذب
سوسائٹی اور جماعت میں شریک ہونے کے لائق
نہیں رہے۔"

لیکن سب سے زیادہ دلچسپ تبصرہ سید ہاشمی فرید آبادی کا تھا۔ انہوں نے کہا:

"منشی صاحب، علامہ شبلی کے بارے میں بہت متشدد
ہیں، اس لیے انہیں منشی نہیں، بالتشدید منشّی
کہنا چاہیے۔"[۳۹]

ہم نے اس کتاب کو مختلف اوقات میں، اور کئی کئی دنوں بلکہ ہفتوں کے وقفوں سے پڑھا، اور ایک سے زائد بار ـــــ ہمیں ہر بار یہ احساس ہوا کہ لکھنے والے نے قطعی ایک منفی ذہن کے ساتھ، اور خاصی پست سطح پر اُتر کر یہ کتاب لکھی ہے۔ پھر یہ احساس بھی شدت کے ساتھ ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے سے طے کر لیا ہے کہ اسے موقع بے موقع اور جا و بے جا اقبال پر اعتراض کرنا ہے ـــــ ان کی ذات پر چھینٹے اُڑا کر اُسے داغ دار بنانا ہے۔ ان پر بالواسطہ یا بلاواسطہ، وضاحت کے ساتھ یا اشارے کنائے میں حملہ کر کے ان کی شخصیت کو مجروح کرنا اور اسے قارئین کی نظروں سے گرانا ہے۔ لکھنے والا، انھیں بدنام و رُسوا کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا۔ اگر موقع نہ بھی ہو، تو بھی کسی نہ کسی طرح وہ مذاق و تمسخر کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال لیتا ہے۔ بقول پروفیسر اسرار احمد سہاوری:

"تحریر میں ہر جگہ علامہ پر طنز و تعریض ہے، اور ان
کے افعال و اعمال کا مذاق اڑانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شاعرانہ خیالات، مذہبی عقائد، فلسفیانہ بصیرت اور
زبان دانی، سیاسی سوجھ بوجھ ہر چیز کو نشانۂ استہزا
بنایا گیا ہے۔"[۲]

ہر وہ بات جو علامہ کے حق میں جاتی ہے، وہ مصنّف کو مشکوک اور مشتبہ نظر آتی ہے، اور ہر وہ واقعہ جس سے ان کا امیج بلند ہوتا ہے، ان کے نزدیک خلافِ واقعہ اور مجہول نظر آتا ہے ـــــ قصہّ مختصر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے اس کتاب کا مصنّف، اقبالؔ کے خلاف ادھار کھائے بیٹھا ہے۔

اس اعتبار سے تو یہ کتاب کسی سنجیدہ مطالعے یا بحث و مباحثہ کے لائق نہیں ہیں۔ تاہم یہ دکھانے کے لیے کہ محمد امین زبیری کی علمی قابلیت کا معیار و منہاج کیا ہے؟ ان کی تصنیفی و تالیفی صلاحیت کس درجے کی ہے؟ اور ان کا اندازِ استدلال اور زورِ منطق کیسا ہے؟ ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ اعتراضات کی نوعیت عجیب و غریب ہے، مثلاً ایک اعتراض یہ ہے کہ اقبال، انگلستان سے واپسی پر مسجد قرطبہ تو گئے، مگر انگلستان کے تین سفروں میں انھوں نے ووکنگ مسجد تک جانے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی حالانکہ:

"اس زمانے کی وہ بھی ایک بڑی اسلامی یادگار ہے۔"

(ص ۴۷)

(خیال رہے کہ ووکنگ مسجد نواب شاہ جہاں بیگم والیِ بھوپال نے تعمیر کرائی تھی۔ زبیری صاحب نے ۴۲ سال تک ریاست بھوپال میں نوکری کی)

زبیری صاحب چاہتے تو یہ اعتراض بھی کر سکتے تھے کہ علامہ نے "مسجدِ قرطبہ" کے طرز پر ووکنگ مسجد کی "بڑی اسلامی یادگار" کے متعلق ایک نظم کیوں نہ لکھی۔

۲۔ پروفیسر حمید احمد خان نے، اقبالؔ کی رحلت پر انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوتے لکھا تھا:

"اقبالؔ کی وفات پر، لاہور کے ایک مقتدر انگریز افسر نے، اقبالؔ کے ایک عقیدت مند سے کہا کہ تم نے ہندوستان کے آخری مسلمان کو سپردِ خاک کر دیا"۔

اس پر زبیری صاحب فرماتے ہیں:

"گویا ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہندوستان میں صرف ایک ہی مسلمان رہ گیا تھا، سو اس کو بھی سپردِ خاک کر دیا گیا"۔

مزید لکھتے ہیں:

"یہ مقتدر، مگر مجہول انگریز تو خیر انگریز ہی تھا، لیکن یہ عقیدت مند بزرگ تو مسلمان تھے۔ کیا ان کو اپنی نسبت بھی یقین ہوا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں"۔ (ص ۱۷۵)

۳۔ اقبالؔ کے اس مصرعے: ؎ پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
پر حاشیے کا نشان بنا کر پاورق میں لکھتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں توحید گورونانک نے پھیلائی؟ نویں اور اوائل دسویں صدی سے قبل شرک ہی شرک تھا؟" (ص ۱۰۳)

متذکرہ بالا مصرع، علاّمہ کی ایک نظم "نانک" (بانگِ درا؛ ص ۲۷۰) سے لیا گیا ہے۔ اس میں گورونانک اور گوتم کا ذکر آیا ہے۔ زبیری صاحب نے اس ضمن میں ایک فریضہ اقبال اکادمی کو بھی سونپا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ان نظموں کے متعلق بھی اقبال اکیڈمی کے محققین کا
فرض ہے کہ اس کی تحقیق کریں کہ آیا یہ الہامی ہیں؟ مسلم
عقیدہ کی رو سے ہندو اور سکھ مشرک ہیں۔ اقبال ان
کی تعریف میں مذہبی انداز سے رطب اللّسان ہیں۔"
(حاشیہ، ص ۱۰۳)۔

۴۔ مصنّف نے دعویٰ کیا ہے کہ اقبال کی مذہبی تعلیم معمولی تھی (ص ۱۰) اور اقبال نے قرآن و حدیث، سیرت نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے حالات کا عمیق مطالعہ نہیں کیا تھا۔ صرف معمولی طور پر عربی پڑھ سکتے تھے (ص ۴۲)۔ اس کا ثبوت وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ اقبال نے سیّد سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں خود اعتراف کیا تھا کہ:

"میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے۔"

۵۔ سوانحِ اقبال کا معروف واقعہ ہے کہ طویل علالت کے آخری دور میں سر اکبر حیدری کی مساعی سے ایک ہزار روپیہ کا چیک حیدر آباد کے خزانہ سے جاری ہوا تھا، اس پر توشک خانۂ عامرہ کی سلپ منسلک تھی، جس سے کبیدہ خاطر ہو کر، اقبال نے سر اکبر حیدری کے نام ایک قطعہ لکھا، جس کا آخری شعر ہے: ؎

غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

زبیری صاحب نہ تو اس جذبۂ خودداری کو سمجھ سکے ہیں، جس کے تحت علامہ نے چیک واپس کیا اور نہ انھیں اس شعر کا پہلا مصرع سمجھ میں آیا۔ انھوں نے اس واقعے میں بھی اعتراض کا پہلو تلاش کر ہی لیا۔ گرفت اس پر ہے کہ "ارمغانِ حجاز" کے نوٹ

میں چیک کی واپسی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

"ارمغانِ حجاز" علامہ کی رحلت کے چھ ماہ بعد نومبر میں
جاوید اقبال صاحب نے شائع کی مگر چیک کی واپسی
کا وہ ذکر نہیں کرتے۔" (ص ۲۲)

اسس طرح کی منلق اور استدلال کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ہمارا تاثر یہ ہے کہ موصوف حسِ لطیف، ذوقِ سلیم اور کامن سنس سے بھی عاری ہیں ـــ کتاب کے آغاز میں انھوں نے، شیخ محمد اکرام کے الفاظ مستعار لیتے ہوتے، مشاہیر کے تذکرے میں "احتیاط، ذوقِ سلیم اور خدا ترسی" کی ضرورت کا ذکر کیا ہے (ص ۲، سطر ۲) مگر اسس کتاب میں انھوں نے متذکرہ ضرورت کا خیال نہیں رکھا۔ ذوقِ سلیم کی بات تو ہو چکی، احتیاط اور خدا ترسی کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ انصاف اور دیانت کو ہاتھ سے نہ دیا جاتے۔ اسس کتاب کے متعدد بیانات حد درجہ بے احتیاطی، خدا سے بے خوفی اور بددیانتی پر مبنی ہیں۔ مثلاً، اقبال کے دورِ آخر کی سیاسی حیثیت کا ذکر کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

"پنجاب میں سر شفیع اور میاں سر فضل حسین کا قومی
سیاسیات میں نہایت اہم کردار تھا ---- اقبال جب
میدانِ سیاست میں آئے تو سر شفیع کے زیرِ سایہ
رہے ---- سر فضل حسین نے اقبال کو ججی کا عہدہ دلانے
اور مجلسِ اقوام کی ممبری اور ان کے دیگر اعزازات
کے متعلق کوشش کی۔ غرض نائٹ ہڈ، صوبہ کونسل
کی رکنیت، گول میز کانفرنس کی ممبری، ان دونوں کی
مہربانیوں اور عنایتوں کا نتیجہ ہے۔ جب تک یہ زندہ

رہے، اقبال کی سیاست ان ہی کے تابع رہی۔ لیکن
اوّل سر شفیع کا، اور پھر ۱۹۳۵ء میں سر فضل حسین کا جب
انتقال ہوگیا، تو اَب علامہ نے قائد اعظم کی طرف توجہ
کی" (ص ۱۶۱-۱۶۲)

اس نوع کے مفروضات اور ان کے بعض بیانات صریح بے انصافی اور بد دیانتی کے ساتھ ساتھ ان کی بدنیتی کو بھی آشکار کرتے ہیں۔

دیباچے میں جمیل زبیری نے محمد امین زبیری کی تالیفی و تصنیفی فتوحات اور ان کے علمی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ وہ نواب محسن الملک کے پرسنل اسسٹنٹ رہے۔ بہت سے مشاہیر علم و ادب (بشمول سر راس مسعود، سر ضیاء الدین احمد، سید سلیمان ندوی اور مولوی عبدالحق) سے ان کی دوستی رہی۔ انھوں نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں۔ "علی گڑھ تحریک پر ایک اتھارٹی" تھے۔ مزید یہ کہ ان کی تصانیف سے:

"اقتباسات، مختلف مصنفین اپنی تصنیفات میں شامل
کرتے رہتے ہیں۔"

یہ بات اگر مرحوم کے لیے وجہِ افتخار بن سکتی ہے، تو ہم اسے بھی ان کا اعزاز مان لیتے ہیں ــــ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس علمی شغف، ادبی دوستی اور بڑے لوگوں کی صحبت نے ان کے ذہن، دل و دماغ اور ان کی شخصیت پر کیا اثرات مرتب کیے؟ ان کی تصانیف کا زیادہ تر حصہ محسن الملک، وقار الملک، نواب حمید اللہ خاں، سر آغا خان اور سر ضیاء الدین احمد جیسے اکابر کی سوانح عمریوں پر مشتمل ہے۔ ان اوراقِ حیات نے محمد امین زبیری میں کیا اخلاقی رویّہ پیدا کیا؟ اور انھیں کیا سبق سکھایا؟ کیا یہی کہ بزرگوں کی پگڑی اچھالی جائے، ان کی کردار کشی کی جائے، اور ان کی شخصیتوں کو مسخ کر کے پیش کیا جائے۔

اس کتاب کے ابتدائی حصّے میں ناشر اور مصنّف نے بھی یہ تاثر دیا ہے کہ ان کا مقصد، اقبال کے سوانح نگاروں کی غلط اور بے بنیاد روایات کی تردید ہے، مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے مباحث کی ساری زد، خود اقبال کی شخصیت پر پڑتی ہے۔ لگتا ہے کہ سوانح نگاروں کی تردید تو محض ایک بہانہ تھا، اصل مقصود اقبال کا اردو ادران کی شخصیت کا انہدام ہے۔ کتاب کے آخری حصّے میں انھوں نے یہ پردہ بھی اُٹھا دیا، اور واشگاف طور پر اقبال پر حملوں میں قباحت محسوس نہیں کی۔ خامہ بگوش کے الفاظ میں مصنّف نے:

"یہ کتاب مجاورانِ اقبال کو راہِ راست پر لانے کے لیے لکھی تھی، لیکن اصل مقصد خود علّامہ اقبال کو راہِ راست پر لانا تھا۔" [۶۸]

محترم جمیل زبیری صاحب بتاتے ہیں کہ محمد امین زبیری:

"مختلف موضوعاتِ علم و ادب پر تصنیفی فتوحات حاصل کرتے رہے۔" (ص ۶)

خود مرحوم نے اپنے خطوط میں اپنی جملہ تصانیف کا وضاحت کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔ مکتوب الیہ کو بتاتے ہیں کہ فلاں کتاب دو ہزار روپے کے معاوضے پر لکھی۔ نواب بھوپال کی لائف پانچ ہزار معاوضہ پر سال بھر میں تیار کر دی، اسی طرح آغا خان کی لائف کا معاوضہ پندرہ سو روپے (علاوہ دیگر اخراجات صفائی مسودہ وغیرہ) ملا۔ عورت اور عسکریت کا معاوضہ تین سو روپے ملا (ص ۱۸، ۱۹) لطف کی بات یہ ہے کہ اسی خط میں وہ یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ:

"میرا شغل تصنیف و تالیف پیشہ ورانہ نہیں۔"

ان خطوں میں وہ اپنی تصانیف کی قیمتوں کے ساتھ ان کے ناشرین کے پتے بھی

درج کرتے ہیں، یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ناشر کے علاوہ کتاب کہاں کہاں سے ملے گی اور ڈاک پر کیا خرچ آئے گا۔ اپنی تصانیف کی فروخت کے لیے اس بے تابی میں کوئی حرج نہیں ـــــ لیکن سوال یہ ہے کہ زبیری صاحب کی تالیفات کس معیار کی ہیں؟ اگر آپ "خدوخال اقبال" کے آئینے میں اس کا اندازہ لگانا چاہیں تو قدرے مایوسی ہوگی۔ ان کی منفی ذہنیت سے قطع نظر، بہ طور ایک تصنیف یا تالیف بھی یہ ایک معمولی کتاب ہے۔ ایک سلیقہ مند مؤلف سے توقع کی جاتی ہے کہ پہلے وہ اپنے موقف کو مناسب الفاظ میں بیان کرے، پھر اس کی تائید میں حوالے اور شہادتیں فراہم کرے، بعدۂ ان کی بنیاد پر بذریعہ منطق و استدلال استخراجِ نتائج کرے۔ اس اعتبار سے بھی ہم محمد امین زبیری کو ایک ہنرمند اور کامیاب مؤلف قرار نہیں دے سکتے۔ ان کے ہاں طویل طویل اقتباسات کی کثرت ہے، موضوع و بیان میں بے ربطی ہے، متعدد حوالے نامکمل اور ادھورے ہیں اور بعض تو قطعی مجہول ہیں اور من گھڑت معلوم ہوتے ہیں۔ استدلال کی عمارت بیشتر عبدالمجید سالک کے بیانات پر قائم کی گئی ہیں۔ حالانکہ روایت و درایت کے اعتبار سے "ذکرِ اقبال" علامہ کی جملہ سوانح عمریوں میں سب سے کمزور اور غیر مستند کتاب ہے۔ "خدوخالِ اقبال" پڑھتے ہوئے یہی احساس اُبھرتا ہے کہ مصنف کو علامہ کی ذات سے شدید پرخاش ہے اور وہ ان کے بارے میں انتہائی تعصب میں مبتلا ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر اسرار احمد سہاروی لکھتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص ذاتی کدورت اور
عناد کی وجہ سے انتقامی جذبہ اپنے سینے میں پرورش
کرنے کے بعد یہ تحریر لکھنے بیٹھا ہے، اور عموناً ایسے
نجی واقعات شوق اور تفصیل سے درج کیے گئے ہیں

> جن کا علامہ کی علمی، ادبی، سیاسی اور دینی زندگی پر
> کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً تلخی اور بدمزگی کا یہ
> عالم ہے کہ علامہ کی عربی دانی، فقہ پر عبور، فلسفے کا
> تدبّر، سیاسی سوجھ بوجھ، تحقیقی کاوشس وغیرہ ہر
> چیز کا استخفاف کیا گیا ہے، اور بڑی لذّت اندوزی
> کے ساتھ علامہ مرحوم کی شخصیت اور کردار پر کچو کے
> لگاتے گئے ہیں۔" [۲۲]

محمد امین زبیری نے متعدد شخصیات پر قلم اٹھایا۔ جیسا اوپر ذکر ہوا انھوں نے پرنس آغا خاں، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، نواب حمید اللہ خاں، نواب سلطان جہاں بیگم والیِ بھوپال اور سر ضیاء الدین احمد وغیرہ کی سوانح نگاری کی ــــ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا زبیری صاحب نے ان سب شخصیات کا مطالعہ اسی زاویۂ نظر اور انھی پیمانوں سے کیا، جن سے انھوں نے اقبال کی شخصیت کا ناپ تول کیا ہے؟ اگر نہیں، اور ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے تو پھر یہ امتیازی سلوک صرف اقبال کے ساتھ ہی کیوں؟ مرحوم کو اس کا احساس تھا، اور انھوں نے عمداً ایسا کیا۔ اسی لیے انھیں اپنے بقول: "اس کتاب پر ایک گونہ ناز تھا (ص ۱۵)"۔

اس مایۂ ناز کتاب میں، مصنّف نے اقبال پر تنقید (یا تنقیص؟) کی وجہ جواز یہ پیش کی ہے کہ ان کے سوانح نگاروں نے انھیں فرشتہ یا نبی بنا دیا۔ اس سے قطع نظر کہ زبیری صاحب نے متعیّن طور پر نہیں بتایا کہ کس سوانح نگار نے کب اور کہاں اقبال کو فرشتہ یا نبی قرار دیا ہے۔ اگر کوئی اقبال سے عقیدت مندی کا اظہار کرتا ہے یا ان کی خوبیوں (اور ایک عظیم شخص کی بہت سی

خوبیاں بہرحال ان میں موجود تھیں) کا ذکر و اعتراف کرتا ہے، تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ وہ انھیں فرشتہ یا نبی سمجھتا ہے۔ زبیری بعض (مستند یا غیر مستند) روایات و واقعات کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرتے ہیں، ان سے ایک من مانا، پسندیدہ اور بیشتر صورتوں میں خود ساختہ نتیجہ اخذ کر کے اُسے روایت نگاروں کے سر منڈھ دیتے ہیں، اور ساتھ ہی دہائی دیتے ہوئے علّامہ اقبالؔ پر تبرّیٰ بازی کرنے لگتے ہیں۔ اپنے اس طریقِ کار، بلکہ طریقِ واردات پر وہ خود تو ناز کر سکتے ہیں، مگر کوئی انصاف پسند شخص اس کی تائید نہیں کرے گا۔ یہی سبب کہ تادمِ تحریر "خدوخالِ اقبال" پر جتنے تبصرے شائع ہوتے ہیں [۲۰]، سب نے ان کی کاوش پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ "سیّارہ" کے مبصّر نے لکھا ہے کہ:

"علّامہ کی شخصیت تو اس قسم کی خوردہ گیریوں سے بہت بلند و بالا ہے۔ اس طرح ان کی کردار کشی ممکن نہیں۔ جو شخص یہ مشغلہ اختیار کرتا ہے، وہ علم و ادب تو کجا، خود اپنی بھی کوئی خدمت نہیں کرتا۔ اقبالؔ کو آخر فرشتہ یا نبی کس نے کہا، جو اس پر اس قدر برہمی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اقبالؔ ایک انسان تھے، اور ہر انسان سے غلطی اور خطا کا صدور ہوتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ اس کی شخصیت کا مجموعی رنگ کیا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر، جو افراد قوموں کی تقدیر سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ نہایت قیمتی لوگ ہوتے ہیں، وہ قوم کے محسن ہوتے ہیں۔ اقبالؔ بھی اس ملّت کے محسن تھے، اور اپنے

محسنوں کی کردارکشی بہرحال قابلِ مذمت ہی قرار پاتی
ہے۔ اس لیے ہم مؤلف کتاب کی اس منفی کاوش
پر اُسے داد نہیں دے سکتے۔" [۱۷۴]

داد کا یہ اعزاز صرف مقدمہ نگار اور ناشر کو حاصل ہے۔

اس ضمن میں جناب نعیم صدیقی نے بھی ایک سوال اٹھایا ہے۔ صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"ممتاز شخصیتوں کا جائزہ لینے والوں کو یہ ضرور غور
کرنا چاہیے کہ جہاں اُن کو سربلند کرنے والی خوبیاں کام
کر رہی تھیں، وہاں ان کو نیچے گرانے والی کمزوریاں
بھی ان میں تھیں۔ پھر کیا وجہ ہوتی کہ ایک شخصیت
کی کمزوریاں اس کو نیچے نہ لا سکیں، اور اس کی
خوبیاں اس کو بلندی پر لے اُڑیں، اور آج ۱۹۰۸ء
سے ۱۹۸۶ء تک برابر کہکشانوں پر پرواز کرا رہی ہیں۔
پھر آخر ان کمزوریوں کو محدّب شیشوں سے بڑا کر کے
دیکھنے کا فائدہ۔۔۔ تجزیہ یہ کرنا تھا کہ اقبال بعض
کمزوریوں کے باوجود بڑا آدمی کیوں بنا ہے؟ کیا محض
پروپیگنڈے کے زور سے ۔۔۔؟" [۱۷۵]

لیکن زبیری صاحب تو اس فانی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اس لیے
اب یہ سوال زبیری مرحوم کے پس ماندگان یعنی انیس جیلانی اور کنور محمد اعظم علی خاں
خسروی کی خدمت میں پیش کیا جا سکتا ہے، جن کی تگ و دو اور تائید کا وشوں
سے "خدوخالِ اقبال" کو اشاعت کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ محمد امین زبیری نے

اپنے بقول یہ "معرکتہ الآرا کتاب" لکھی تو اسے کوئی بھی چھاپنے پر راضی نہ ہوا۔[۱۹]
بابائے اردو مولوی عبد الحق سے، مصنّف کے دیرینہ مراسم تھے، مگر انھوں نے بھی
انکار کر دیا۔ انیس شاہ جیلانی نامی ایک صاحب کو معلوم ہوا تو انھوں نے مسوّدہ
حاصل کرنے کی ٹھانی اور اپنے بقول:

"بابائے اردو پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش
کی۔" (ص ۹)

بذریعہ خط زبیری صاحب سے مول تول کرتے رہے، مگر معاملہ نہ پٹ سکا۔ کہتے ہیں:

"ابّا مرحوم کی ڈانٹ پڑی کہ چند ٹکوں کے لیے اقبال مرحوم
کی پگڑی اچھالتے ہو؟"

چنانچہ مصنّف سے سلسلۂ مراسلت ختم ہو گیا۔ "ابّا مرحوم ہو گئے اور تیس برس بیت
گئے، جو ایک عمر ہوتی ہے"، مگر افتادِ طبع، خصوصاً ذہن کی کجی میں تو، تیس سال
کیا، ایک سو تیس سال میں بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اب جو "خدوخالِ اقبال"
کی اشاعت کے آثار پیدا ہوتے تو بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، ان کی خوشی کا ٹھکانا
نہ رہا۔ دیباچے میں ان کی مسرت چھپائے نہیں چھپتی۔ دیباچہ (بہ عنوان: پیش گفت)
کیا لکھا ہے، جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ ایک اقتباس اقبال سے منسوب
کیا ہے، ایک عطیہ فیضی کے کھاتے میں ڈالا ہے، ایک لطیفہ خلیفہ عبدالحکیم اور رئیس
احمد جعفری (دونوں مرحوم ہو چکے ہیں) کے منہ میں ڈالا ہے۔ لیکن یہ سب نمک مرچ
طبع زاد، بلکہ طبع خانہ زاد ہے۔ قلم زہر آلود اور انداز کٹیلا ــــ موصوف خوش ہیں کہ مرحوم کی
یہ محنت رائیگاں نہیں گئی اور "متاعِ گم گشتہ" پیش کی جا رہی ہے۔ استہزا اور تمسخر
سے معمور یہ تحریر ان کی ذہنیت کی خوب خوب عکاسی کرتی ہے۔ اس کتاب پر جناب
ممنون حسن خاں کا ردِّ عمل فطری معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"محمد امین زبیری، مدت ہوئی مرحوم ہو گئے۔ اپنی زندگی
میں تو وہ یہ "کارِ نمایاں" نہ کر سکے، لیکن ان کے صاحبزادے
نے کسی صاحب کے ذریعہ اب یہ کارِ بد کرایا ہے۔ اگر
"پدر نتواند، پسر تمام کند"۔ کتاب کو پڑھنے سے مجھے
بخار آگیا۔ جعفر تو مر گیا، لیکن اس کی روح زندہ ہے۔
افسوس کہ ملتِ اسلامیہ میں ایسے بدنفس اور کینہ پرور
لوگ موجود ہیں۔"[۶۲]

اس کتاب پر متعدد تبصرے شائع ہوئے ہیں، مگر، سوائے ایک مبصر کے (جو عقیدتاً قادیانی ہیں)، کسی نے بھی محمد امین زبیری مرحوم کی اس "حرکت" کی تائید نہیں کی، حتّٰی کہ کتاب کے دیباچہ نگار جمیل زبیری صاحب نے بھی منشی صاحب کے سوانحی کوائف اور ان کی دیگر تصنیفی سرگرمیوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور "خدوخالِ اقبال" پر کوئی تبصرہ تو کیا، اس کا نام تک نہیں لیا۔

سوانح اور یادداشتوں سے متعلّق چند مضامین

اس سال مختلف اخبارات و رسائل میں علامہ کے سوانح اور ان کی یادداشتوں سے متعلق چند مضامین شائع ہوئے ہیں موضوع کی مناسبت سے ان کا ذکر بھی اسی باب میں مناسب رہے گا۔

محمد زبیر شوکت الٰہ آبادی نے اپنے مضمون (چند یادگار لمحے، "جسارت" کراچی، ۹ نومبر) میں علامہ سے اپنی دسمبر ۱۹۳۰ء کی دو ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ مضمون نگار دس گیارہ برس کے تھے کہ علامہ اقبال مسلم لیگ کے سالانہ جلسے کی صدارت کرنے الٰہ آباد تشریف لاتے، اور نواب محمد یوسف کی کوٹھی پر مقیم ہوتے۔ ان کے نانا

سیّد شاہ محمد جعفر، جلسے کے منتظمین میں شامل تھے۔ انھی کے ہمراہ مضمون نگار جلسے میں شریک ہو کر علامہ کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ اُسی شام علامہ مضمون نگار کے نانا کے ہاں جانے پر مدعو تھے۔ انھوں نے علامہ کی آمد پر، انھیں پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا۔ اس موقع پر علامہ سے حسبِ ذیل مکالمہ ہوا:

علامہ: تم مجھے جانتے ہو؟

جواب: ہاں جانتا ہوں۔ آپ بہت بڑے شاعر ہیں اور آپ کا "شکوہ" میں نے پڑھا ہے۔

علامہ: (مسکرا کر): کیسا ہے؟

جواب: "شکوہ" تو بہت عمدہ ہے، مگر "جوابِ شکوہ" اتنا اچھا نہیں ہے (اس پر علامہ نے ان کی پیٹھ تھپتھپائی اور فرمایا)

علامہ: "شکوہ" تو میں نے کیا ہے، اور جواب اللہ میاں نے دیا ہے۔

علامہ اقبال سے مضمون نگار کی دوسری ملاقات جنوری ۱۹۳۸ء میں دو تین ساتھیوں کے ہمراہ لاہور میں ہوئی۔ بتلاتے ہیں کہ علامہ شدید علیل تھے۔ چہرے سے نقاہت ظاہر تھی۔ آواز بھی صاف نہ تھی۔ ہم دو تین منٹ سے زیادہ ان کے ہاں نہ رُکے کہ انھیں زحمت ہوتی۔

"علامہ اقبال اور اسلامیہ کالج" کے عنوان سے تقریباً ۲۵ برس پہلے ڈاکٹر وحید قریشی نے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا تھا۔[۴۱] اس کا موضوع کالج سے اقبال کا تدریسی تعلق تھا۔ پروفیسر محمد صدیق نے، اسی موضوع پر کچھ مزید معلومات فراہم کی ہیں۔ "فاران" (لاہور) میں شائع شدہ اس مضمون میں انھوں نے انجمن حمایت اسلام اور اس واسطے سے کالج کے ساتھ، علامہ کی (زیادہ تر) انتظامی وابستگی اور دیگر بالواسطہ متفرق رابطوں کی تفصیل فراہم کی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ متفرق انتظامی امور اور مختلف کمیٹیوں

کے ممبر کی حیثیت میں علامہ نے کالج کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ کالج کی علمی، ادبی اور سیاسی انجمنوں کے جلسوں میں ذوق سے شریک ہوتے رہے۔ نیز تحریکِ خلافت کے زمانے میں انھوں نے بطور سیکرٹری انجمن، کالج کو تباہی سے بچانے میں اہم کردار انجام دیا۔ پروفیسر محمد صدیق نے حیاتِ اقبال کے ایک اہم باب سے متعلق جملہ معلومات و تفاصیل، انجمن کی قلمی اور مطبوعہ رودادوں اور قدیم اخبارات و جرائد اور دیگر مصادر سے، نہایت محنت و کاوش سے جمع کی ہیں۔ ان کی تحقیق و جستجو لائق داد ہے۔ اس سے پہلے وہ اسلامیہ کالج کو علامہ کے عطیہ کتب پر مبنی وضاحتی فہرست [۵۰] شائع کر چکے ہیں، جو اقبالیات پر تحقیق کے ضمن میں ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسری چیز جناب ممنون حسن خاں کے ایک انٹرویو کی تلخیص ہے، جو "قومی زبان" (کراچی۔ مارچ ۱۹۸۶ء) میں شائع ہوئی ہے —— ممنون صاحب، علامہ کے قیامِ بھوپال کے زمانے، ان کی خدمت گزاری پر مقرر تھے۔ بہت پہلے ڈاکٹر اخلاق اثر نے اُن کا ایک تفصیلی انٹرویو، آل انڈیا ریڈیو بھوپال سے نشر کیا تھا۔ جمیل زبیری نے اس کی ایک تلخیص پیش کی ہے۔ بیشتر باتیں ڈاکٹر اخلاق اثر کی کتاب "اقبال اور ممنون [۵۱]" میں آ چکی ہیں
نوائے وقت" (لاہور ۲۲ر اگست) میں شائع شدہ ایک مضمون میں ممنون صاحب نے علامہ اقبال کے قیامِ بھوپال سے متعلق یادداشتوں کو تازہ کیا ہے۔ "دارالاقبال، بھوپال میں اقبال کا ورودِ مسعود" کے عنوان سے یہ مضمون انھوں نے عالمی اقبال سمینار حیدرآباد دکن میں پڑھا تھا۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم پر اپنی موعودہ کتاب [۵۲] کی تیاری کے سلسلے میں، کچھ مخطوطات دیکھنے کے لیے، علامہ اقبال مشرقِ وسطیٰ اور کیمرج بھی جانا چاہتے تھے۔

(۵) فکر و فن پر تنقیدی کتابیں

اس برس علامہ اقبال کے فکر و فن پر متعدد تنقیدی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض کی حیثیت مخصوص موضوعات پر مستقل کتابوں اور کتابچوں کی ہے، اور بعض مجموعہ ہائے مقالات ہیں۔ زیادہ تر کتابیں اُردو میں ہیں اور چند ایک عربی اور انگریزی میں۔ پہلے ہم مستقل کتابوں کا تعارف کرائیں گے۔ اس کے بعد مجموعہ ہائے مضامین و مقالات کا ذکر ہوگا۔

(ا) موضوعاتی مطالعے

شعریاتِ اقبال ○ قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی

"شعریاتِ اقبال" قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی کا تحقیقی مقالہ ہے، جس پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی۔ کئی برس پہلے علی گڑھ ہی سے اکبر حسین قریشی نے "اشارات و تلمیحاتِ اقبال" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ حاصل کی تھی۔ دونوں کے موضوع میں ایک گونہ مماثلت ضرور ہے، مگر مطالعے کی نوعیت اور زاویۂ تحقیق جدا ہے۔ ڈاکٹر قریشی کے مقالے کا تذکرہ سطورِ بالا میں آچکا ہے۔

تشبیہ، استعارہ اور علامت، شاعری میں ایسے بنیادی وسائل کی حیثیت

رکھتے ہیں جن کے ذریعے شعری ابلاغ ممکن ہوتا ہے۔ یہ وسائل، مفاہیم کی ترسیل کا موثر ذریعہ بنتے ہیں۔ زیر نظر مقالے کا عنوان "شعریاتِ اقبال" ہے مگر یہ "اقبال کی تشبیہات، استعارات اور علامات تک محدود" ہے اور مصنف نے جدید مغربی تنقید کے اصولوں کی روشنی میں اقبال کی شاعری کی جمالیاتی اور لسانی ہیئتوں کے حوالے سے بتایا ہے کہ اقبال اپنی تخلیقی شخصیت اور خونِ جگر سے مذکورہ وسائل کے واسطے سے کیا فنی معجزے بروئے کار لاتا ہے۔

تشبیہاتِ اقبال کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے مصنف بتاتے ہیں کہ ابتدا میں اقبال کا میلانِ طبعی تشبیہ کی جانب زیادہ تھا۔ تشبیہ ایک ایسا حربہ تھا، جو فکری پرواز میں کافی دور تک ان کا ساتھ دے سکتا تھا، اسی لیے "بانگ درا" میں تشبیہ کی حیثیت، شاعر کے لیے روحانی غذا کی ہے۔ اقبال کی تشبیہات تخلیقی آب و رنگ کی حامل ہیں، جو محض روایتی انداز میں شعری تزئین کا فریضہ انجام نہیں دیتیں بلکہ شاعر کی باطنی کائنات میں جو زبردست جمالیاتی تموّج موج زن ہے، جو فکری گیرائی موجود ہے اور فنی بالیدگی کا جو الاؤ جل رہا ہے، اس کا مظہر بھی ہیں۔ زندگی کے بارے میں اقبال کا حرکی اور نامیاتی رویہ، تشبیہوں سے بھی واضح ہے۔ قاضی عُبید الرحمٰن کے خیال میں اقبال کے فن کی حقیقی نقش گری انھی تشبیہات سے ہوتی ہے، جن کا میلان انقلابیت کی جانب ہے۔ پھر ان کی شاعری جوں جوں فکری مراحل طے کرتی ہوتی گہرے فلسفیانہ خیالات کی منزلیں طے کرتی ہے، تشبیہ ان کا ساتھ چھوڑنے لگتی ہے۔ چنانچہ "بانگِ درا" کے بعد دوسرے شعری وسائل مثلاً استعارات و علامات وغیرہ شاعر کے معاون ہونے لگتے ہیں۔

اگلے باب میں استعاراتِ اقبال کی انفرادیت، ندرت اور فنی اوصاف

پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز استعاراتی نقطۂ نظر سے ان کے اسلوبِ شعر کے ارتقا کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اقبال کی شاعری میں تشبیہ کی نسبت استعارے کا عمل دخل زیادہ ہے۔ ان کی شاعری میں استعارہ جس کثرت سے استعمال ہوا ہے، اس لحاظ سے نہ تو تشبیہ کا استعمال ہوا ہے نہ ہی علامت کا۔ مگر اس کثرت اور تعداد و مقدار سے قطعِ نظر اہم بات یہ ہے کہ اقبال کا بنیادی شعری اسلوب استعاراتی ہے اور کافی پختہ اور بالغ ہے۔ اس لحاظ سے وہ ایک عمیق اور پیچیدہ استعاراتی شعور کے مالک ہیں۔ جیسے جیسے ان کے فکر و نظر کی وسعتیں پھیلتی گئیں، ان کے استعاروں میں بھی وسعت، گہرائی اور معنی کی تہہ داری کے امکانات وسیع ہوتے گئے اور اسی نسبت سے اقبال کا جمالیاتی شعور بھی بڑھتا گیا۔ مقالہ نگار کے خیال میں اقبال کے استعاروں کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ شاعر کی دینی بصیرت سے اُبھرے ہیں اور اس کی مذہبی فکر کے علمبردار ہیں۔

قاضی عُبیدالرحمٰن کے تحقیقی مقالے کا آخری حصہ اقبال کی علامتوں سے ہے۔ ان کی رائے میں اقبال کی علامات ان کے مخصوص نظامِ فکر و عمل کے تابع ہیں۔ یہ، استعاروں کے مقابلے میں کمزور ہیں مگر اہم بات یہ ہے کہ اقبال نے روایتی علامات کو ایک نئی آب و تاب عطا کی، جس کے نتیجے میں ان کی معنویت بدل گئی۔ علاماتِ اقبال کی تشکیل و ارتقا کی دریافت کے لیے مصنف نے سب سے پہلے "مومن" کا انتخاب کیا، جسے ان کے خیال میں، اقبال کے ہاں بنیادی علامت کی حیثیت حاصل ہے، اور دیگر علامات اس محور کے گرد گردش کرتی رہتی ہیں۔ پھر یہ کہ ان کی بیشتر علامات ایک خاص سمت میں مراجعت کے باوجود اپنے اندر زندگی کے دائمی و آفاقی عناصر رکھتی ہیں۔ ان میں ایک رُخ

پن کے بجائے معنی کی کثیر الابعادی بھی موجود ہے۔ البتہ یہ نکتہ اہم ہے کہ ان کی تہ تک رسائی حاصل کرنے اور حقیقت کی روشنی سے آنکھیں چار کرنے کے لیے اقبال کی دینی بصیرت، وہ نکتہ۔ آغاز ہے جس سے مفر ممکن نہیں ــــ مصنف کی یہ رائے بہت صائب ہے کہ اقبال کسی ایسے علامتی نظام کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں، جس کے سبب شاعری میں ابہام اور اشاریت کی سطح اتنی بلند ہو جائے کہ مافیہ معرضِ خطر میں پڑ جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عالمی افق پر ابھرنے والی علامتی ادبی تحریکوں سے کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس وہ یورپ اور امریکہ کے بعض رومانوی شعرا کی نظموں کو ان کے تخیل کی ماورائیت اور حسن کاری کے سبب اپنی بساطِ شعر پہ درآمد کرتے نظر آتے ہیں۔ (ص ۲۶۲)

بہ حیثیتِ مجموعی، قاضی عبیدالرحمٰن نے، اقبال کے شعری اسلوب کو رومانی قرار دیا ہے، جس نے بتدریج جمالیاتی منزلیں طے کی ہیں ــــ ان کا خیال ہے کہ یہ شعری اسلوب ٹھٹھرا ہوا اور جامد نہیں، بلکہ سیال، ارتقا پذیر اور رواں دواں ہے۔ جیسے جیسے اقبال کی فکر ارتقائی مدارج طے کرتی گئی، اسی لحاظ سے ان کے اسلوب میں بھی ہمہ جہتی اور ہمہ رنگی کا اضافہ ہوتا گیا۔ مزید برآں اقبال کی دینی اور مابعد الطبیعاتی فکر بھی، ان کے اسلوبِ شعر کی تشکیل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اقبال بہ طور مفکر و فلسفی کے بجائے، اقبال بہ طورِ شاعر کا مطالعہ، ہندوستان میں اقبال شناسی کا اہم زاویہ ہے۔ اقبال کے شعری نظام اور ان کے فن پر وہاں مذاکرے ہوتے اور کتابیں اور مقالات لکھے گئے۔ قاضی عبیدالرحمان ہاشمی کا یہ تحقیقی مقالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ تاہم انھوں نے ایک ایسے نکتے کی طرف قارئین کو بار بار متوجہ کیا ہے، جو سابقہ مطالعوں میں نمایاں نہیں ہو سکا،

اور وہ یہ ہے کہ اقبال کی تشبیہات و استعارات اور علامات کا بڑا حصّہ ان کی دینی بصیرت اور مذہبی اعتقادات کی پیداوار ہیں۔ اور اسی لیے ان کے ہاں، ان کے مذہبی شعور کے واسطے سے ایک نئی شعری جمالیات وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح یہ کہ اقبال کا نظریۂ فن و ادب، ان کے تصورِ دینی سے عبارت ہے۔

قاضی عبیدالرحمان ہاشمی کے مباحث میں ایک نکتہ محلِ نظر ہے۔ اقبال نے فن کے لیے مقصدیت کو لازمی قرار دیا اور اس پر اصرار بھی کیا۔ قاضی صاحب کو اس پر اعتراض ہے کیوں کہ ان کے خیال میں، اس سے شاعر اور شاعری پس پشت رہ جاتی ہے، مبلّغ اور پیغمبر غالب آجاتا ہے (ص ۷۱) "اقبال کا نظریۂ فن" پر بحث کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"اقبال کا ہنر اور عیب دونوں یہی ہے کہ انھوں نے اپنے سر بعض ایسی بھی سماجی و معاشرتی اصلاح کی ذمّہ داریاں لے لیں، جنھیں ایک بلند شاعر سے لینے سے گریز کرتا ہے۔۔۔۔ اقبال کے احساسِ فرض نے انھیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنی شاعری کو ایک خاص نظامِ فکر و فلسفے کا تابع کر دیں۔۔۔۔ اس رویّے نے جہاں اقبال کے شعری تخیلات کو لامرکزیت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے روحانی کرب سے محفوظ رکھّا، وہیں پر ان کی شاعری کو تھوڑا سا محدود بھی کر دیا۔" (ص ۷۲)

اسی ضمن میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اس شاعر کا ہنوز انتظار ہے جو نظم کو ایک گیسٹالٹ

کا مرتبہ عطا کر سکے۔ اقبال اس کام کو سر انجام دے
سکتے تھے لیکن ان کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا معاشرتی
شعور ان کے لیے ایک ایسی سدِّ راہ بن گیا کہ وہ تمام
عمر اسی خارزار میں اُلجھے رہے۔" (ص ۵۷)

معلوم نہیں، اقبال کے حوالے سے، مصنّف کو یہ احساس کیوں کر پیدا ہوا کہ ان کے عمرانی تصوّرات اور معاشرتی شعور ان کے لیے سدِّ راہ بن گئے اور ان کی شاعری کو تھوڑا سا محدود کر دیا ـــــ یہ تحدید والی بات اوّل تو ہے ہی محلِ نظر، لیکن ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اقبال کی شاعری واقعی محدود ہو گئی، تو اس تحدید کی (مصنّف ہی کے الفاظ میں) ایک افادیت تو یہ ہے کہ:

"اس رویّے نے ـــ ـــ اقبال کے شعری تخیّلات
کو لامرکزیّت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے
والے روحانی کرب سے محفوظ رکھا۔" ـــــ

کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ اتنے بڑے "حاصل" کی خاطر اگر اقبال کو (بالفرض) تھوڑا سا محدود ہونا پڑا تو کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی پڑتی ہے ـــــ

تاہم ہمارا خیال ہے کہ قاضی عبید الرحمٰن کی یہ رائے کسی وقتی یا عارضی تاثر کی پیداوار ہے۔ آگے چل کر انھوں نے جو بیانات دیے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں: ـــــ

"فن کار سے یہ تقاضا کہ وہ کسی نظریے یا نقطۂ نظر کا پابند
نہ ہو، صحیح نہیں ہے۔" (ص ۱۶۷)

"بالِ جبریل کی شاعری آفاقی زاویۂ نگاہ سے بھی جانچی
اور پرکھی جا سکتی ہے، جس کے تحت نا وابستگی اور وابستگی
جیسے معیاروں کی مضحکہ خیزی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔" (ص ۱۶۲)

"اقبال نے اپنی شاعری کا ایک بڑا حصّہ عالمِ انسانیت
کے عمرانی اور سیاسی مسائل کی تشریح و تعبیر کی نذر کر دیا۔
انھوں نے زندگی کی ان غیر دلکش اور کھُردری
حقیقتوں کو لباسِ حسن و زیبائی میں پیش کر کے
شعری اسلوب کو ایک نئی جہت سے آشنا کر دیا۔"
(ص ۱۱۸) ۔

اقبال کی علامتیں ، فکر کی ایک خاص سمت میں مراجعت
کے باوجود ، اپنے اندر زندگی کے دائمی و آفاقی عناصر
رکھتی ہیں ۔ ان میں ایک رُخے پن کے بجائے معنی کی
کثیر الابعادی بھی موجود ہے ۔" (ص ۳۴۳) ۔

"ان کی شاعری میں مذہبی تصوّرات خارجی سطح پر تیرنے
کے بجائے ، فکری حیط کی اتھاہ گہرائیوں میں ایک زیریں
لہر کے طور پر رواں دواں رہتے ہیں۔" (ص ۲۱۰) ـــــــ

اب اگر مصنّف کے سابقہ بیانات کو دوبارہ دیکھیں جس میں انھوں نے اقبال کے معاشرتی شعور کو ایک ایسی سدِّ راہ قرار دیا ، جس کے خارزار میں وہ تمام عمر اُلجھے رہے ، اور یہ کہ ایک خاص نظامِ فکر سے وابستگی نے ، ان کی شاعری کو تھوڑا سا محدود کر دیا تو ہمارے خیال کی تصدیق ہو گی کہ مصنّف کی یہ رائے کسی وقتی یا عارضی تاثّر کی پیداوار ہے ۔

○ Dimensions of Iqbal پروفیسر محمّد منوّر

آٹھ مقالات پر مشتمل اس مجموعے کا پہلا مضمون ، علّامہ کے ادبی و فکری سرمایے ، نیز

○ ۔ اس کتاب کا ذکر (حصّہ مجموعہ ہائے مقالات و مضامین میں کرنے کے بجائے) یہاں اس لیے کیا جا رہا ہے کہ پروفیسر محمّد منوّر صاحب کی دونوں کتابوں کا ذکر یکجا آ جائے ۔

برّ عظیم کی سیاست میں ان کے کردار سے بحث کرتا ہے۔ اس مختصر سروے میں اقبال کے ذہنی اور فکری ارتقاء اور ان کی فراستِ ایمانی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

> "اقبال کے نزدیک، نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا میں، ایک اخلاقی اور سیاسی قوّت کے طور پر، اسلام کے مستقبل کا انحصار قائدِ اعظم کی قیادت میں ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم پر تھا"

مغربی جمہوریت کا اصل اصول یہ ہے: عوام کے لیے، عوام کے ذریعے، عوام کی حکومت ــــ مگر مغرب کو اس سے بحث نہیں کہ عوام کے وہ نمایندے، جن کے ذریعے عوام کی حکومت قائم کی جا رہی ہے، کون ہیں، کیسے ہیں؟ ان کا ذہنی معیار کیا ہے؟ اور ان کی اخلاقی حالت کیسی ہے؟ پروفیسر منوّر صاحب نے ایک اور مضمون (بہ عنوان: اقبال کا تصوّرِ جمہوریت) میں بتایا ہے کہ علامہ اقبالؒ، صرف ایسی جمہوریت کے قائل ہیں جس میں بے داغ کردار، عوامی نمایندگی کے لیے بنیادی اہمیت قرار پائے۔ وہ کہتے ہیں علامہ کی تصریحات کے مطابق اسلامی حکومت کی روح ہمیشہ جمہوری ہوتی ہے تاہم اسلام میں محض بالغ رائے دہندگی اور پارٹی سسٹم کا وجود نظر نہیں آتا۔ علامہ ایک ایسی پارلیمنٹ یا مجلسِ شوریٰ کے قائل ہیں، جس کے فیصلوں میں شریعت کو بالادستی حاصل ہو۔ یوں اقبالؒ کے ہاں حکومتی ڈھانچا خلافت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ گویا اقبالؒ کے تصوّرِ جمہوریت کو مختصراً بہ این الفاظ بیان کیا جا سکتا ہے: Government by good people according to the Shariat.

Iqbal on Man's Metaphorical Death

میں پروفیسر صاحب سے امر سے بحث کرتے ہیں کہ مقامِ آدمیت سے آگاہی، انسان

کے لیے ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ خود آگاہی سے محرومی کے سبب، بہت سے لوگ دنیا میں بہ ظاہر زندوں کی طرح چلتے پھرتے بھی موت کا شکار ہو جاتے ہیں اور افراد کی طرح اقوام بھی جیتے جی رحلت کر جاتی ہیں۔ علامہ ایسی صورتِ حال کو افراد و اقوام کے لیے مرگِ مجازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب معاشرے میں بے عملی، تن پروری ہوس پرستی، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، خود غرضی، آپا دھاپی، تعلّی اور بدی کے میدان میں سبقت کا جذبہ فروغ پذیر ہو اور انسان، حیوانی سطح پر زندگی گزار رہے ہوں تو صورتِ حال اور بھی تشویشناک ہو جاتی ہے۔ عام لوگوں کے بالمقابل، اہلِ علم کی بے راہ روی اور بھی خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ جو شخص جتنا بڑا ہو اور جتنے اونچے مقامِ اعتبار پر فائز ہو، اسے اتنا ہی محتاط اور ذمہ دار ہونا چاہیے کیوں کہ اس کے عمل سے اس کا حلقۂ اثر، مثال اور نمونہ حاصل کرتا ہے ــــــ مصنف واضح کرتے ہیں کہ علامہ کے نزدیک کتابِ زندہ یعنی قرآن حکیم، افراد و اقوام کو اس مرگِ مجازی سے بچا سکتا ہے ــــــ دو مضامین، قرآنِ حکیم سے علامہ کے تعلّق کے حوالے سے تحریر کیے گئے ہیں، جن میں کلامِ الٰہی سے اقبال کے ربط و ارتباط اور جذب و تأثر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ علامہ کے نزدیک قرآن، اسلام کا اہم ترین مُصوّر اور دانش و حکمت کا لازوال اور ابدی خزینہ ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلب پر قرآن کے صرف معانی ہی نہیں، الفاظ بھی اترتے تھے اور یہ وہی الفاظ ہیں جو ہمیں قرآن میں آج نظر آتے ہیں۔ قرآن حکیم معناً ہی نہیں، لفظاً بھی نور و برکت اور شفا و رحمت کا مترادف ہے۔ پروفیسر منوّر صاحب نے اس ضمن میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک شاگرد حسن افغانی کا واقعہ درج کیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حسن افغانی اُمّیِ محض تھے، مگر لوگ ان کے پاس آتے اور کاغذوں پر تختیوں پر چند سطور تحریر کرتے، نظم بھی،

نثر بھی، کچھ عربی، کچھ فارسی، طرح طرح کی ان سطور میں کوئی سطر قرآنی آیات میں سے بھی لکھ دیتے، اور پھر حسن افغانی سے پوچھتے: ان سطور میں قرآن کہاں ہے؟ اور حسن اشارے سے بتا دیتے کہ یہ ہے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے قرآن پڑھا ہی نہیں تو کیسے جان لیا کہ یہ قرآن کی آیت ہے؟ وہ جواب دیتے کہ جو نور اس سطر میں نظر آتا ہے، وہ دوسری سطور میں نظر نہیں آتا ــــــ اس واقعے سے پروفیسر منور صاحب بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایک اُمّیِ محض بھی اپنی باطنی پاکیزگی کی بنا پر، قرآن حکیم کے نور اور خیر و برکت سے مستفیض ہو سکتا ہے ــــــ مجموعے کے آخری مضمون Iqbal and Test of Faith میں مصنّف نے زندگی میں ایمان و ایقان کی اہمیت واضح کی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ حضرت علّامہ ایک مردِ یقین تھے، اور ان کے نزدیک بے یقینی، اولادِ آدم کے لیے مہلک بیماری ہے۔ مگر انسان کے ایمان و ایقان کی پرکھ ابتلاء و آزمائش کے بغیر ممکن نہیں۔ ایمان ایسی قوّت ہے، جس کی مدد سے حیات و کائنات کی منفی اور تخریبی قوّتوں کو بھی قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ ایمان ایثار و قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اسی لیے علّامہ نے سخت کوشی کو مردِ مومن کی ایک ناگزیر صفت قرار دیا ہے۔

پروفیسر محمد منوّر کی اقبال شناسی کے بارے میں ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب لکھتے ہیں:

> "پروفیسر صاحب کو اللہ پاک نے "آہِ سحر" اور "نورِ بصیرت" دونوں سے نوازا ہے۔ اسی لیے وہ صحیح مسلمان فاضل کی طرح اقبالیات کا مطالعہ کرتے ہیں، اور نہایت خلوص کے ساتھ حاصل مطالعہ کو پیش کرتے ہیں۔ اقبال کو قرآن سے شغف تھا۔ وہ بغیر اس کے ایک قدم

چلنا بھی گناہ سمجھتے تھے" (۵۳۰)

یہی سبب ہے کہ زیرِ نظر مضامین میں قرآنی حوالہ بہت نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک جہانِ اقبال دراصل جہانِ قرآن ہے۔ علامہ اقبال نے قرآنی روح پیش کرنے کی کوشش کی ہے، پروفیسر منوّر صاحب کی کاوش بھی یہی ہے کہ قارئین، قرآنی روح سے آشنا ہوں۔ بحیثیت مجموعی، یہ کتاب "اقبالیات کے فروغ پذیر ادب میں ایک خوشں آیند اضافہ ہے" (دیباچہ از ڈاکٹر جاوید اقبال)۔

علامہ اقبال، بہ حضورِ آدم ○ پروفیسر محمّد منوّر

پروفیسر صاحب کی دوسری کتاب، ان کا ایک خطبہ ہے، جو انہوں نے جامعہ پنجاب لاہور کے سینٹ ہال میں ۱۲-۱۳ اکتوبر کو پڑھا۔ یہ اقبال میموریل لیکچرز کے سلسلے کا سالانہ خطبہ تھا، ان خطبات کا آغاز ۱۹۶۵ء میں حمید احمد خاں مرحوم کے دور میں ہوا تھا۔ جامعہ کا شعبۂ فلسفہ خطبات کا اہتمام کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک ممتاز حسن، سیّد نذیر نیازی، ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ، عاشق حسین بٹالوی، جسٹس جاوید اقبال اور ڈاکٹر جمیل جالبی ایسے علماء، دانش ور اور اقبال شناس لیکچر دے چکے ہیں۔ اس برس جناب پروفیسر محمّد منوّر صاحب کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان کے خطبے کا موضوع تھا:

"علامہ اقبال، بہ حضورِ آدم"

یہ دو حصّوں پر مشتمل تھا۔ شعبۂ فلسفہ نے اسے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

آدم کی ناخود شناسی علامہ اقبال کی شاعری اور نظامِ فکر کا نمایاں ترین موضوع ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے مفصّل و مبسوط لیکچر میں:

"اسی موضوع کے پرت کھولنے، آدم کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور پھر کون و مکان میں اس کی

اصل حیثیت کو بحال کرنے کی بہ حوالہ اقبال کوشش

کی ہے۔" (ص ۲۰۱)

وہ بتلاتے ہیں کہ ہستیِ آدم میں نورِ ازل کا پرتو موجود ہے۔ حضرت علامہ کے نزدیک
آدمی کی روح پارۂ نور ہے اور یہی آدم کا مایۂ فضیلت ہے۔ اسی فضیلت کے
سبب وہ کائنات میں صفاتِ الٰہیہ کے پرتو کا سب سے بڑا امانت دار ہے ۔۔۔
مگر بایں ہمہ فضیلت سوال یہ ہے کہ ہبوطِ آدم کا واقعہ کیوں پیش آیا؟ پروفیسر صاحب
کا خیال ہے کہ آدم کا بہ ظاہر ہبوط، بہ باطن اس کا صعود و عروج ہے اور علامہ نے
بڑی مسرت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ سمجھتے تھے کہ آدم کو معناً بلندی
سے پستی کی طرف نہیں پھینکا گیا، بلکہ بلندیوں سے مزید بلندیوں میں لے جا کے
اتار دیا گیا ہے۔ اسی اعتبار سے علامہ نے بنی آدم سے بجا طور پر نہایت بلند
توقعات وابستہ کی ہیں۔

حرفِ اقبال ○ اقبال محی الدین

"حرفِ اقبال" علامہ اقبال کے وحدت الوجودی خیالات کی تشریح و توضیح
اور تعبیر و تاویل پر مبنی ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں صوفی و ملا کے بارے میں
علامہ اقبال کا رویہ، ملت کی کمزوریوں، خامیوں اور بے عملی پر ان کے تبصرے،
کلامِ اقبال کی روشنی میں علم کی غرض و غایت اور علامہ کے بعض تصورات (فقر،
عشق، خودی) پر مختصراً اظہارِ خیال کیا گیا ہے، اور یہ حصہ نسبتاً مختصر ہے۔ باقی حصے
میں مصنف نے اپنے مرغوب موضوع (وحدت الوجود) پر کلام کیا ہے۔ چند مختصر
بیانات ملاحظہ ہوں:

ص ۴۵: "پس جو کچھ ہے۔ وجودِ واحد ہے، بغیر کسی

دوئی یا شرکت کے، اور ہمیشہ سے ہمیشہ تک۔"

ص ۶۷-۶۸: "پس عالم اور موجوداتِ عالم، ذاتِ حق سے الگ اور جداگانہ حیثیت میں نہ کسی مکان میں ہیں، اور نہ زمان میں۔ کائنات اور حق فی الحقیقت ایک ہی ہستی، اور ایک ہی وجود ہے۔"

ص ۷۰: "کثرت جو دکھائی دے رہی ہے، موہوم ہے، جس کا نہ کوئی وجود ہے، نہ ہستی۔ وجود اور ہستی وحدت کی ہے۔"

ص ۷۱: "انسانی ذات (خودی) خدا کے وجود کا جزو نہیں، بلکہ عین ذات خداوندی ہے۔"

ص ۹۲: "اگر یہ کہا جائے کہ خدا کے سوا کچھ موجود نہیں ہے، تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ خودی کے سوا کچھ موجود نہیں ہے، تو بھی درست ہے۔ اس لیے کہ وجود واحد ہے۔"

ہم نے قصداً طویل بیانات اور ایسے اقتباسات سے احتراز کیا ہے، جن میں ہستی و نیستی، قدیم و حادث، جسم و روح، کثرت و وحدت، ذات و صفات، اعیانِ ثابتہ اور صدرِ علیہ وغیرہ کی بحث ہے۔

تمہیدی سطور میں مصنّف لکھتے ہیں:

"یہاں علامہ اقبال کی زندگی یا ان کی ادبی شخصیت پر تنقید یا تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ سطحی و ظاہری تکلّف سے قطع نظر، معنوی حیثیت سے ان کی بصیرت

افروز تعلیمات کے زیر اثر ذہنی پریشانیوں کی الجھنوں
اور فکر و نظر کی گرہوں کو کھولنا، اور زندگی کے روح
فرسا نشیب و فراز میں تسلیم و رضا کی مستقیم و ہموار
راہ کی طرف روشنی دکھاتا ہے۔" (ص ۱۵)

اس اقتباسات کی روشنی میں یہ امر بحث طلب ہے کہ کیا فلسفہ، وحدت الوجود کی پیچیدہ اور فلسفیانہ تشریح سے فکر و نظر کی گرہیں کھل سکتی ہیں اور ذہنی الجھنیں دور ہو سکتی ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ محض قیاس آرائی ہے۔ مصنف نے ایسے بہت سے قیاسی بیانات دیے ہیں ــــ مصنف متذکرہ بالا اقتباس کے معاً بعد لکھتے ہیں:

"علامہ کے نزدیک کمال کی معراج حقائق کا انکشاف
ہے۔"

اسی طرح کتاب کے دیباچہ نگار فقیر محمد شوکت علی شاہ لکھتے ہیں:

"انسانی زندگی کی شدید ترین ضرورت صحیح فلسفۂ حیات
کا جاننا ہے۔" (ص ۶)

یہ دونوں بیانات مبہم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ "حقائق" کیا ہیں اور "صحیح فلسفۂ حیات" کون سا ہے؟ ــــ اگر ان کی مراد فلسفۂ وحدت الوجود سے ہے تو ہم اُن سے اتفاق نہیں کر سکتے ــــ مصنف کا اسلوب بھی قدرے الجھا ہوا ہے ــــ اوپر کی سطور میں مذکور بعض تراکیب (ذہنی پریشانیوں کی الجھنوں۔ کمال کی معراج) سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال کے بارے میں مصنف کا یہی کہنا ہے کہ وہ وحدت الوجودی تھے اس کے لیے انھوں نے کوئی بحث نہیں کی، اشعار بہت جمع کر دیے ہیں۔ اگر کوئی

علامہ کو وحدت الشہودی قرار دینا چاہے تو ایسے ہی بہت سے اشعار سے اپنے بیانات کو سجا سکتا ہے ــــ ہمارا تاثر یہ ہے کہ یہ کوئی علمی تصنیف نہیں، بلکہ وحدت الوجود کے حق میں ایک طویل خود کلامی ہے۔ تحریر میں علامہ کے اشعار سے زور، استدلال اور ریڈیبلٹی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی پوری کتاب پڑھنا ایک آزمایش ہے، کیوں کہ ایک ہی بات کو گھما پھرا کر بیان کیا گیا ہے۔ "وجود واحد ہے" کی تکرار سے بعض اوقات اُلجھن ہونے لگتی ہے۔

"حرفِ اقبال" کے بہ ظاہر دو حصّے ہیں۔ اسی طرح بعض اجزا پر نمبر شمار درج ہیں۔ مگر یہ محض تکلّف ہے۔ پوری کتاب ایک مسلسل اور طویل مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتابت اور طباعت اوسط درجے کی ہے، اس اعتبار سے قیمت (پچپن روپے) زیادہ محسوس ہوتی ہے ــــ "حرفِ اقبال" کا سب سے مثبت پہلو یہ ہے کہ مصنّف کی مجموعی فکر راست ہے اور دور از کار تاویلات سے گریز کیا گیا ہے ــــ آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس کا نام بالکل نامناسب ہے۔ علامہ اقبال کے خطبات، تقاریر اور بیانات کا ایک مجموعہ اسی "حرفِ اقبال" کے نام سے موجود ہے، اور کچھ ایسا غیر معروف بھی نہیں۔ کم از کم اس کے چار ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔[۵۴] لفظوں کی طرح ناموں کی تکرار سے بھی بچنا چاہیے، ورنہ کل کلاں ایک اور بانگِ درا بھی چھپ سکتی ہے، اور کوئی دوسرا "جاویدنامہ" بھی منصّہ شہود پر آسکتا ہے۔

اقبال اور جدوجہد آزادی ○ حمید رضا صدیقی، اجمل صدیقی

اس کتاب کا موضوع، حصولِ پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار ہے۔ مصنّفین

کا خیال ہے کہ علامہ نے اوّل : مسلمانانِ ہند میں اپنی جداگانہ قومیت کا متحرک اور فعّال احساس پیدا کیا۔ دوم : ایک جداگانہ وطن کا تصوّر دیا۔ سوم : قائدِ اعظم کے ساتھ بھرپور تعاون کے ذریعے حصولِ پاکستان کی جدّوجہد میں عملاً شرکت کی ______ ہماری رائے میں زیرِ نظر کتاب کا نام "اقبال اور جدّوجہد آزادی" کے بجائے "اقبال اور جدوجہدِ پاکستان" زیادہ مناسب تھا ___ یہ نام کتاب کے مباحث سے قریب تر ہے۔ یوں بھی محض اور مجرّد آزادی کا حصول اقبال کے پیشِ نظر نہ تھا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بحث کے سلسلے میں، علامہ اقبال اپنے مضمون : "جغرافیائی حدود اور مسلمان" میں لکھتے ہیں :

"آزادی سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں، بلکہ ہمارا اوّل مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقت ور بن جائے۔ اس لیے مسلمان کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا، جس کی بنیادیں انھی اصولوں پر ہوں، جن پر انگریزی حکومت قائم بنی ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟

"ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان یکسر نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے، لیکن اگر آزادیِ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے، ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدترین ہو جائے تو مسلمان ایسی آزادیِ وطن پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہے۔"[۵۵]

فکرِ اقبال اور مطالعۂ پاکستان، دونوں اعتبار سے مصنّفین نے بہت اچھے اور اہم

موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے انتخابِ موضوع کے لیے جو جواز پیش کیا ہے، وہ محلِّ نظر ہے۔ پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"اقبال کو مفکرِ پاکستان کی حیثیت سے ہماری قومی زندگی میں جو مقام حاصل ہے، اس کی ٹھوس علمی بنیادوں پر وضاحت اور صراحت کی بہت کم ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ نتیجے کے طور پر ہمارے نظریاتی مخالفین کو من مانی تشریحات کا موقع ملتا ہے۔" (ص ۵) ـــ

ہمارا خیال ہے کہ بیسیوں مقالات کے علاوہ، متعدد اصحاب (محمد احمد خاں، عاشق حسین بٹالوی، پروین فیروز حسن، ڈاکٹر عبدالحمید، پروفیسر احمد سعید، محمد صدیق قریشی ریاض حسین اور محمد حنیف شاہد) نے اس موضوع اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں[۵۶] اور ڈاکٹر جاوید اقبال نے "زندہ رود" (حصّہ سوم) میں مفصّل بحث کی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ ٹھوس علمی بنیادوں پر اس موضوع کی وضاحت و صراحت نہیں ہوتی ـــــ پھر مصنّفین نے اس مفروضے کی بنیاد پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے (کہ اسی عدمِ وضاحت کے سبب نظریاتی مخالفین کو من مانی تشریحات کا موقع ملتا ہے) وہ بھی درست نہیں ـــ بہ حوالۂ پاکستان، ہمارا سب سے بڑا نظریاتی مخالف بھارت ہے، لیکن کیا اس کی وجہِ مخالفت ومخاصمت یہ ہے کہ ہم فکرِ اقبال یا نظریۂ پاکستان کی خاطر خواہ طریقے سے تشریح و توضیح نہیں کر سکے ـــ ہمارا خیال ہے تعبیر و تفسیر اور ابلاغ و تبلیغ میں کوئی کمی نہیں، بنائے مخالفت ضد یا تعصّب ہو تو اس طرح کی محض ایک کتاب کیا، سیکڑوں اور ہزاروں کتابوں سے بھی مرض کی شفایابی ممکن نہیں۔ بایں ہمہ اظہارِ صداقت، کارِ خیر ہی نہیں، ایک اہم ملّی فریضہ بھی ہے۔ اس لیے اقبالیات اور پاکستانیات میں اس کتاب کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔

فاضل مصنّفین نے پاکستان کے سلسلے میں علامہ اقبال کی فکری اور عملی خدمات پر تاریخی ترتیب کے ساتھ بحث کی ہے۔ جس میں ہندوستان میں مسلم قومیت کے احیاء، اقبال کے جذبۂ وطنیت، اور قیام یورپ کے دوران میں ان کے خیالات میں تبدیلی اور پھر وطنیت اور ملّت کے مختلف پہلوؤں پر کلام کیا گیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہندی مسلمانوں میں ملّی تشخص کا ایک ذہنی وجذباتی رجحان موجود تھا، علامہ نے اس رجحان کو ایک متحرک اور فعّال احساس بنا دیا، جو مطالبۂ پاکستان کی اساس بنا۔ مصنّفین کو اس سے اتفاق نہیں کہ علامہ نے خطبۂ الٰہ آباد کے ذریعے سب سے پہلے علاحدہ وطن کا تصوّر پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں:

> "تاریخی طور پر یہ بات درست نہیں۔ اقبال اس سے
> بہت پہلے سے ان خطوط پر سوچ رہے تھے، اور اپنی اس
> فکر کا پرچار بھی کرتے رہتے تھے۔" (ص ۲۷)

ان کا خیال ہے کہ علامہ نے ۱۹۱۰ء میں ایک جداگانہ وطن کا تصوّر پیش کیا تھا۔ مصنّفین نے اس ضمن میں خطبۂ علی گڑھ سے استشہاد کیا ہے۔

پیش لفظ، اور بعد کے مباحث میں کئی جگہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری رپورٹ میں شامل علامہ کے ایک مضمون کا ذکر آیا ہے، اس کے متعلق مصنّفین کی قیاس آرائیاں درست نہیں ہیں۔ اس رپورٹ میں شامل مضمون علامہ کے خطبۂ علی گڑھ کے اجزاء پر مبنی ہے۔ اس کا عنوان The Musllim Community ہے، نہ کہ Muslim Civilization (جیسا کہ مصنّفین نے لکھا ہے)۔ خطبے کا ترجمہ "ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے نام سے دستیاب ہے۔ انگریزی کا مکمل متن بھی کچھ عرصہ قبل دریافت ہو چکا ہے۔[۵۷]

ہمیں مصنّفین کے اس نتیجے سے اتفاق ہے کہ قائداعظم اپنی سیاسی زندگی

میں بہت کم سیاسی لیڈروں سے متاثر ہوتے۔ ان میں سے بھی اقبال کے افکار نے انھیں سب سے زیادہ متاثر کیا۔ (ص ۱۸۱) اسی طرح ان کا یہ خیال بھی درست ہے کہ اگر بعض اصحاب کے مطابق چودھری رحمت علی نے، علّامہ اقبال سے بھی پہلے پاکستان کا تصوّر پیش کیا تو یہ علّامہ اقبال ہی کا فیضان تھا، کیوں کہ چودھری صاحب اسس نسل سے تعلّق رکھتے تھے، جس نے اپنا ذہنی سفر، فکرِ اقبال ہی کی روشنی میں طے کیا تھا۔ ویسے بعض روایات کے مطابق "پاکستان" کا نام بھی علّامہ کا تجویز کردہ تھا۔[۵۸] چودھری رحمت علی نے اسس کی بھرپور پبلسٹی کی، اسس وجہ سے انھیں اس لفظ کا موجد قرار دیا جانے لگا۔

اقبالیات کی بہت سی کتابوں کی طرح، اسس کتاب کی ترتیب و تدوین کا پہلو کمزور ہے۔ باب ۷ کی بحث تشنہ ہے، پھر یہ موجودہ محل پر درست نہیں، اسے پہلے آنا چاہیے تھا۔ باب ۶ اپنی موجودہ صورت میں کتاب کے مجموعی ڈھانچے میں نہیں کھپ سکا۔ حوالوں کی عدم موجودگی، کتاب کا افسوسناک پہلو ہے۔ بعض نہایت اہم اقتباسات کے حوالے نہیں دیے گئے۔ کئی حوالے نامکمل ہیں اور ان میں احتیاط بھی نہیں برتی گئی۔ ص ۱۲۷ پر "اقبال نامہ" حصہ سوم کا حوالہ درج ہے۔ "اقبال نامہ" صرف دو حصوں میں ہے، حصّہ سوم کا وجود نہیں۔ انگلستان سے قائداعظم کی واپسی کو ص ۹۲ پر ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء، اور ص ۱۱۱ پر ۱۹۳۴ء کے آخر کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ کے کے عزیز کے ایک نہایت اہم بیان (کہ اقبال کو تصوّرِ پاکستان کا بانی قرار دینا انتہائی گمراہ کن ہے۔) پر گرفت کی گئی ہے، مگر ماخذ میں کتاب کے نام کے بجائے صرف "مشہور کتاب" لکھ دیا گیا ہے۔ ص ۵۲، ۵۳ پر اقبال سے منسوب لطیفے کا حوالہ درج نہیں (فی الحقیقت یہ ایک واقعہ ہے، لطیفہ نہیں بنتا) ———

کچھ یوں محسوس ہوتا ہے، مصنّفین نے کتاب کی تدوین و تکمیل میں تامّل اور غور و خوض

کے بجائے عجلت سے کام لیا ـــــ مزید توجہ سے یہ اپنے موضوع پر، عمومی نوعیت کی ایک بہتر کتاب ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنفین کو، زیرِ بحث موضوع پر جملہ ماخذات کو پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے۔ (موجودہ صورت میں صرف ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی "اقبال کے آخری دو سال" سے کام چلایا گیا ہے)۔

اقبال اور ثقافت ○ ڈاکٹر مظفر حسن ملک

زیرِ نظر کتاب کے مصنف کا خیال ہے کہ علامہ نے اپنے "کلامِ نظم و نثر میں مسلم تمدن اور معاشرت کا ایک بھرپور خاکا پیش کیا ہے" بہ طورِ ایک ماہرِ عمرانیات" انھوں نے جس قدر توجہ اسلام کی تمدنی اقدار کی تبلیغ میں صرف کی، اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔" چنانچہ مصنف نے علامہ کے فلسفہ تمدن کا مطالعہ کرتے ہوئے، "علامہ پر لکھے گئے کثیر مواد سے ہٹ کر نئی راہ تلاش" کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال اکادمی پاکستان کی شائع کردہ اس کتاب کا دیباچہ پروفیسر محمد منور نے تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "اقبال اور ثقافت میں پانچ ابواب ہیں۔ اجتماعی ثقافت فنونِ لطیفہ۔ معاشیات اور ثقافت۔ مغربی تہذیب و ثقافت۔ تہذیبوں کا عروج و زوال ـــــ ہر باب کے کئی کئی ذیلی عنوان ہیں اور اس طرح بات پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علامہ کے افکار تعلیم قرآن حکیم، اور تلقینِ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر استوار ہیں، لہٰذا احاطہ پسند ہیں، کلیت مآب ہیں۔ کہیں سے کوئی بات شروع ہو، چونکہ

وہ ایک مربوط کل کا جزو ہوتی ہے، لہٰذا وہ پھیلتی اور احاطہ
کرتی چلی جاتی ہے، اور پھر ہوتے ہوتے زندگی کے
ہر شعبے کو اپنے جلو میں لے لیتی ہے۔" (ص ۵)۔

یہی سبب ہے کہ اقبال کے نظریۂ ثقافت پر بحث کے ضمن میں مصنّف نے جن موضوعات پر کلام کیا ہے، اُن کا دائرہ، نظامِ معیشت سے لے کر نظامِ تمدّن تک اور سرمایہ و محنت، اشتراکیت اور فسطائیت سے لے کر فلسفۂ خیر و شر اور نظریۂ زمان و مکاں تک پھیلا ہوا ہے ــــــ مگر اس ساری بحث میں یہ مسئلہ تشنۂ وضاحت رہ گیا کہ بذاتہٖ "ثقافت" کا مفہوم کیا ہے؟ اور کیا اس کی حدود متعیّن ہو سکتی ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ طے ہو جاتا تو شاید بحث میں اتنا پھیلاؤ نہ ہوتا اور وہ مرتکز ہو کر کسی قدر نتیجہ خیز صورت اختیار کر سکتی۔ موجودہ صورت میں مصنّف نے کہیں تو کلچر کا ترجمہ "تہذیبِ نفس" کیا ہے، اور کہیں صرف "تہذیب" کو کلچر کا مترادف قرار دیا ہے۔ اگرچہ بحث کے آغاز میں انھوں نے ثقافت کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"ثقافت کا تعلق انسان کے شعوری پہلو سے ہے، جس
میں علم، عقائد، اخلاقی قوانین مع رسوم و رواجات اور
جمالیاتی اقدار شامل ہیں۔ شعوری پہلو کے ساتھ ساتھ
ایک عملی پہلو بھی ہے، جسے ہم کردار کہتے ہیں۔"
(ص ۱۸)

یہ بیان اگرچہ مختصر ہے، تاہم اس سے ثقافت کا مفہوم سمجھنے میں مدد ضرور ملتی ہے، لیکن اس کے معاً بعد جب وہ میتھیو آرنلڈ کی کتاب

سے ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں تو ثقافت کے مفہوم میں پھر کچھ الجھاؤ سا پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر طور ہمارا احساس یہ ہے کہ مصنّف کا

اپنا تصوّرِ ثقافت واضح نہیں ہے، وہ اس لفظ کو کبھی تہذیب کے معنوں میں، کبھی تمدّن اور تمدّنی اقدار کے مفہوم میں، کبھی معاشرت اور کبھی کلچر کے مترادف کے طور پر استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے قطعِ نظر ان کی عمومی بحثیں ان کے وسیع مطالعے، مثبت طرزِ فکر اور علمیت کی دلیل ہیں۔ مصنّف نے اقبال کے خطبات اور شاعری سے بکثرت اور وافر مثالیں دی ہیں۔ علّامہ کی دیگر نثری تحریروں خصوصاً مکاتیب کی طرف انھوں نے توجّہ نہیں دی ——————

جہاں تک اس کتاب کی تدوین کا تعلّق ہے، کئی پہلو اصلاح طلب ہیں۔ حوالے ہر باب کے آخر میں مناسب تھے۔ موجودہ صورت میں کہیں تو ایک باب کے حوالے متعلقہ باب کے اختتام پر ہیں اور بعض صورتوں میں دو دو ابواب کے حوالے ملا کر دیے گئے ہیں۔ کتابیات میں کسی طرح کی ترتیب نہیں، اور کتبِ حوالہ کے ضروری کوائف مہیّا نہیں کیے گئے۔ انگریزی کتابوں کے اصل نام مطلوب تھے، نہ کہ ان کا ترجمہ۔

علّامہ اقبال اور بلوچستان ○ ڈاکٹر انعام الحق کوثر

علّامہ اقبال کا فلسفۂ خودی، اور ان کے تصوّراتِ غیرت و خودداری اور فقر و غنا، اہلِ بلوچستان کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ اقبال کی شاعری میں بدویّت کو واضح طور پر ایک پسندیدہ رجحان کی حیثیت حاصل ہے اور یہ امر بھی بلوچوں کے لیے باعثِ کشش ہے۔ بلوچستان کے بہت سے شعرا، بطورِ خاص یوسف مگسی پر اقبال کے گہرے اثرات ہیں۔ یہ اور ایسے ہی کچھ دوسرے پہلوؤں اور مناسبتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوتے ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ۱۹۷۷ء میں، لاہور کی ایک علمی مجلس میں "علّامہ اقبال اور بلوچستان" کے زیرِ عنوان ایک مقالہ پیش کیا تھا۔ اسی عنوان سے ان کی زیرِ نظر کتاب، متذکرہ مضمون کی توسیعی شکل ہے۔ فاضل مؤلّف

نے موضوع کی تفاصیل و جزئیات کو بہ ایں عناوین والواب سمیٹا ہے :

باب ۱ : بلوچستان کا مختصر سا جغرافیائی تعارف۔

باب ۲ : علامہ اقبال کی بلوچستان میں تشریف آوری۔

باب ۳ : بلوچستان کے بعض صاحبان، علامہ اقبال کی خدمت میں۔

باب ۴ : [بلوچستان کے اقبالی اداروں اور انجمنوں کی سرگرمیاں]

باب ۵ : بلوچستان کی متعدد ادبی شخصیات اور علامہ اقبال۔

باب ۶ اور باب ۷ : [بلوچستان کے رسائل وجرائد میں ذکرِ اقبال، پشتو، بلوچی، براہوی اور اردو میں] ______

الواب کے عنوانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بلوچستان کے حوالے سے حضرت علامہ کا ذکرِ جمیل کیسا لذیذ و دلچسپ ہوگا، اور فی الواقع یہ حکایت لذیذ و دلچسپ ہے۔ مختصراً علامہ کے سفرِ بلوچستان (۱۹۰۳ء) کا ذکر ہے۔ پھر بلوچستان کے ایسے اہلِ قلم کا تعارف، جنھیں کسی نہ کسی عنوان، اقبالیات سے دلچسپی ہے۔ مزید برآں اقبالیاتی تقاریب کی مفصّل رودادیں، اقبالی انجمنوں کے عہدے داروں کی فہارس، بعض منظومات اور مضامین کا متن، علامہ کی شاعری کے بعض تراجم، اردو، پشتو، براہوی اور بلوچی میں علامہ پر تنقیدی مضامین کی فہرست وغیرہ ـــ ہمیں اس کتاب کے پیش لفظ نگار ڈاکٹر محمد صدیق خاں شبلی کی رائے سے اتفاق ہے کہ :

> "اقبال کے حوالے سے کسی صوبہ کے بارے میں
> اس قسم کی معلومات جمع کرنے کا کوئی کام اب تک
> نہیں ہوا ہے۔"

اور یوں یہ کتاب "بلوچستان میں اقبال شناسی کا ایک خوب صورت مرقع" ہے۔ اندازہ ہوتا ہے، مصنّف موصوف نے پرانے اخبارات و رسائل سے لوازمہ جمع کرنے

میں غیر معمولی کاوشش سے کام لیا ہے اور معلومات و مواد کی پیش کش میں بھی بحیثیت مجموعی ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے:

"محققینِ اقبال کے لیے ایک نیا باب کھول دیا ہے۔"

(ڈاکٹر نثار احمد قریشی، ص ۲)

مگر ہمیں اس سے اتفاق نہیں کہ مصنّف نے:

"اس اچھوتے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔"

تحقیقی نقطۂ نظر سے بابِ دوم (علّامہ اقبال کی بلوچستان میں تشریف آوری) کتاب کا اہم ترین باب ہے، مگر یہی، اس کا مختصر اور کمزور ترین باب بھی ہے۔ علّامہ کے ۱۹۰۳ء کے سفرِ بلوچستان کو ایک ڈیڑھ صفحے میں نمٹا دیا گیا ہے، اور اس میں بھی نئی بات صرف یہ ہے کہ علّامہ کے سفر کا روٹ بتایا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ بات بھی اہم ہے، مگر متذکرہ سفر کے بارے میں اتنی سی معلومات بہت ناکافی ہیں۔ ص ۳۱ پر کمال الدین احمد کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ علّامہ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۹ء میں بھی کوئٹہ آئے۔ ہمارے خیال میں یہ روایت مشتبہ ہے اور اس لیے تحقیق طلب ہے۔ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۹ء میں علّامہ اقبال مشاہیرِ ادب و سیاست میں شمار ہوتے تھے۔ تعجب ہے کہ انھوں نے دو بار ایک دور دراز علاقے کا سفر اختیار کیا، مگر ان کے تذکرے اور سوانحی کتابیں، اس سفر کے ذکر سے خالی ہیں۔ ان کے کسی مدّاح یا عقیدت مند نے کہیں اس طرف اشارہ نہیں کیا۔ علّامہ کے مکاتیب میں کئی جگہ اُن کے عزمِ سفر یا کسی روداد کی طرف اشارے موجود ہیں۔ مگر کوئٹہ کے اِن سفروں کا وہاں بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کو بلوچستان میں اپنے طویل قیام، اپنی علمی شخصیت اور منصبی حیثیت کے سبب اس پہلو پر تحقیق کے لیے جو مواقع اور سہولتیں میسّر ہیں، وہ کسی اور شخص کو حاصل نہیں۔ لہٰذا اُنھی سے توقع

کی جا سکتی ہے کہ وہ باب دوم کو تحقیقِ مزید کا موضوع بنائیں گے۔ اور یہ سوانحِ اقبال میں فی الواقع ایک اضافہ ہوگا۔

مصنف نے کتاب کے آخری حصے میں بلوچی، براہوی اور پشتو زبانوں میں علامہ پر تنقیدی مضامین کی فہرست درج ہے، مگر عنوانات متعلقہ زبانوں میں ہیں۔ اس لیے اس اردو کتاب کا اردو قاری انھیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ مثلاً میں نہیں سمجھ سکا کہ "اقبال، دچپل شعر یہ ایندار کی" یا "اقبال درسول پہ ستھون کنبے" یا "وشس گشین اقبال" یا "اقبال ء کلام ء مسٹ و بدل" کا کیا معنی ہے۔ ایسے عنوانات کا اردو ترجمہ دینا ضروری تھا۔

زیرِ نظر کتاب سے معلوم ہوا کہ بلوچستان کے متعدد ادیبوں، شاعروں اور عالموں نے کلامِ اقبال کے تراجم کیے ہیں اور ان پر کتابیں تصنیف کی ہیں، مگر متعدد مفید تصنیفات و تراجم ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے۔ ذیل میں ہم ان کی ایک فہرست دے رہے ہیں۔ اگر اقبالی ادارے یا بعض ناشرین، چاہیں تو ان مسودات کو حاصل کر کے شائع کر دیں:

- امداد نظامی کی تصانیف:
  ۱۔ اقبال کے کوملیس۔
  ۲۔ شاہیں بچوں کا اقبال۔
  ۳۔ یک محرم میخانے دا (سرائیکی)
- پیر محمد زبیرانی: "ارمغانِ حجاز" کا منظوم براہوی ترجمہ۔
- مسز سلطانہ یاسین نظامی: اقبال اور اقبالیات (مجموعۂ مضامین)
- ملک محمد رمضان بلوچ: "بالِ جبریل" کا منظوم بلوچی ترجمہ

اقبال، اسلامی جمہوریہ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق ○ محمد حسن

محمد حسن صاحب کی یہ مختصر کتاب، اپنے نام کی طرح، موضوعاً بھی دلچسپ ہے۔ اوّل تا آخر یہ ایک مسلسل مضمون کی صورت میں ہے۔ تمہیدی سطور میں مصنّف بتلاتے ہیں کہ اقبال کے ثناخواں بے دردی اور بے مروّتی سے، اُسے سمجھے بغیر، اس کی فکر و نظر اور آرزوؤں، تمنّاؤں کا مسلسل جھٹکا کرتے رہتے ہیں۔ مزید برآں جس قسم کی:

"اقبالیات تخلیق ہو رہی ہے، وہ اقبال کی شخصیت سمیت ان کی فکر و نظر پر چڑھاوے کے مرجھاتے ہوتے پھول ہوتے ہیں۔"

"مختصراً یہ کہ اقبال کو پرستار تو بہت ہمارے نے مل گئے، سمجھ بوجھ کے باتیں کرنے والے سے بچارہ آج بھی محروم ہے۔" (ص ۷)

اب اس "گھٹا ٹوپ اندھیرے" میں جناب محمد حسن کو ایک تو جنرل محمد ضیاء الحق کا بیان قابلِ توجہ نظر آیا، اور دوسرے سلیم احمد کا ایک مضمون:

"ضربِ کلیم، شاعری یا فلسفہ" ——

انھوں نے دونوں کا جائزہ لیا اور انھیں سراہا ہے۔ اس جائزے اور تبصرے میں مصنّف موصوف نے علّامہ اور ان کی شاعری اور فکر کے بارے میں اپنے تاثرات و احساسات بھی، بے لیٹی رکھے بغیر، پیش کر دیے ہیں —— ان کا خیال ہے کہ

اقبال اس صدی کا ممتاز ترین شاعر ہے اور ان کے مرتبے کو دنیا کا کوئی شاعر نہیں پہنچ سکا۔ لیکن بیک وقت ایک اچھا شاعر ہونا اور ایک اچھا مسلمان ہونا بہت مشکل ہے۔ اقبال کے ہاں اُن کے عقیدے اور شاعرانہ تقاضوں میں مسلسل تصادم ہوتا رہتا ہے (ص ۱۱) شاعر اقبال، اکثر اوقات گمراہی کی حد تک شاعرانہ باتیں کر جاتا ہے (ص ۲۱) مثلاً علامہ کا یہ شعر:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ

ان کے "بدعقیدہ ہونے کی کھُلی علامت ہے" (ص ۲۲) کیوں کہ انھوں نے حسین ابنِ علیؓ کا نام، ایک پیغمبر (حضرتِ اسماعیلؑ) کے ساتھ لیا ہے اور دونوں کو برابر مقام دیا ہے۔ مصنّف، علامہ اقبال کے ایک اور مصرعے: ع

موسیٰ و فرعون، شبیرؓ و یزید

کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس سے اقبال کے مکمل بدعقیدہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے کہ انھوں نے ایک سانس میں پیغمبر حضرت موسیٰؑ کے مرتبے پر شبیرؓ یعنی حضرتِ علیؓ کے بیٹے کو پہنچا دیا (ص ۲۲)

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شاعروں کا مزاج قافیہ و ردیف کا ایسا پابند ہوتا ہے کہ عقائد اس کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔۔۔۔ مدینہ کے ساتھ نجف کو ایک ہی جذبے میں لانا کم از کم ہم شدید بدمذاقی سمجھتے ہیں (۲۲) میرا خیال ہے کہ محمد حسن صاحب کی شعر فہمی پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کے تھیسس کا دوسرا پہلو لائقِ توجہ ہے۔ وہ شاعری کے برعکس، اقبال کی نثر کو بہت

اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں علامہ کے "اصل افکار وہ ہیں، جو انھوں نے نثر میں پیش کیے ہیں"۔ (ص ۱۸) ۔
مصنف تصوّف، جمہوریت اور خلافت جیسے موضوعات کو زیرِ بحث لاتے ہیں اور ان مباحث میں انھوں نے اقبال کے مقالات و خطبات سے استشہاد کیا ہے ـــ

فاضل مصنّف ایک درد مند اور مخلص پاکستانی معلوم ہوتے ہیں۔ معاشرے اور ملکی صورتِ حال پر ان کی عمومی بحث ان کے مثبت اور تعمیر پسند ذہن کی عکاس ہے۔ ان کے ہاں ایک گونہ تلخی، انتہا پسندی اور شدّت ہمارے ہاں پائی جانے والی بے اعتدالیوں کا ایک ردِّ عمل معلوم ہوتی ہے۔

ان کی تحریر کا بہت سا حصّہ سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کے لائق ہے۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے بعض مقامات پر ہم نے مصنّف کے اسلوبِ تحریر سے جو لطف اٹھایا ہے، مناسب ہوگا قارئین کو بھی اس میں شریک کیا جائے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

> "یوں کراچی کے ہر دلعزیز، مقبولِ عام، جامع العلوم، نکتہ سنج مفسّرِ حکمتِ تخلیقِ پاکستان اور شارحِ افادیتِ فکر و نظر و کلامِ اقبال جناب ہاشم رضا کا بھی مقولہ نما ایک جاندار بیان ایک اخبار میں دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ ـــ
> "اقبال کی نظم شکوہ، جوابِ شکوہ پاکستان کی تخلیقی بنیاد ہے، کیوں کہ اقبال کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے تھا، اور اللہ نے اس شکوے کا جواب، ہمیں پاکستان کی شکل میں دیا" ـــ اللہ، اللہ، ذہنی خشک سالی میں یہ جرأتِ رندانہ، بڑی شگفتہ انفرادیت کا حامل معلوم ہوتا ہے۔

[کذا] مگر چونکہ ندرتِ سخن فہمی اور جدتِ تفہیم کلامِ اقبال
میں یہ بیان قلندرانہ ملاوٹ کے ساتھ اس درجہ
عارفانہ مزاج وسرشت ہے کہ ہم اس کی گہرائی اور
گیرائی کی عظیم وسعتوں کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے، اس
لیے اس اچھوتے بیان کی کنواری خوشبو سے محظوظ
ہونے کی جرأت پر ہی اکتفا کر لینا اپنی نادرالوجود سعادت
سمجھتے ہیں۔ حقیقتاً جناب ہاشم رضا کا انکشافِ اقبالیات
کی تاریخ میں ابھی کم سن ہے، اور کم سنی کی خوشبو
سے ہوا مہک اٹھے، تو جوشؔ ملیح آبادی بھی چونک
کر ادھر اُدھر سونگھنے لگتے ہیں۔ ہم جیسے ناتربیت یافتہ
لوگ ایسے مقام پر خاموش رہیں، جبھی ہی لغاستِ
اختراع کا بانکپن کثافت کی تہمت سے محفوظ رہ سکتا
ہے۔ چنانچہ ہم انگشت بدنداں ہیں۔" (ص ۷)

رومی و اقبال در حکمتِ قرآن ○ عمران لیاقت حسین

زیرِ نظر کتاب بقول رئیس امروہوی نوجوان اور "بھرپور مصنف، محقق اور مفکر" عمران لیاقت حسین کی "عالی شان تصنیف" ہے۔ جس سے بظاہر یہ وضاحت مقصود ہے کہ رومیؔ و اقبالؔ کے افکار، حکمتِ قرآنی ہی کے نور سے مستنیر ہیں، مگر مصنف کی اس توضیح نے بہت سے دیگر موضوعات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

مصنف نے "لامحدود کمال" کے عنوان سے ایک صفحے کا دیباچہ تیار کیا ہے جس میں اگرچہ انھوں نے زیرِ نظر کتاب کے باعثِ تحریر یا اس کی ضرورت و اہمیت یا اس

پس منظر و پیش نظر وغیرہ پر تو روشنی نہیں ڈالی، لیکن یہ مختصر دیباچہ رومانوی انشاپردازی کا ایک نمونہ ضرور ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنّف نے یہ کتاب کس عالم کیف و وجد میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

"وہمِ نفس کی تلوار نے میری کاٹھ کی تلوار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ مگر میں آزاد ہو گیا اور اپنے ٹوٹے ہوتے قلم کو ہاتھ میں لے کر منتشر افکار کو یکجا کر کے کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ اچانک مجھے حورانِ آگئی [کذا] نے گھیر لیا، تو میرا قلب جامِ جہاں نما بن گیا۔ مَیں نے چلّا چلّا کر پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے، تو جواب ملا:
وہ جگہ جہاں لوحِ محفوظ پر نسخۂ کیمیا موجود ہے۔"

(ص ۴۴)

کتاب کے ابتدا میں مفہومِ علم کی وضاحت کی گئی ہے۔ مصنّف کے خیال میں صاحبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ اس کے خیالات ترقی پسندانہ ہوں (ص ۲۸) مزید یہ کہ ظاہر پرستی کے خاتمے، روایات سے بغاوت اور رسم و رواج کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دینے سے ہی ایک مثالی اور حقیقی انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے (ص ۸۴) یہاں تائیداً انھوں نے بیک وقت "لینن عظیم" اور مولانا مودودی کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ آیندہ صفحات میں مختلف اور متفرق موضوعات زیرِ بحث آتے ہیں۔ اِن میں وہ باب خصوصاً دلچسپ ہے، جس کا عنوان ہے: "اِتفاق" - توسین میں لفظ "اشتراکیت" درج کر کے عنوان کی وضاحت کی گئی ہے۔ ذیل میں اس باب کے ایک دو بیانات ہم بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں:

ص ۱۵۴: "علامہ اقبال اشتراکیت کے تمام پہلوؤں سے اتفاق رکھتے تھے۔"

ص ۱۵۹: فکرِ اقبال، اگر معاشرے میں عام کرنا ہے تو ہم
اشتراکیت کو کسی بھی زاویہ نگاہ سے رد نہیں کر سکتے۔
کیوں کہ اس کے بنیادی اصول، اسلام کے معاشرتی و
عمرانی اصولوں کے عین مطابق ہیں۔"

کچھ مضائقہ نہ ہوگا، اگر ہم دیگر مباحث سے بھی ایک دو مختصر اقتباسات یہاں نقل کر دیں:

ص ۳۰۶: "مولانا [روم] کی مثنوی، غزلیات، قصائد اور منقبت
کا پچھتر فیصد حصہ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل سے
جگمگا رہا ہے ۔۔۔۔ علامہ اقبال کے کلام میں بھی نوے
فیصد اشعار، جو عشق سے متعلق ہیں، ان کا مرکز بھی حضرت
علی علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔"

ص ۴۱۳: "شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب "عینۃ الطالبین"
[کذا] میں فرماتے ہیں کہ روز ستر ہزار فرشتے روضہ
حسینؑ پہ گریہ کرتے ہیں اور عالم ملکوت روتا ہے۔"

پونے چار سو صفحات کی اس کتاب میں اقبال اور رومی کے اشعار اس قدر کثیر اور مختلف مصنفین کے نثری اقتباسات اتنے طویل ہیں کہ مصنف کی اپنی تحریر، کل ضخامت کا ایک چوتھائی بھی بن جاتے تو یہ غنیمت ہوگا۔ مسئلہ قومیت پر علامہ کا ایک نثری اقتباس اکیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ خلافت اور ملوکیت کے فرق پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اقتباس صرف اٹھارہ صفحات کا ہے۔ (یہ اٹھارہ صفحات، مولانا کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" سے بصورتِ عکس شامل کیے گئے ہیں) امام رازی کی "تفسیرِ کبیر" سے ایک جگہ پانچ صفحات اور دوسرے مقام پر

۲½ صفحات منقول ہیں، مگر امام رازی کے عربی متن کا اردو ترجمہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ـــــ مزید برآں علامہ اقبال کی پوری پوری منظومات، قرآنی آیات اور ان کا اردو ترجمہ (اور یہ سب معمول سے زیادہ جلی قلم میں ہے) رومی کے اشعار، احادیثِ نبوی، امام رازی، امام طبری اور امام شافعی کے ساتھ ساتھ "مارکس عظیم" اور "لینن عظیم" کے حوالے سبطِ حسن کی "نویدِ فکر" اور علامہ پر روسی مصنفین کے اقتباسات اور اس سب کچھ کے علاوہ بھی مزید متفرق حوالے بھی ـــــ سیدنا امام زین العابدین کی مدح میں ایک قصیدہ، "کشف المحجوب" سے بعض اقتباسات، عبدالکریم الجیلی کے حوالے، اور آخر میں "ممتاز دانش ور" جناب رئیس امروہوی کا "جنگ" میں شائع شدہ ایک مضمون ـــــــــــــــــــ گویا اس زنبیل میں کیا کچھ نہیں ہے ـــــ رئیس امروہوی صاحب اس کتاب کے دیباچہ نگار بھی ہیں۔ فرماتے ہیں:

> "اس عالمانہ اور عارفانہ کتاب میں عشق، عقل، الفاق (اشتراکیت) تصوف و عرفان جیسے اہم ترین مسائل کے بارے میں آیاتِ قرآنی کے ساتھ اقبال و رومی کے اشعار کو نقل کیا ہے۔"

یہ بالکل درست ہے کہ نقل نویسی اس کتاب کا سب سے بڑا وصف ہے۔ آیاتِ قرآنی کی صحت کا خاصا اہتمام کیا گیا، لیکن باقی حصوں (اشعار و اقتباسات اور عبارات) کی پروف خوانی قارئین پر چھوڑ دی گئی ہے۔ کوئی قاری غلطی سے خالی صفحہ تلاش کر لے تو یہ اس کی "دریافت" شمار ہوگا ـــــ اس کتاب کا کاغذ نہایت اعلیٰ درجے کا ہے اور قیمت اسّی روپے۔ ناشر نے بہت عقل مندی کی کہ ہزار بارہ سو اغلاط کے لیے "تصحیح نامہ" شاملِ کتاب نہیں کیا، ورنہ ضخامت میں چند صفحات اور قیمت میں چند

روپوں کا اضافہ کرنا پڑتا۔

اقبال کا وجدانِ توحید ○ ملک غلام حیدر

مصنف گورنمنٹ میانوالی میں علوم اسلامیہ کا درس دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مختصر مقالے میں اقبال کے تصورِ توحید پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے خیال میں علامہ کا نغمۂ توحید، آنحضورؐ کی صدائے توحید کی بازگشت ہے، اس لیے اس میں کسی طرح کی بُت پرستی، خواہش پرستی اور قبر پرستی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ جناب مصنف سمجھتے ہیں کہ اصل توحید وہ ہے جو قلب میں رچ بس جائے۔ اگر عقیدۂ توحید (عشق) کو سائنس (زیرکی) سے آمیز کیا جائے، تو ایک عالمگیر ذہنی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ ملک غلام حیدر صاحب کے نزدیک مسلمانوں کے موجودہ خلفشار کا علاج توحید باری تعالیٰ میں مضمر ہے۔ توحید ہی، اتحادِ اُمّت کا بہترین ذریعہ ہے اور توحید پر عمل پیرا ہونے سے ہمارے اعمال و افکار میں وحدت پیدا ہو سکتی ہے

علامہ اقبال، سیّد مودودی اور تحریک پاکستان

○ ڈاکٹر ایم ایس منہاج الدین

اس کتابچے کا مقصد، مولانا مودودی پر عائد کردہ الزام کی مدافعت کرنا ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مخالف تھے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اقبال اور مودودی کی فکر اور سوچ میں بہت مماثلت ہے۔ اقبال کی طرح مودودی کے شب و روز بھی اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے جدّوجہد کرتے گزرے۔ مودودی کی تحریریں گواہ ہیں کہ علامہ کی طرح وہ بھی دو قومی نظریے کے بہت بڑے داعی تھے۔ انھوں نے ہندی ،،ںذذ ، مں اسلامی تصوّر اور دو قومی نظریے کا تصوّر اُبھارنے میں نمایاں کردار

ادا کیا ۔ ان کے لٹریچر سے مسلم لیگ کو نظریاتی سطح پر کانگریس کا مقابلہ کرنے میں بہت مدد ملی ۔ ڈاکٹر منہاج الدین کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ مودودی نے مسلم لیگ کی تحریک میں عملاً حصّہ نہیں لیا ، مگر پاکستان کی جانب ان کے واضح جھکاؤ کے شواہد موجود ہیں مثلاً ان کا یہ بیان کہ اگر میں خود صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوتا تو استصواب رائے میں میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا وغیرہ ۔ مصنّف کہتے ہیں کہ علاّمہ اقبال نے مولانا مودودی کو حیدر آباد دکن کے بجائے پنجاب کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کی دعوت دی ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علاّمہ انھیں سچّا محبِ اسلام اور امّت مسلمہ کا حقیقی خیر خواہ سمجھتے تھے ۔

محمد اقبال ، شاعر الوحدۃ الاسلامیہ

○ عبد اللطیف الجوہری

علاّمہ اقبال کی وفات کے بعد دو ہم جماعت دوستوں نے دنیائے عرب کو ان کے خیالات و افکار سے روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا ۔ یہ دوست مسعود عالم ندوی (جو اس زمانے میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں کیٹلاگر تھے) اور مولانا ابوالحسن علی ندوی تھے ۔ دونوں کو عربی میں لکھنے لکھانے سے خاص شغف تھا ۔ آپس میں طے ہوا کہ مسعود عالم علاّمہ کی حیات و شخصیات اور پیغام پر لکھیں گے اور علی میاں کلامِ اقبال کا ترجمہ کریں گے ۔ مسعود عالم ندوی نے علاّمہ پر جو کچھ لکھا ، وہ ان کی بعض عربی تصانیف کا حصّہ ہے ۔ کچھ زیادہ نہ لکھ سکے ، ۱۹۵۴ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ مولانا علی میاں نے کئی ترجمے کیے اور متعدد مضامین لکھے ۔ بہت سی تقاریر کیں ۔ اس طرح ان کی کتاب "روائع اقبال" تیار ہوئی ، جو دنیائے عرب میں اقبالیات کی معروف اور مقبول ترین کتاب ہے ۔ یہ کتاب کئی بار چھپ

چکی ہے۔ عربوں کو اقبال سے روشناس کرانے میں اس کتاب کا نمایاں حصّہ ہے۔

عالمِ عرب میں اقبال شناسی کا دائرہ، بڑی حد تک مصری مصنّفین و علماء تک محدود رہا ہے۔ کلامِ اقبال کے تقریباً سارے تراجم مصریوں نے کیے ہیں۔ اقبالیات کی بیشتر کتابیں اور مضامین بھی مصریوں کے قلم سے نکلے ہیں۔ اسی سال ایک مصری اہلِ قلم عبداللطیف الجوہری کی کتاب "مع اقبال، شاعر الوحدۃ الاسلامیہ" شائع ہوتی ہے۔ یہ ایک تعارفی، معلوماتی اور عمومی نوعیّت کی کتاب ہے۔ مصنّف نے علاّمہ کے مختصر سوانح بیان کرنے کے بعد، افکارِ اقبال خصوصاً ان کے تعلیمی نظریات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ "اقبال و العرب" کے زیرِ عنوان مصنّف نے عرب قوم پرستی کے نتیجے میں رونما ہونے والی انتہائی تکلیف دہ صورتِ حال پر تبصرہ کیا ہے، اور نجیب عازوری جیسے مصنّفین کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ گہرے دلی درد و کرب کے ساتھ اقبال سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

> اے حکیمِ عبقری، آپ جانتے ہیں آپ کی وفات کے بعد عربوں پر کیا گزری۔ انھوں نے روحِ اسلام اور قرآنی ہدایت سے روگردانی کی۔ اپنے جواہر اور موتیوں کو چھوڑ کر مشرق و مغرب کے پاؤں میں پڑے ہوئے پتھروں کو جمع کرنے لگے ــــــ

اس کے بعد لکھتے ہیں:

> ایھّا السیّد الہندی، میری قوم نے آپ کی نصیحت پر توجّہ نہیں دی اور نہ آپ کی تنبیہ پر غور کیا، اس کے برعکس وہ ابولہب اور ابوجہل کے راستے پر چل پڑی، جس کے نتیجے میں اس کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی اور ان کی اپنی زمین میں گڑ ھیں

انھیں نوچنے لگیں ــــ

بعد ازاں مصنّف نے متعدد مثالیں دے کر عربوں کے باہمی نفاق کا رونا رویا ہے۔ "اقبال اور عالمِ اسلام" کے تحت مصر، پاکستان اور فلسطین کے بارے میں اقبال کے خیالات کا ذکر کیا ہے۔ دوسری فصل، اقبال کے شاعرانہ اور ادبی مقام پر مختصر اظہارِ خیال اور ان کی منتخب شاعری کے تراجم پر مشتمل ہے۔ بعض اشعار کا ترجمہ پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ تیسری فصل میں متعدد عرب مصنّفین کے نثری اقتباسات جمع کیے گئے ہیں، جن میں علّامہ اقبال کے افکار پر تبصرہ ہے اور انھیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے ــــ مصنّف کے مطابق عالمِ عرب میں اقبال کے تعارف اور ان کی مقبولیت میں عبدالوہاب عزّام، صاوی شعلان اور ابوالحسن علی ندوی کی تحریروں، تراجم اور مجموعی کاوشوں کا بنیادی حصّہ ہے۔

عبداللطیف الجوہری کی تحریر میں دردمندی کا ایک گہرا جذبہ نظر آتا ہے۔ عربوں کے روایتی خطیبانہ لہجے نے تحریر کو اور موثر بنا دیا ہے۔ کہتے ہیں:

میں نے یہ کتاب اس لیے لکھی ہے کہ میرا شمار بھی
اقبال کے عقیدت مندوں میں ہو جائے۔

انھیں توقع ہے کہ یہ کتاب روشنی کی ایسی کرن ثابت ہوگی، جس سے شاعرِ اسلام اور فلسفی محمد اقبال کی شخصیّت میں پوشیدہ عبقریّت اور براعت کے مختلف پہلو روشن ہوں گے۔ "محمد اقبال، ہمارے دلوں میں سکونت پذیر ہے، اس کے افکار ہماری روحوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اس کے اشعار ہمارے اندر تحریک پیدا کرتے ہیں۔ دل بھر آتے ہیں اور آنکھیں اس کے لیے آنسو بہاتی ہیں۔"

اقبال و قضایا معاصرہ ٥ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن

سعودی عرب میں پاکستانی سفارت خانے نے، عربی میں تین مختصر کتابچے شائع کیے ہیں۔ ہندوستانی مصنف ڈاکٹر خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن کے تحریر کردہ کتابچے کا عنوان ہے: "اقبال اور عصری مسائل" جس میں مغربی تہذیب و فکر خصوصاً اس کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظریات پر اقبال کے نقد و انتقاد کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح اشتراکیت اور صہیونیت اور مسئلہ فلسطین کے بارے میں علامہ کے نظریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ کتابچے کے آخر میں، بہ طورِ حاصلِ کلام، مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال صلیبیوں اور صہیونیوں کے مکائد و مطامع سے آگاہ تھے، عالمِ اسلام پر جو کچھ بیتی، خلافتِ عثمانیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور اس کے اجزا صلیبی مستعمرین اور اشتراکی یہودیوں کے درمیان تقسیم ہو گئے، وہ ان سب سے باخبر تھے۔ اقبال ایک سچے مسلمان اور مومن کا قلب و ضمیر رکھتے تھے، انھیں اپنے دور کے مشکل حالات اور تکلیف دہ خطرات کا شعور تھا، اسی لیے انھوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ایک بار لکھا:

> "مسئلہ فلسطین، مسلمانوں کے اندر ایک ذہنی ہیجان پیدا کر رہا ہے۔۔۔ ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کے لیے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام دونوں پر پڑتا ہو، جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔ مشرق کے دروازے پر ایک مغربی چھاونی کا تسلط، اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے ایک (طرح کی) دھمکی ہے۔"

اقبال والامۃ الاسلامیہ ○ محمد اقبال سیل

دوسرا کتابچہ ایک پاکستانی مؤلف کی تحریر ہے۔ اس کے عنوان "اقبال اور امتِ اسلامیہ" سے موضوع و مبحث کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ مصنّف نے پہلے تو مغربی استعمار (بشمول امریکہ، روس اور اسرائیل) کے نفاق، ظلم، مادہ پرستی اور بہ طورِ خاص اسلام کے خلاف اس کی ریشہ دوانیوں اور ظالمانہ اور تخریبی کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ دو عظیم جنگوں کی صورت میں عالمِ انسانیت پر مسلّط کی جانے والی تباہی، اور افغانستان، فلسطین اور لبنان میں کیمیاوی ہتھیاروں کے استعمال کا ذکر ہے۔ پھر عالمِ اسلام کے مختلف حصّوں میں سامراجیت سے مخالفین اور مجاہدینِ آزادی کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد بتایا ہے کہ ان سب میں اس صدی کے بہت بڑے عبقری اور اسلامی شاعر و فلسفی محمد اقبال نمایاں ہیں جنھوں نے اپنے ایمان، نورِ بصیرت گہری نظر اور علمیت کے سبب اسلامی ثقافت کے امکانات کو واضح کیا۔ انھوں نے اپنی ژرف نگاہی، منفرد عبقریت اور تجزیہ و تحلیل کی غیر معمولی صلاحیت کے سبب نہ صرف امتِ اسلامیہ کے مرض کی تشخیص کی، بلکہ اس سے نجات کے لیے دوا بھی تجویز کی۔ مصنّف نے اس مرحلے پر "رموزِ بے خودی" کے حوالے سے علامہ کے بیان کردہ "ارکانِ اساسی ملیہ اسلامیہ" کی وضاحت کی ہے، اور مسئلہ قومیت، دین و سیاست کی علاحدگی اور امت کے اختلافات پر علامہ اقبال کے خیال کو مختصراً بیان کیا ہے۔

المسؤولية الخُلقيه فی فکر الدکتور محمد اقبال ○ ڈاکٹر عبدالہادی الفضلی

تیسرا کتابچہ جامعۃ الملک عبدالعزیز جدّہ کے ڈاکٹر عبدالہادی الفضلی کا نتیجہ فکر ہے۔ انھوں نے فکرِ اقبال میں اخلاقی ذمہ داری کے موضوع پر بحث کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اقبال کے منابع و مصادر گوناگوں اور متفرق ہیں، لیکن بنیادی طور پر وہ ایک روحانی مورالسٹ ہیں۔ ان کے اخلاقی میلانات اسلامی ہیں اور فکرِ قرآنی سے ماخوذ ہیں۔ اقبال کے نزدیک انسانی کیریکٹر کی انتہا رضاے الٰہی ہے۔ سب سے برتر نیکی یا خیر اسلام ہے۔ انسانی زندگی میں کسی مقصد و غایت کی تعیین اور پھر اس کے لیے تگ و دو اور جد و جہد ہی سے معنویت پیدا ہوتی ہے۔ ارادے کی آزادی اس کا حق ہے۔

اقبال اور جدید دنیاے اسلام ○ ڈاکٹر معین الدین عقیل

ڈاکٹر معین الدین عقیل اردو کے نوجوان سکالرز میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں۔ اقبالیات پر یہ ان کی پہلی تصنیف ہے، جس میں افکارِ اقبال کی روشنی میں جدید دنیاے اسلام کے مسائل، افکار اور تحریکات پر قلم اٹھایا ہے۔ تحریکات میں محمد بن عبدالوہاب، شاہ ولی اللہ اور جمال الدین افغانی کی تحریکات، سنوسی تحریک، علی گڑھ تحریک، ترکی کی تحریک تجدّد، تحریک اتحاد اسلامی، اور مسائل میں مسئلہ خلافت، وطنی قومیت، مغربیّت، فلسطین اور اشتراکیت کے مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ جملہ مباحث بارہ ابواب پر مشتمل ہیں۔ ضمیمے میں سلطان ٹیپو، مہدی سوڈانی، سعید حلیم پاشا، مفتی عالم جان باروری، چینی ترکستان کے مسلمانوں کی تحریک، مولوی ابومحمد مصلح کی تحریک

قرآن اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک سے علامہ اقبال کے تعلق کا ذکر ہوا ہے مصنف
کے خیال میں اس کتاب کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ: "اقبال نے اپنی فکر کی تشکیل میں اپنے
عہد تک کے کن مسلم مفکرین اور کن اسلامی تحریکات سے اثرات قبول کیے اور جدید دنیائے
اسلام کے کن کن مسائل نے ان کی فکر اور شاعری کو متہیج کیا اور ان کے بارے میں اقبال
کا نقطۂ نظر اور ردِ عمل کیا تھا۔ اس قسم کے مطالعے سے اقبال کی فکر، اور اس کی نوعیت و
اہمیت کو جدید دنیائے اسلام کے تناظر میں دیکھنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں
دنیائے اسلام کے دیگر مفکرین کے مقابلے میں اقبال کے مقام کو متعین کرنے میں مدد ملے
گی اور اقبال کی فکری حیثیت اور اہمیت اجاگر ہو سکے گی۔ اور اس کے علاوہ ان کے
مسائل و افکار کا احاطہ کرنا بھی آسان ہو گا جو جدید دنیائے اسلام میں اہمیت کا باعث
ہیں اور فکرِ اقبال میں بھی اہم موضوع کی اہمیت رکھتے ہیں"

عالم اسلام کے مسائل و تحریکات اور شخصیات کے حوالے سے، متفرق مضامین سے
قطع نظر، ڈاکٹر معین الدین عقیل کی زیر نظر تصنیف، پہلی مربوط اور منظم کاوش ہے اور بلاشبہ
اپنے موضوع پر ایک عالمانہ تجزیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبالیات میں ایسی معلومات
افزا کتاب کی ضرورت تھی ــــ عقیل صاحب نے متعلقہ موضوع پر مشرق و مغرب کے
ایک وسیع حلقۂ مصنفین سے استفادہ کیا ہے، اور جا بجا ان کے حوالے دیے ہیں۔
انھوں نے بڑے سلیقے سے تحقیق و تصنیف کے جدید سائنٹی فک اصولوں کو برتا ہے، اور
یہ چیز ہمارے مصنفین کے بہت عام نہیں ہے ــــ بحیثیت مجموعی یہ کاوش اس
سال کی منتخب کتابوں میں شمار ہو گی۔

(ب) مضامین و مقالات کے مجموعے

مجموعہ ہائے مقالات، اس برس نسبتاً کم تعداد میں شائع ہوئے۔ تین مجموعے
اقبال اکادمی نے شائع کیے ہیں، اور تین دیگر ناشرین نے ــــــــ عربی

مقالات کا ایک مجموعہ اور ایک کتابچہ دمشق سے شائع ہوتے ہیں۔ ذکر عربی کتابوں کا ہو رہا ہے، اس تسلسل میں ہم پہلے اسی عربی مجموعۂ مقالات اور کتابچے کا ذکر کریں گے۔

ندائے اقبال ○ اقبال کانفرنس دمشق کے مقالات

مصر کے علاوہ دیگر عرب ملکوں میں کسی طرح کی اقبالیاتی سرگرمی کم ہی سننے میں آتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ پاکستانی سفارت خانے یوم اقبال کا جلسہ کر ڈالتے ہیں یا علامہ پر کوئی کتابچہ شائع کر دیتے ہیں ـــــ حال ہی میں شام سے اقبال شناسی کی ایک لہر اُٹھی ہے۔ سفارتِ پاکستان کے تعاون سے ۱۹۸۵ء میں دمشق میں اقبال کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۱۹۸۶ء میں جناب پروفیسر محمد منوّر صاحب نے شام کا نہایت تفصیلی اقبالیاتی دورہ کیا۔[۵۹] شام میں بظاہر بعثی خیالات کا غلبہ ہے، اس کے باوجود وہاں اقبال اور مطالعۂ اقبال سے دلچسپی کسی قدر تعجب انگیز، مگر یقینی طور پر نہایت خوش آیند خبر ہے۔ حال ہی میں "ندائے اقبال" کے نام سے دمشق کانفرنس کے مقالات یکجا شائع کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے بیشتر مقالہ نگاروں کا تعلق شام سے ہے۔ مقدمہ، پاکستانی سفارت خانے کے جناب توحید احمد کے قلم سے ہے (جو شام کے اندر اقبالیات کی ترویج و فروغ میں پیش پیش ہیں) کلماتِ استقبال (مکتبۃ الاسد) اور افتتاحی خطبے (سفیرِ پاکستان جناب ایاز احمد خان) کے علاوہ مجموعے میں نو مقالات اور تین منظومات شامل ہیں۔ ان میں اقبال کے معروف افکار و تصورات (انسان کامل۔ خودی۔ عشق۔ تصوّف۔ حیثیت نسواں) پر بحث کی گئی ہے۔ بیشتر مقالات عمومی نوعیت کے ہیں۔ ان میں کوئی گہری تنقیدی بصیرت نہیں ملتی۔ اقبال، ان کی شخصیت اور افکار کی جانب لکھنے والوں کا رویّہ پُرجوش، تائیدی اور عقیدت مندانہ ہے۔ ڈاکٹر احسان حقی، مقالہ نگاروں میں واحد شخصیت ہیں، جنھیں علامہ سے ملاقاتوں

کا شرف حاصل ہے ۔ وہ کئی برس علی گڑھ میں مقیم رہے ۔ پاکستان اور مسئلہ کشمیر پر ان کی تصانیف ان کی "پاکستانیت" کی آئینہ دار ہیں ۔ بقول پروفیسر محمد منور صاحب شام میں ان کا گھر "پاکستان ہاؤس" معلوم ہوتا تھا۔[۱۱] علامہ اقبال نے بحیثیت صدر ادارہ معارفِ اسلامیہ لاہور، انھیں ایک تعارفی سند بھی عطا کی تھی ۔ انھوں نے اپنے مضمون :

"علامہ محمد اقبال، جیسا میں انھیں جانتا ہوں"

میں بتایا ہے کہ جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، غیر معمولی توجہ اور محبت سے پیش آتے ۔ پہلا سوال شام کے بارے میں ہوتا ۔ پھر بلادِ اسلامیہ اور مسلمانوں کا ذکر کرتے ۔ سقوطِ خلافت پر دکھ کا اظہار کرتے ۔ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں ہمیشہ متفکر نظر آتے، مگر مایوس نہ تھے ۔ ڈاکٹر احسان حقی نے پرانی یادوں کو نہایت محبت اور عقیدت کے ساتھ تازہ کیا ہے ـــــ مگر آخر میں انھوں نے ایک ایسی بات لکھ دی ہے، جو خلافِ واقعہ ہے ۔ فرماتے ہیں :

> یورپ نے اہلِ مشرق اور ان کے ہم وطنوں سے
> زیادہ علامہ اقبال کی قدر دانی کی اور ان کے افکار کو سمجھا
> اور انھیں نوبل پرائز دینے کے لیے ایک کمیٹی بھی قائم کی
> مگر علامہ نے نوبل پرائز قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
>
> (ص ۹۹)

شاید یہ معلومات کی کمی ہے ۔ بعض دیگر مقالہ نگاروں کے ہاں بھی نقصِ معلومات موجود ہے مثلاً ڈاکٹر عبدالکریم الیافی نے لکھا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے بعد، علامہ ہندوستان پہنچے، تو انھیں بعض حکومتی مناصب کی پیش کش ہوئی (مگر آپ نے انھیں قبول نہیں کیا) ۔ شام میں علامہ اقبال کے ذکر و اذکار کے سلسلے میں سمر روحی الفیصل نے

اسی زمانے میں ــــــــــ شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں بتایا ہے کہ علامہ کچھ زیادہ اچھی عربی نہ جانتے تھے، بس اتنی ہی جتنا وہ سنسکرت سے واقف تھے (تاہم انھوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ لسانا نہ سہی، قلباً اقبال عربی تھے) ۔ اسی طرح علامہ جو زبانیں جانتے تھے، ان میں اردو، فارسی، انگریزی، عربی اور جرمنی کے ساتھ فرانسیسی کو بھی شامل کر لیا ہے۔ ایسی معصومانہ غلطیاں چنداں قابلِ توجہ نہیں مگر افکارِ اقبال سے متعلق، مقالہ نگاروں کے بعض خیالات ضرور تصحیح طلب ہیں۔ دمشق کے ایرانی سفارت خانے کے صادق آئینہ وند کا یہ کہنا محلِ نظر ہے کہ علامہ اقبال کے ہاں انسانِ کامل کا نمونہ حضرت حسینؓ ہیں۔ شام کے مقالہ نگاروں کا قوم پرستانہ نقطہ نظر کہیں کہیں اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم الیافی لکھتے ہیں:

> اقبال، عربوں سے محبت رکھتے تھے اور ان کی (عربی)
> زبان پر فدا تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد، استعماری
> طاقتوں نے بلادِ عربیہ کو تقسیم کر کے اُن پر قبضہ کر لیا تو
> اقبال کو شدید صدمہ ہوا ــــ

یہاں مصنف نے علامہ کے شعر: ؎

> اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
> کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کا ترجمہ نقل کیا ہے، مگر (غالباً نادانستہ) لفظ "عثمانیوں" کو "عربوں" سے بدل دیا ہے ــــ افکارِ اقبال کا انقلابی پہلو بھی شامی مقالہ نویسوں کے لیے باعثِ کشش ہے۔ عبدالمعین الملوحی نے اپنے مقالے بہ عنوان:

"اقبال، شاعرِ اسلامی اور فلسفیِ انقلاب"

میں علامہ کی انقلاب پسندی پر بحث کرتے ہوئے اولاً حضرت عمر فاروق رضؓ سے منسوب ایک قول نقل کیا ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

مجھے ایسے عیال دار شخص پر تعجّب ہے، جو بے مایہ ہے۔ وہ تلوار لے کر کیوں نہیں نکل کھڑا ہوتا، اور لوگوں پر حملہ آور ہوتا ــــ

(اس قول کی نوعیت بھی تحقیق طلب ہے) ــ اس کے بعد مقالہ نگار فرماتے ہیں کہ بھو کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جو اُن کے حقوق تسلیم نہ کریں، وہ اُن پر حملہ آور ہو جائیں۔ اقبال کے نزدیک یہی انقلاب کا مقصد ہے۔ البتّہ عبدالمعین الملوّحی نے اپنے مقالے کے آغاز میں ایک دلچسپ نکتہ پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا کے ہر بڑے انقلاب میں، انقلاب کے سیاسی قائد کے ساتھ ایک فکری راہنما بھی نظر آتا ہے۔ بالشویک انقلاب میں لینن کے ساتھ میکسم گورکی اور چین کے اشتراکی انقلاب میں ماؤزے تنگ کے ساتھ بہ طور ایک فکری شخصیّت کے لوشیسن موجود ہے۔ برعظیم ہند میں برپا ہونے والے انقلاب (جو قیامِ پاکستان پر منتج ہوا) کے سیاسی قائد کے ساتھ فکری راہنما کے طور پر علّامہ محمد اقبال ان کے ہم رکاب تھے۔ الملوحی دو بار پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ اور ان کے مقالے سے، علّامہ اقبال کے ساتھ ساتھ، پاکستان سے بھی ان کی محبّت واضح ہے ــــ علامہ اقبال کی دیگر حیثیتوں سے قطع نظر، ان کے ہاں انسان دوستی کا جذبہ، بعض مقالہ نگاروں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوا ہے۔ ایک مقالے میں کہا گیا ہے کہ اقبال کی شہرت، شاعرِ اسلام اور عظیم فلسفی کے طور پر ہے، مگر ہمارے نزدیک تو وہ شاعرِ عشق اور فیلسوف الذات ہیں۔ وہ فیلسوفِ انسان اور انسانی محبت کے شاعر ہیں۔ وہ انسان کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں، تاکہ وہ زوال و انتشار اور بے وقعتی سے نجات پا کر، جلا حاصل کرے۔" (ص ۴۴)

اس مجموعے کا بہت اچھا، غالباً سب سے اچھا مقالہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کا ہے۔ عنوان ہے:

"اقبال کی شخصیت میں عظمت کے عناصر" ـــــ

وہ فرماتے ہیں:

بلا شبہ اقبال بہت بڑے فلسفی ہیں، اور بہت بڑے شاعر ہیں مگر ان کی عظمت کا اصل سبب ان کا فلسفہ یا شاعری نہیں ہے۔ ان کی عظمت اس میں ہے کہ انھوں نے مغرب کو اس کی گہرائیوں میں اُتر کر نہایت قریب سے دیکھا مگر مغرب کے علوم، فلسفے اور تہذیب کی ظاہری چکاچوند نے انھیں متاثر نہیں کیا۔ مغرب سے تعلق و رابطہ، لوگوں کو مرعوب کر دیتا ہے اور اُن کے دل و دماغ کو شدید طور پر متاثر کرتا ہے۔ اقبال یورپی اساتذہ کے تلمیذ رہے۔ انھوں نے مغرب کی جامعات میں پڑھا اور پڑھایا بھی، مگر مغرب کی قربت نے ان کی نظروں میں اپنے ہی تشخص کو واضح کیا اور ان کے اعتماد علی النفس میں اضافہ کیا ـــــ

مقالہ نگار کے خیال میں عظمتِ اقبال کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے قارئین کو اسلام کی حقیقی روح سے آشنا کیا ہے۔ مسلمانوں کو جو گوناگوں مشکلات و مسائل درپیش ہیں، ڈاکٹر البوطی کی رائے میں علامہ اقبال نے ان کا عملی حل پیش کیا ہے۔ انھوں نے مضمون کا خاتمہ "جوابِ شکوہ" کے چند اشعار پر کیا ہے۔ انھیں امید ہے کہ اگر ہم اس آواز پر کان دھریں تو راہِ عمل ہم پر واضح ہو جائے گی۔

اقبال الشاعر الفیلسوف الندرة التی ازهرت پاکستان

C مرتبہ: محمد پرویز عبدالرحیم

دمشق کے پاکستانی سفارت خانے نے اقبال کی نظم و نثر پر مبنی ایک چھوٹی سی کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس میں اقبال کے مختصر سوانح، تصانیف، خطبۂ الٰہ آباد، خطبۂ پنجم (اسلامی ثقافت کی روح) اور بعض منظومات کے علاوہ ڈاکٹر محمد التونجی اور ڈاکٹر عبدالمعین الملوحی کے مقالات شامل ہیں۔ علامہ اقبال کے عمومی تعارف کے لیے یہ ایک مفید مجموعہ ہے۔

عرب اہلِ قلم کے ہاں مطالعۂ اقبال کے ضمن میں بعض کوتاہیاں یا غلط فہمیاں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود اقبال کی جانب ان کا رجوع و رغبت خوش آیند امر ہے کلامِ اقبال، روحِ اسلام تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے، پس جو شخص بھی اقبال کی طرف متوجہ ہوگا، وہ جلد یا بدیر روحِ اسلام سے آشنا ہوگا۔ شامی مضمون نگار سمر روحی الفیصل کا، سطورِ بالا میں ذکر ہوا ہے۔ ان کے مضمون کے بیشتر حصّے، ان کے مثبت طرزِ فکر کے آئینہ دار ہیں۔ وہ سوال اٹھاتے ہیں: کیا موجودہ حالات میں عرب اقبال کے فلسفہ و شعر سے مستفید ہو سکتے ہیں؟ جواباً کہتے ہیں: میرا عقیدہ ہے کہ عرب، آج علامہ کی شاعری اور ان کے فلسفے کے، ماضی سے کہیں زیادہ محتاج ہیں۔ مغربی استعمار نے ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد وہ مغرب کے مقلّد ہو گئے آج یہ تقلیدِ مرکّب کا شکار ہیں ــــ مسئلہ قومیت ہی کو دیکھیے، اقبال نسلی اور وطنی تعصّبات پر مبنی مغربی نیشنلزم کے قائل نہیں ہیں۔ وہ رنگ و نسل یا خون اور وطنیت کے بجائے روحِ دینی کی بنیاد پر اتحادِ امّت کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

راقم الحروف کے خیال میں اقبال اور فکرِ اقبال سے عربوں کا انسلاک و مطالعہ ہی، اسی ضمن میں ان کے اندر پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا سبب بنے گا۔

اقبال ۸۴ء ۰ مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت

اس کتاب کے مرتب نے دیباچے میں بتایا ہے کہ اقبال اکادمی پاکستان نے ایک نئی اسکیم کے تحت، ہر سال مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے ایسے مضامین کا انتخاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جن سے نئے مباحث اور نیا زاویۂ نگاہ سامنے آتے۔ مختلف الموضوعات ۳۶ مضامین پر مشتمل زیرِ نظر مجموعہ، اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے آخری حصّے میں تقریباً ستر مضامین کی تلخیص بھی شامل کر دی گئی ہے۔ یوں اسے اس سال کا ضخیم ترین مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۶ + ۵۰۷ صفحات)

اخبارات و رسائل میں ہر برس سیکڑوں مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ان میں گنتی کے چند مضامین بلاشبہ اعلیٰ معیار و معنویت کے حامل ہوتے ہیں۔ مستقل اہمیت کے باوجود، ایسے مضامین، جرائد کے فائلوں میں دفن ہو جاتے ہیں، اور وقت کے ساتھ فراموش کر دیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے سالانہ منتخبات کی افادیت بھی ہے اور اس کا جواز بھی۔ ڈاکٹر وحید عشرت کے انتخاب کا دائرہ نسبتاً وسیع تر ہے،

اسی لیے انھوں نے مضامین کو مختلف عنوانات (سوانح حیات، شخصیات، شعریات فکریات، اقبال اور قرآن، اقبال اور اشتراکیت، متفرقات) کے تحت تقسیم کیا ہے۔ اسی سبب سے ایک ہی موضوع پر دو دو مقالے شامل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض اہل قلم کے دو دو مضامین لے لیے گئے ہیں۔ بعض مضامین کے ملخصات سے قاری، مضمون کی نوعیت و حدود اور مضمون نگار کے زاویۂ نظر سے آگاہ ہو جاتا ہے کتاب کے آخر میں "فہرست مضامین" شامل ہے۔ اس کی مدد سے اس اخبار یا رسالے کا نام اور تاریخ اشاعت معلوم ہو سکتی ہے۔ جہاں یہ مضامین شائع ہوتے۔

جہاں تک انتخاب مضامین کا تعلق ہے، یہ مسئلہ انتخاب کنندہ کے ذوق و ذہن پر منحصر ہے۔ ہماری رائے میں مضامین کے انتخاب میں ترجیحات یوں ہونی چاہییں :

۱۔ اقبال کے نودریافت شدہ متن پر مبنی مضامین۔

۲۔ سوانحی مضامین، جن سے بعض نئے حقائق سامنے آتے ہوں۔

۳۔ علامہ کی شاعری اور افکار سے متعلق مباحث پر مشتمل مضامین (کڑا انتخاب)۔

۴۔ متفرقات (صرف انتہائی اہم مقالات)۔

سوانح اور متن سے متعلق مضامین مکمل صورت میں شاملِ انتخاب ہوں، البتہ تنقیدی مضامین کے ملخصات دیے جاسکتے ہیں۔ اسی اعتبار سے "اقبال کا سفرِ بہار" (جگن ناتھ آزاد) اس لائق تھا کہ محض اس کا خلاصہ نہیں، پورا مضمون شامل کیا جاتا۔

انتخاب کنندہ کو اس امر پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے کہ کسی مضمون میں کوئی تشریح طلب معاملہ ہو تو حاشیے میں اس کی وضاحت کر دی جاتے۔ مثلاً ص ۴۴۲

پر ایک مضمون کی تلخیص ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

"سیّد حسن احمد کی کتاب "حضرتِ علامہ اقبال کے سیاسی افکار، دوراہے پر" کے حوالے سے اقبال اکادمی کے ناظم پروفیسر مرزا محمد منوّر کا ایک انٹرویو روزنامہ جنگ میں شائع ہُوا، جس میں پروفیسر صاحب نے حسن احمد کی غلط بیانیوں کی قلعی کھولی ہے۔"

اب یہاں دو باتیں قابلِ وضاحت تھیں، اوّل: یہ کہ حسن احمد کی کتاب انگریزی میں ہے اور اس کا عنوان ہے Iqbal: His political Ideas at Crossroads کہ اگر کوئی قاری یہ کتاب دیکھنا چاہے تو اُسے تلاش میں آسانی ہو۔ دوم: روزنامہ "جنگ" میں پروفیسر منوّر صاحب کے انٹرویو کی تاریخ اشاعت۔

افکارِ اقبال ○ محمد حامد

جناب محمد حامد اسلامی تاریخ اور حربیات پر متعدد کتابوں (امام شامل۔ عثمان دقنہ۔ اسرائیل اور بھارت کے خفیہ تعلقات وغیرہ) کے مصنّف ہیں۔ اسلامی فکریات سے گہری دلچسپی، اور شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ انھوں نے علاّمہ اقبال کے افکار و تصوّرات سے متعلق بارہ مقالات تحریر کیے ہیں۔ محمد حامد صاحب دیباچے میں لکھتے ہیں:

"علاّمہ پر لکھی گئی کتب کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات، علاّمہ کے فکر میں موجود توانائی اور حرارت کے عنصر کو پوری طرح سمو نہیں سکے۔ علاّمہ جس دَور میں پیدا ہوئے، وہ سیاسی غلامی کے اثرات

کی وجہ سے انھیں پوری طرح سمجھنے کا اہل نہیں تھا۔
یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلم نوجوان علامہ کے پیغام
کو کہیں بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے ۔۔۔۔ علامہ کے
دور کی سیاسی ناتوانی ختم ہو چکی ہے۔ مسلم اقوام کے
ضمیر میں ایک ہلچل ہے۔ وہ مغرب کے الحاد کے
تجربے سے گزر کر، اب اسلام کی طرف پلٹ رہی
ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ کے شعری
مجموعوں ہی کو نہیں، بلکہ ان کے نثری سرمایے کو بھی
پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے افکار کو از سرِ نو ترتیب
دیا جائے ۔۔۔۔ یہ کتاب اسی مقصد کی جانب ایک
قدم ہے۔" (ص ۵)

مصنّف کے اختیار کردہ بعض موضوعات پر بہت زیادہ نہیں لکھا گیا، مثلاً: "اقبال اور تحقیقاتِ اسلامی"، "اقبال اور قدیم وجدید کی کش مکش"، "اقبال اور عرب وعجم"، "اقبال اور معاشیات" وغیرہ۔ ان مضامین میں جناب محمّد حامد نے دو باتوں پر زور دیا ہے:

اوّل: علامہ اقبال مسلمانوں کے اندر علمی تحقیق کا بیش از بیش ذوق پیدا کرنا چاہتے تھے کیوں کہ یہی چیز کسی بڑے فکری انقلاب کی بنیاد ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تحقیقاتِ اسلامی کو منظم بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ بعض اداروں شلاً ادارہ معارفِ اسلامی لاہور اور دارالاسلام پٹھان کوٹ کی تائید و سرپرستی فرمائی۔ مزید برآں حضرتِ علامہ نے بیسیوں علمی موضوعات پر کام کرنے کے لیے توجّہ دلائی۔ ان میں سے بیشتر آج بھی

آتشہ تکمیل و تحقیق ہیں۔ مصنف نے ایسے ۳۴ موضوعات کی فہرست مرتب کی ہے، جو مصنف کے خیال میں ممکن ہے:

"کسی حساس اور متجسس ذہن میں تحقیق کے میدان میں سبقت کرنے کا سبب بن جائے۔"

وہ کہتے ہیں:

"اقبال کو محض زبانی خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بجائے یہ کہیں بہتر ہوگا کہ ان کے مجوزہ موضوعات کی جانب مناسب دھیان دیا جائے اور تحقیقی مزاج رکھنے والے افراد کی ایک جماعت اس کام کو اپنے ذمے لے۔"

(ص ۹۰)

دوم: عالمِ اسلام سیاسی آزادی کے باوجود، تاحال ذہنی و فکری اعتبار سے مغرب کے غلبے کا شکار ہے۔ علوم وفنون میں انحطاط کا سامنا ہے۔ یونی ورسٹیوں اور مراکزِ تحقیق میں ضرور اضافہ ہوا ہے مگر ہمارا نظام قطعی اہل نہیں کہ تحقیق و مطالعہ میں پیش رفت کے کام آسکے۔ ہمارے ذہین افراد علومِ اسلامیہ کی طرف راغب تو ہو رہے ہیں، مگر وہ مستشرقین کے سحر سے آزاد نہیں ہو سکے۔ مستشرقین کے یہ نیاز مند "اسلام کی مرمّت" کا فریضہ انجام دینے میں لگے رہتے ہیں، بلکہ بعض اوقات اپنے استادوں سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔ مصنف کا خیال ہے کہ ہمارے معاشرے نے تاحال متجددین کو قبول نہیں کیا اور ہمارے علما کا اثر و رسوخ ایسے افراد کی راہ میں رکاوٹ ہے اور انھیں کسی اسلامی موضوع پر حرفِ آخر نہیں سمجھا جاتا۔ تاہم:

"ایسے افراد کی روز افزوں بہتات، اور ان کی سرکاری سرپرستی کے علاوہ بین الاقوامی مذاکروں اور فورموں

(Forums) پر ان کی چہرہ نمائی کا اہتمام جس
طرح کیا جا رہا ہے، وہ ملّتِ اسلامیہ کے مستقبل
کے لیے خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی نہیں یہ افراد
غیر ملکی استخبارات (Intellegence) کے لیے
بھی انتہائی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔۔۔ ضرورت
اس بات کی ہے کہ نہ صرف علومِ اسلامیہ بلکہ دیگر
معاشرتی علوم میں اعلیٰ تعلیم کے لیے خود ملک ہی میں
انتظام کیا جائے۔" (ص ۱۴۱)

جناب محمد حامد نے اقبالیات کے بعض پامال موضوعات (اقبال اور قرآن حکیم۔ اقبال کا نظریۂ فن) پر بھی قلم اٹھایا ہے، مگر یہاں بھی وہ اپنی بات کہہ گزرے ہیں۔ "علامہ اقبال اور قرآنِ حکیم" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"علامہ کے یہاں قرآن حکیم کے مطالب، اسلوب و
غنائیت کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ آپ کی
طویل نظمیں اپنے اندر جو نیا آہنگ رکھتی ہیں، اس کا
سراغ عالمی ادب میں نہیں، قرآنِ حکیم کے صفحات
میں ملے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ کے
تنقید نگار اس طرف توجّہ کریں اور علامہ کے فکر و فن کو
دوسری کسوٹیوں پر پرکھنے کی بجائے قرآن حکیم کے
الہامی فکر و فن کے حوالے سے جانچیں۔" (ص ۱۴۴)

اردو تنقید نگاروں سے مصنّف کو شکایت ہے کہ ان کے ہاں مغرب کے تنقیدی اصولوں کی جگالی کے سوا کچھ نہیں۔ کہتے ہیں:

"مغرب کے خوانِ ادب کا وہ پس خوردہ، جو کم و بیش
چالیس پچاس برس پرانا ہوتا ہے، ہمارے یہاں
تنقید میں حرفِ آخر گردانا جاتا ہے۔" (ص ۴۶)

جناب مصنف کے خیال میں علامہ اقبال کے تنقیدی معیارات، فرموداتِ نبویؐ، سے ماخوذ ہیں؛ اور اسی لیے اردو میں صرف علامہ مرحوم ہی ادب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں ــــ محمد حامد صاحب کی یہ بات اپنی جگہ درست مگر ادھوری ہے۔ اگر وہ اردو تنقید کے گذشتہ ۳۰، ۳۵ برسوں پر نظر ڈالیں تو انھیں متعدد ایسے نقاد نظر آئیں گے، جنھوں نے اپنی تنقید کی شمع علامہ اقبال اور ان کے ماخذات ہی سے جلائی ہے اور نظری و عملی تنقید کے شعبوں میں قابلِ لحاظ اور لائقِ توجہ اضافہ کیا ہے، جسے اُردو تنقید یکسر نظر انداز نہیں کر سکتی۔

مصنف کی یہ تحریریں جس دردمندی اور فکرمندی کی آئینہ دار ہیں، اس کی صداقت میں شبہہ نہیں، لیکن بحیثیت مجموعی ان کے ہاں تجزیاتی، تحقیقی اور تنقیدی انداز کے بجائے وضاحتی اور تشریحی رنگ نمایاں ہے۔ چنانچہ مقالات میں پھیلاؤ زیادہ ہے۔ فارسی اشعار کے ترجمے، نیز طویل اقتباسات سے احتراز مناسب تھا۔ مضامین کی تدوین بھی خاطر خواہ طریق سے نہیں ہو سکی۔ "شخصیات" کے تحت اکابر کے سوانحی خاکے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور خالد خلیل کے نام خطوط کے پورے متن دینے کی ضرورت نہ تھی۔ حوالوں اور حواشی کا نظام بھی انتشار اور بدنظمی کا آئینہ دار ہے۔ ص ۸۳ پر بتایا گیا ہے کہ علامہ اقبال اور چودھری نیاز علی خاں کی مراسلت کتابی صورت میں چھپ چکی ہے، مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ کس عنوان سے؟ اور کب شائع ہوئی؟ ص ۲۳۴ پر یہ اطلاع درج ہے کہ محمد اکرم خاں نے اسلامی معاشیات پر ایک کتابیات مرتب کی ہے، مگر کتابیات

کا نام کیا ہے؟ قاری کو پتا نہیں چلتا ـــــ رہی سہی کسر خوشنویس (؟) نولیس اور پروف ریڈر نے پوری کر دی ہے۔ ہمیں شبہ ہے کہ اس کتاب کی پروف ریڈنگ سرے سے نہیں کی گئی یا پھر کاتب نے تصحیحات نہیں کیں۔ لیکن اگر یہ افعال انجام دیے گئے ہیں، تب اتنے بڑے پیمانے پر اس قدر بھیانک اغلاط کا وجود صرف تعجب ہی نہیں، افسوس اور رنج کا باعث بھی ہے۔ اس کے نتیجے میں سرکشن پرشاد سرکش پرشاد، بالِ جبریل، بابلِ جبریل اور سنڈیکیٹ، سنڈیکسٹ اور ہاشمی ہاشی بن گیا ہے۔ بعض مضامین کی اصل صورت مسخ ہو گئی ہے۔ بعض عبارات، اپنے محل سے علاحدہ چسپاں ہو گئی ہیں۔ کئی انگریزی الفاظ کی چیپیاں غائب ہیں۔ بعض عناوین نہیں لکھے جا سکے ـــــ علامہ کے اشعار میں بھی متعدد تبدیلیاں نظر آتی ہیں مگر اشعار باوزن ہیں۔ اس بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ ان کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔ اشعار یاد داشت سے لکھے جائیں تو عموماً یہی ہوتا ہے۔ چند مصاریع ملاحظہ

ع بلبل کی نوا ہو کر مغنی کا نفس ہو

ع مسلماں نہیں، خاک کا ڈھیر ہے

ع حکومت بادشاہی، علم اشیا کی جہانگیری

ع اذاں بے سود تمہ روزے ندیدم

ع پر یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

ع انھیں یورپ میں گر دیکھیں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

اقبال اور نژادِ نو ○ ڈاکٹر آغا یمین

دس مقالات کا زیرِ نظر مجموعہ، بزمِ اقبال لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کے مصنف طویل عرصے تک، گورنمنٹ کالج لاہور سے بہ حیثیت

مدرس وابستہ رہے۔ ان دنوں جامعہ اسلامیہ بہاول پور سے منسلک ہیں۔ موصوف "انسانیت کی مثبت قدروں پر دینِ اسلام کی روشنی میں ایمان رکھنے" والے اساتذہ میں شامل ہیں (پروفیسر محمد منوّر)۔ انھوں نے دیباچے میں وضاحت کی ہے کہ یہ کتاب بھی نوجوان نسل کی راہنمائی کے لیے لکھی گئی ہے؛ اور اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وجودِ پاکستان کا پس منظر علاّمہ اقبال کا کلام ہے، اور اب یہی :

"وہ کلام ہے جو ہماری آنے والی نوجوان نسل کو صداقت،
عدالت اور شجاعت پر عمل کر کے دنیا کی امامت
کرنے کا درس دیتا ہے۔"

چنانچہ بعض موضوعات (علاّمہ اقبال اور احترامِ آدمیت۔ اقبال اور پاکستانی نوجوان۔ اقبال اور اتحادِ عالمِ اسلامی۔ اسلامی بلاک، اقبال کی نظر میں۔) نژادِ نو سے خاص مناسبت رکھتے ہیں ان مضامین میں :

"انھوں نے علاّمہ کے کلام کی تشریح بالکل اسی
انداز میں کی ہے، جیسے وہ علاّمہ کے فکر و فن کی باریکیوں
کو نوجوان طلبا کے دل و دماغ اور رگ و پے میں
اتار دینا چاہتے ہیں۔" (فلیپ از احمد ندیم قاسمی)

البتہ چند مضامین کے عنوانات نسبتاً نئے ہیں۔ "اقبال اور ملاّ شاہ لاہوری" میں شاہجہانی دور کے معروف شاعر ملاّ شاہ لاہوری کے فلسفہ "خود شناسی" پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ملاّ شاہ کی تصانیف میں سے محض دو خطّی نسخے دستیاب ہیں، اس لیے یہ امر یقینی ہے کہ یہ کلام علاّمہ اقبال کی نظر سے نہیں گزر سکا۔ تاہم وہ بھی علاّمہ کی طرح مولانا رومؔ کا خوشہ چین ہے۔ یوں فلسفہ خود شناسی کے حوالے سے مولانا روم، ملاّ شاہ لاہوری اور علاّمہ اقبالؔ میں معنوی

ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ ایک مضمون میں مصنف نے سلطان باہو اور علامہ اقبال کے "اللہ ھو" کی جذبی مناسبت کو واضح کیا ہے۔ ایک اور مضمون کا عنوان ہے:

"اقبال، مزدور، لینن اور کارل مارکس"

پروفیسر محمد منور صاحب کے بقول یہ موضوع "ایک حد تک اچھوتا" ہے۔ اس میں آغا امین نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ لینن اور مارکس کی طرح اقبال اور سعدی بھی مزدور کے لیے دردمندی اور ہمدردی کے جذبات رکھتے ہیں۔ علامہ کی نظم "فرمانِ خدا" کے حوالے سے انھوں نے جو کچھ کہا ہے، اس کا لہجہ اقبال کے ترقی پسند شارحین سے خاصا مماثل ہے۔ لکھتے ہیں:

"یوں لگتا ہے کہ اقبال کو حکم ہوا ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کو خدا کا یہ پیغام پہنچا دے کہ اب وہ وقت آرہا ہے کہ جب مزدور، محنت کش اور غریب عوام خوابِ غفلت سے ضرور بیدار ہوں گے اور سالہا سال سے کچلا ہوا مزدور، جو آج ایک کمزور چڑیا کی مانند ہے، تشدد پسند سرمایہ دار کے شاہین سے ٹکرا جائے گا۔ اب نقشِ کہن سب مٹ جائے گا اور سلطانیِ جمہور کا زمانہ آئے گا۔ وہ کھیت سب جلا کر راکھ کر دیے جائیں گے، جن سے دہقان کو روزی میسّر نہ ہوتی ہو۔

"علامہ اقبال کی یہ نظم 'فرمانِ خدا' ایک پیش گوئی ہے جو آج کے اس جمہوری دور میں پوری ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ اقبال کی یہ نظم پیش گوئی کے علاوہ آنے

والی نسلوں کے لیے ایک پیغام عمل بھی ہے۔ بہ الفاظ
دیگر "اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو" کا محض
زبانی نعرہ لگانے سے ہی بات نہیں بنتی، بلکہ اس
پر عمل پیرا ہو کر اجتہاد ضروری ہے اور کسی کام کے
اجتہاد و عمل کے لیے سب سے پہلے انسان کے شعور
کو بیدار کرنا ازبس ضروری ہے۔ جب تک شعور بیدار
نہ ہوگا، احساس بھی پیدا نہ ہو سکے گا۔ لیکن جب
شعور بیدار ہوگا، تو احساس بھی پیدا ہوگا اور جب احساس
پیدا ہوگا، تو اس سے اگلی منزل عمل و اجتہاد کی ہے یہاں
اقبال نے کارل مارکس کے نظریے کو ہمارے سامنے
پیش کیا ہے ـــــــ"

ہم اس طویل اقتباس کے لیے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اصل میں، آغا
یمین صاحب کی تحریر سے یہ طویل اقتباس پیش کرنا اس لیے ضروری تھا کہ اس
سے ان کے اسلوبِ تحریر کی ایک جھلک بھی سامنے آجاتی ہے

"اقبال اور نژادِ نو" کا دیباچہ معروف اقبال شناس پروفیسر محمد منوّر صاحب نے
تحریر کیا ہے اور فلیپ جناب احمد ندیم قاسمی نے لکھا ہے۔ اس مجموعے کے پیش لفظ
نگار، ڈاکٹر وحید قریشی کے بقول کہا جا سکتا ہے کہ:

"آغا یمین صاحب کے یہ مضامین پاکستانی طلبا اور نوجوانوں
کے لیے تفہیم اقبال میں مفید ثابت ہوں گے ۔۔۔ انھیں وہ
پذیرائی حاصل ہوگی، جس کے وہ مستحق ہیں۔"

تقاریر بہ یادِ اقبال ○ مرتبہ: شعبۂ اقبالیات

اقبالیات کی تدریس اور فروغ کے سلسلے میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کا شعبۂ اقبالیات فعّال کردار ادا کر رہا ہے۔ انٹرمیڈیٹ اور بی اے کی سطح کے بعد، اب تدریسِ اقبالیات کا دائرہ ایم فل تک وسیع کیا جا رہا ہے۔ اوپن یونیورسٹی میں وقتاً فوقتاً یومِ اقبال کی تقاریب بھی منعقد ہوتی رہی ہے۔ زیرِ نظر مجموعے میں ایسی تقاریب کے منتخب مضامین اور تقاریر کو یکجا کیا گیا ہے۔ پندرہ تقاریر اُردو میں ہیں اور ڈاکٹر میری شمل اور جناب اے کے بروہی کی تقاریر انگریزی میں ــــ ان میں صدرِ شعبہ کی تین اور باقی اصحاب کی ایک ایک تقریر شامل ہے۔

ڈاکٹر میری شمل کے خطبے کا موضوع "اقبال اور تصوّف" ہے ان کا خیال ہے کہ اقبال نے عجمی اثرات کو اسلامی تصوّف کے زوال کا سبب قرار دیا ہے، علامہ، صوفی ازم کے حرکت بخش اور مثبت عناصر کے حامی ہیں، مگر اس کے منفی پہلوؤں کو زندگی کے لیے مُضر سمجھتے ہیں۔ جناب اے کے بروہی فلسفی اور شاعر کے فرق اور ان کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ فلسفی خیالات و تصوّرات کی پرورش کرتا ہے اور شاعر ان کی موثر ترسیل کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ جہاں تک اقبال کا تعلق ہے، وہ بنیادی طور پر ایک مسلم فلسفی ہیں۔ انھوں نے اسلام کے آفاقی پیغام کو عصرِ حاضر کے سامنے، قابلِ قبول انداز میں پیش کیا، اور فلسفے میں یہ اُن کی غیر معمولی عطا ہے۔ ڈاکٹر وحید الزماں خطبہ الٰہ آباد کی اس معروف تشریح سے متفق نہیں کہ علامہ نے اس خطبے میں ایک علاحدہ اور خود مختار مملکت کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ اقبال نے آزاد اور اسلامی مملکت کا مطالبہ خطبۂ الٰہ آباد میں نہیں کیا، مگر

اس کے قریب ضرور آ گئے تھے۔ پھر ۱۹۲۵ء کے بعد کے سالوں میں وہ علاحدہ اسلامی
ریاست کے مطالبے کی طرف بتدریج بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اس کی ٹھوس
اور واضح شکل ان خطوط میں ملتی ہے، جو انھوں نے مئی ۱۹۳۶ء اور نومبر ۱۹۳۷ء کے
درمیانی عرصے میں قائداعظم کے نام لکھے۔ پروفیسر محمد منور نے اپنے مقالے: "اقبال،
صاحبِ یقین" میں واضح کیا کہ حضرتِ علامہ کو دولتِ یقین میسّر تھی، اس لیے وہ عمر بھر
بظاہر مایوس کن احوال کے باوصف کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ ان کا کلام رجائیت اور
خوش امیدی سے معمور ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کا موضوع "علامہ اقبال کا تصورِ وطنیت"
ہے۔ ان کے خیال میں اقبال، وطن کی محبت کو ایک نفسیاتی حقیقت کے طور پر تو تسلیم کرتے
ہیں، اور اسے اسلام سے متصادم شمار نہیں کرتے مگر جب مغربی ممالک وطنیت کو
ایک نصب العین کے طور پر پیش کرتے ہیں تو اقبال اسے قبول نہیں کرتے ——
کرم حیدری صاحب، علامہ اقبال کو اصلاً ایک "معلّمِ دین" قرار دیتے ہیں جنھوں نے
اپنی "نظم اور نثر دونوں کے ذریعے لوگوں تک علمِ دین پہنچانے کی کوشش کی ہے"
یہ بیان محلِ نظر ہے۔ علامہ نے روحِ دین سے تو یقیناً ہمیں آشنا کیا مگر معروف معنوں میں
وہ عالمِ دین نہ تھے۔ دینی معاملات و مسائل میں وہ اپنی رائے کو وقیع نہ سمجھتے تھے، اور
اس سلسلے میں اپنے دور کے معروف علما (سید سلیمان ندوی، سید انور شاہ کشمیری،
پیر مہر علی شاہ وغیرہ) سے رجوع کیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا کہ:

"اقبال کا حقیقی منصب ایک معلّمِ دین کا ہے۔"

درست نہیں ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنے مضمون "اقبال کی شاعری" میں شکوہ
کیا ہے کہ فلسفی اقبال اور سیاست دان اقبال سے آگے بڑھ کر شاعر اقبال پر خاطر خواہ
توجہ نہیں دی گئی۔ ان کا خیال ہے کہ اقبال کے نظریات کی دل کشی اور جاذبیت بجا
ہے، مگر ان کے ہاں دروں بینی کا معجزہ، اندازِ بیان کا جُلبلاپن اور آہنگ کی وہ

لچک جو دل میں سرایت کر جاتی ہے، ان کی شاعری کے شاعرانہ کمال کا نتیجہ ہے وہ بنیادی طور پر ایک شاعر تھے نہ کہ فلسفی ـــــ اسی طرح بعض دوسرے مضامین بھی قابلِ توجہ ہیں۔

دیباچے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ دو برس پہلے مرتب ہوا تھا۔ اشاعت میں تاخیر کا نتیجہ ہے کہ اس اثنا میں متعدد مضامین بعض رسائل و جرائد میں اشاعت پذیر ہو گئے ہیں۔ بعض مضامین کے آغاز میں مصنفین کا مختصر تعارف دیا گیا ہے، مگر چند مصنفین کا تعارف نہیں دیا گیا۔ اسی طرح یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ مجموعے میں تقاریر و مضامین کی تقدیم و تاخیر کی بنیاد کیا ہے؟ یہ نہ تو موضوعی ہے، نہ زمانی اور نہ اسمائے مصنفین کی ابجدی ترتیب ہی ملحوظ رکھی گئی ہے ـــــ بہ ایں ہمہ، ایک سرکاری ادارے کی جانب سے اقبال کے فکر و فن پر تقاریر کی یہ اشاعت ایک خوش آیند اقدام ہے۔

اقبال شناسی ○ مرتبہ: مشرف انجم

لگ بھگ چالیس برس پہلے حیدر آباد دکن سے علامہ اقبال پر تنقیدی مقالات کے چار مجموعے (آثارِ اقبال۔ حکمتِ اقبال۔ فکرِ اقبال۔ تصوراتِ اقبال) شائع ہوئے تھے۔ زیرِ نظر کتاب میں انھی مجموعوں کے بارہ منتخب مقالات جمع کیے گئے ہیں۔ ان مقالات کے مصنفین، آج دنیائے ادب اور اقبال شناسی کے حوالے سے معتبر حیثیت رکھتے ہیں۔ بیشتر مقالات، اقبالیات کے متعدد متداول مجموعوں میں شامل ہیں اور کئی مجلات میں بھی نقل کیے جا چکے ہیں۔ یوں "اقبال شناسی" ایک اعتبار سے قندِ مکرر کی حیثیت رکھتی ہے۔

صحیفۂ اقبال ○ مرتبہ : یونس جاوید

اقبالیات پر معروف علمی و ادبی جریدے "صحیفہ" کے اڑتیس مضامین کا یہ مجموعہ خاصا متنوّع ہے۔ اس میں فکری و نظری بحثیں بھی ہیں اور توضیحی و تشریحی مطالعے بھی۔ چند مضامین اقبال کے خطوط اور دیگر دستاویزات پر مشتمل ہیں۔ بعض قلمکاروں نے حیاتِ اقبال کے چند نئے گوشے اجاگر کیے ہیں ــــ کچھ لکھنے والوں نے علامہ اقبال اور اکابر علماء و شعراء اور مفکّرین کے افکار و نظریات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ موضوعاتی تنوّع نے مجموعے کو خاصا دلچسپ بنا دیا ہے۔ مضامین کی معنوی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لکھنے والوں میں ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، حامد علی خاں، ممتاز حسن، جابر علی سیّد، جسٹس ایس اے رحمان، بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، محمد عبداللہ قریشی، پروفیسر محمد منوّر، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، اسلوب احمد انصاری، جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، شریف کنجاہی، جیلانی کامران، ڈاکٹر سلیم اختر، سمیع اللہ قریشی، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر خورشید رضوی، رحیم بخش شاہین، انیس ناگی، سراج منیر وغیرہ شامل ہیں ــــ مرتب کا کہنا بجا ہے کہ:

"مقالہ نگاروں نے پیش پا افتادہ معیارات سے استفادہ کرنے کی بجائے نئے معیارات اور نئے خیالات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہ مقالات ان کی بھرپور ذہنی اور فکری صلاحیتوں کا روشن اظہار ہیں۔"

ان مقالات کا عرصۂ تحریر ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۵ء تک ہے۔ اگر ہر مقالے کے آخر میں اس کا ماہ و سالِ اشاعت بھی درج کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔ مضمون نمبر ۲۷، پروفیسر سیّد علی عباس جلال پوری سے منسوب ہے، اصل میں اس کے مصنّف اسی نام کے ایک اور لکھنے والے ہیں (پروفیسر سیّد علی عباس، شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی)

ہمارا خیال ہے کہ اس مجموعے میں ("صحیفہ" میں شائع شدہ)، مزید دو چار معیاری مضامین کا اضافہ ہو سکتا تھا جیسے ڈاکٹر سید معین الدین عقیل کا "جمال الدین افغانی اور اقبال"، امجد اسلام امجد کا "اقبال کی شعری لسانیات"، ڈاکٹر انور سدید کا "اقبال کے کلاسیکی نقوش" وغیرہ ـــــ مگر انتخاب کا مسئلہ، مرتب کے ذہن و ذوق پر منحصر ہوتا ہے۔ بعض اوقات مضمون یا مجموعے کی ضخامت بھی سدِ راہ بن جاتی ہے۔ بحیثیتِ مجموعی "صحیفۂ اقبال" اس سال کے مجموعوں میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔

(۶) متفرق کتابیں

متفرق کتابوں میں کئی طرح کی مطبوعات شامل ہیں۔ دو کتابیں کوئز مقابلوں کے لیے ایک کتاب پنجابی نظموں کی، ایک سووینیئر اور ایک اقبالیاتی جائزہ۔

علامہ اقبال، معلومات کی روشنی میں ○ اسد سلیم

سوال و جواب کی صورت میں حضرتِ علامہ کی زندگی، شخصیت اور افکار و شاعری کے متعلق فراہمیِ معلومات کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے دیباچے میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب میں "علامہ اقبال سے متعلق تمام معلومات کا احاطہ کر دیا گیا ہے" اور "بڑی عرق ریزی اور محنت کے بعد" کتاب اس طرح تیار کی گئی ہے کہ "کسی کو بھی تشنگی محسوس نہ ہو سکے"۔ مگر کتاب کے معیار سے اس دعوےٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ بہت سے سوالات کے جواب غلط ہیں۔ بعض سوالات ہی سرے سے غلط بلکہ لغو ہیں مثلاً یہ کہ کیمبرج میں ایک پکنک کے دوران، اقبال نے کون سی بات کہی تھی؟ یا اقبال نے کس کے نظریے کے تحت پاکستان بنانے کی ترغیب دی (جواب ہے: جمال الدین

افغانی) یا اقبالؔ نے کس نظریے سے متاثر ہو کر پاکستان بنانے کی ترغیب دی؟ (جواب ہے: اتحادِ مسلمانانِ عالم) یا علامہ اقبالؔ نے غزل میں کس شاعر کی پیروی کی؟ (جواب ہے: مولانا حالیؔ کی) یا: شمس العلماء، اور روبہ و خان بہادر کے خطابات سے علامہ اقبالؔ کیوں مشہور نہیں ہیں؟۔ بعض سوالات و جوابات کا یہاں نقل کرنا قارئین کے لیے باعثِ دلچسپی و تفننِ طبع ہوگا:

س : اقبال نے ابتدائی کلام کس کے اصرار پر شائع کروانا شروع کیا؟

ج : سر عبدالقادر حسن کے اصرار پر۔

س : "مخزن" رسالے کے ایڈیٹر کون تھے؟

ج : سر عبدالقادر حسن۔

س : علامہ اقبال نے کن کے ایماء پر یورپ میں تھوڑی بہت شاعری کی تھی؟

ج : سر عبدالقادر حسن۔

ایک اور سوال ہے:

علامہ اقبال تمباکو لینے کے لیے کن سے رجوع کیا کرتے تھے؟

جواب : ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش۔

اسی طرح ایک اور سوال ہے:

علامہ اقبالؔ کی ملاقات ایک مشہور ایرانی شاعر سے ہوئی تھی، کس موقع پر؟

(جواب ہے: پاکستان آمد پر گورنر سندھ کی طرف سے دی گئی دعوت کے موقع پر۔

معلوماتِ اقبال ○ مسز قدسیہ سرفراز

یہ کتاب، متذکرہ بالا کتاب کی طرح مفصّل اور جامع نہیں، اس لیے اس میں ویسے لطائف بھی نہیں ملیں گے۔ البتّہ عمومی معیار اُسی طرح کا ہے۔ بہت سے سوالوں کے جواب غلط، اور بعض سوال ہی نادرست ہیں۔ بعض جگہ تکرار اور تضاد ہے۔ تصانیف اقبال کے نام : بالِ جبریل، پس چہ کرد اے اقوام مشرق، تشکیلِ تجدید الہیاتِ اسلامیہ۔ اس کتاب کے مطابق اقبال اکادمی پاکستان کا دفتر ابھی تک کراچی میں ہے۔ علامہ کو ایک بار عثمانیہ یونیورسٹی کا پرنسپل بنانے کی پیش کش ہوئی تھی۔ علامہ نے لندن کے ایک اسکول سے پولٹیکل سائنس میں استفادہ کیا تھا۔ ایک اقبال چیئر، اورینٹل کالج لاہور میں بھی قائم ہے ــــ اقبال کا سب سے پہلا شعر یہ ہے :

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے، مرے عرقِ انفعال کے

کوئز مقابلوں کے لیے، علامہ اقبال پر ہر سال دو تین نئی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین، اُن تالیفی تقاضوں کا احساس نہیں رکھتے جو ایسی کتابوں کی ترتیب و تالیف کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایسی کتابیں وجود میں آرہی ہیں، جو بعض اعتبار سے گمراہ کن ہیں اور کوئز مقابلوں کو غلط رُخ پر لے جائیں گی۔

اقبال قلندر ○ غلام مصطفٰے بسمل۔ حفیظ احمد

مرتبین نے علامہ پر پنجابی میں لکھی گئی پابند اور آزاد نظموں کو یک جا کر دیا ہے۔

اردو نظموں کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں، مگر پنجابی زبان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کاوشش ہے۔ کتاب کے آخری حصّے میں بعض عربی، فارسی اور اردو نظموں کے پنجابی ترجمے بھی شامل ہیں۔ ابتدائی حصّے میں علامہ کی زندگی، شخصیت اور شاعری کے بارے میں ضروری کوائف اور اقوال دیئے گئے ہیں۔ ان میں بعض سنین تصحیح طلب ہیں۔ پاکستان کے جس نقشے کو "اقبال دا خواب" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے، اوّل تو اس میں کشمیر کو شامل نہیں دکھایا گیا (سوال یہ ہے کیا مرتبین جموّں وکشمیر کو پاکستان سے متعلق نہیں سمجھتے ؟) دوم: اس میں صوبہ سرحد کی حد بندی غلط ہے۔ سرحد کو دو صوبے بنا کر دکھایا گیا ہے — کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، ڈاکٹر محمد اسلم رانا، ڈاکٹر تحسین فراقی اور سیّد منظور حسین بخاری کی توصیفی آرا درج ہیں۔ فلیپ نگاروں اور خود مرتبین کی پنجابی نثر میں ہمیں خاصا تصنّع اور تکلّف محسوس ہوا۔ پنجابی نثر نگاروں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ ایسی آسان اور سلیس پنجابی لکھیں، جسے کم پڑھے لکھے پنجابی بھی بآسانی سمجھ لیں۔ دوسرے یہ اردو خواں طبقے اور دوسرے صوبوں کے قارئین کے لیے بھی قابل تفہیم ہو۔

سووینیر، عالمی اقبال سیمینار ○ مدیر: وجیہ الدین احمد

یہ سووینیر، اقبال اکیڈمی حیدر آباد دکن نے اپریل میں منعقدہ عالمی سیمینار کے موقع پر شائع کیا تھا۔ اس میں سیمینار کے پروگرام، مندوبین، مقالات کے عنوانات اور صدر مجلس استقبالیہ جناب عابد علی خان کے خطبۂ استقبالیہ کے علاوہ اردو اور انگریزی میں نئے پرانے متعدد مضامین دیئے گئے ہیں۔ بعض مندرجات

کا تعلق اقبال و حیدر آباد سے ہے۔ دکن کے اقبال شناس مرحوم ڈاکٹر عالم خوندمیری
کا مضمون "عالم کا خط، اقبال کے نام" عابد علی خان کا خطبۂ استقبالیہ اور سید
خلیل اللہ حسینی کی مختصر تحریر نسبتاً اہم ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یہ یادگار مجلّہ
معلومات افزا ہے۔ اس کے ذریعے علامہ اقبال کے ساتھ، حیدر آباد دکن کے
عوام و خواص اور اہلِ قلم کے تعلقِ خاطر کا نقش، اور واضح اور گہرا ہوتا ہے۔

۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب، ایک جائزہ

○ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

اقبال اکادمی پاکستان نے ۱۹۸۵ء کے اقبالیاتی جائزے کو کتابی صورت میں
شائع کیا ہے۔ اس میں ایک سال کے دوران میں شائع شدہ اقبالیاتی کتابوں
رسالوں اور متفرق تحریروں کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور کسی حد تک ان پر تبصرہ و
تنقید بھی کی گئی ہے۔ مصنّف نے بقول تحسین فراقی:

> "جہاں ان کتب کے محاسن بیان کیے ہیں، اور ان
> میں موجود نئے سوانحی، فکری، علمی یا فلسفیانہ نکات
> کو سراہا ہے، وہیں ان میں نادانستہ یا دانستہ طور
> پر شامل کردہ غلط فکریوں اور خام کاریوں کی بھی نشان دہی
> سے گریز نہیں کیا۔" ؎۱

تاہم بعض کتب کا محاکمہ خاطر خواہ انداز میں اور تفصیلاً نہیں ہو سکا۔ بایں ہمہ اس جائزے
سے، کتاب کے دیباچہ نگار، محمد سہیل عمر کے الفاظ میں:

> "قارئین کو بہ اعتبارِ مقدار و معیار اقبالیاتی ادب کی

پیش رفت کا اندازہ بھی ہو جائے گا، اور اقبالیات
کے موجودہ رجحانات کا ایک اجمالی نقشہ بھی ان کے
سامنے آجائے گا۔"

(۷) تشریحاتِ اقبال

تشریحات کے سلسلے میں اس سال دو کتابیں منظرِ عام پر آتی ہیں۔ ایک کا تعلق علامہ کے انگریزی خطبات سے ہے، اور دوسری اقبال کی ایک طویل نظم کی تشریح ہے۔

تسہیل خطباتِ اقبال

○ شعبۂ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

۱۹۸۵ء کے اقبالیاتی جائزے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ خطباتِ اقبال کے مطالعے کا رجحان بڑھ رہا ہے ـــــ اس برس شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی پیش کردہ کتاب "تسہیل خطباتِ اقبال" سے اس رجحان کو تقویت پہنچی ہے۔ اس کتاب میں سات اہلِ قلم نے، سات خطبوں کی تسہیل کرتے ہوئے، انھیں آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تسہیل نگاروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ڈاکٹر محمد معروف۔ ڈاکٹر سی اے قادر۔ عبدالحمید کمالی۔ نیاز عرفان۔ رحیم بخش شاہین۔ ڈاکٹر محمد ریاض۔ ڈاکٹر ابصار احمد۔

ہر خطبے کے شروع میں، اہم نکات درج ہیں۔ بعض خطبوں کے آخر میں حواشی بھی دیے گئے ہیں (بعض خطبوں کے حواشی، حواشی نہیں محض حوالے ہیں) کتاب کے آخر میں فلسفہ ونفسیات کی اردو اصطلاحوں کی فرہنگ دی گئی ہے، مگر یہ اردو اصطلاحات، کن انگریزی اصطلاحات کا متبادل ہیں؟ یہ علم نہیں ہوتا۔ یہاں اردو اصطلاحات کے بالمقابل انگریزی الفاظ کا اندراج ازبس ضروری تھا، اس لیے کہ بہت سے انگریزی الفاظ و اصطلاحات کے اردو مترادفات میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ پھر یہ کہ بعض انگریزی اصطلاحیں، اردو اصطلاحوں کی نسبت زیادہ مانوس ہیں۔ ان کی مدد سے تسہیل وتفہیم میں آسانی ہوتی۔ معلوم نہیں، مرتبین کی نظر سے یہ اہم نکتہ کیوں اوجھل ہوگیا ـــــ اس فرہنگ کا عنوان ہے: "اصطلاحاتِ فلسفہ ونفسیات" مگر اس میں خاصی تعداد میں ایسے الفاظ بھی شامل ہیں جن کا فلسفہ ونفسیات سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسے:

دارالاسلام۔ اجتہاد۔ اخلاقِ عالیہ۔ ازمنہ وسطیٰ۔
احیاء۔ اجماع۔ انفساخ۔ اذہان۔ عوارض۔ قدرت
کاملہ۔ کلاسیکی ثقافت۔ مآخذ۔ مستثنیٰ۔ ماہیت۔
موقف۔ مشین۔ مقامِ کبریا۔ مصالح۔ نابغ۔ وغیرہ۔

یہ سیدھے سادے لغت کے الفاظ ہیں ـــــ فرہنگ میں الفاظ واصطلاحات کے اندراج میں الفباتی ترتیب کا پوری طرح خیال نہیں رکھا گیا۔ بعض الفاظ وتراکیب کے معانی ہم نہیں سمجھ سکے، مثلاً:

اصطلاح = اصلاح اور درستی

کلاسیکی ثقافت = اعلیٰ درجے کی ثقافت، مسلم الثبوت ثقافت، قدیم

یونانی ثقافت ۔

مقامِ کبریا = رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا مقام ۔ انسان کا بلند ترین اور حقیقی مقام ۔

جملہ تسہیل نگاروں نے خطبات کو سہل بنانے کی اپنی سی کوشش کی ہے ۔ ان میں سے بعض اصحاب فلسفے کے اساتذہ ہیں، اس لیے ان کا فلسفیانہ انداز خطبات کو سمجھنے میں قدرے مشکل پیدا کرے گا ۔ ہمارا خیال کہ خطباتِ اقبال کی تفہیم و تسہیل میں، علامہ کی شاعری اور ان کے مکاتیب بہت مفید و معاون ثابت ہو سکتے ہیں ۔ ڈاکٹر ابصار احمد، ڈاکٹر محمد ریاض اور رحیم بخش شاہین کے ہاں ایک حد تک شاعری سے مدد لینے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ یہ تسہیلات بہتر طور پر سمجھی جا سکتی ہیں مرتبین کسی جگہ خطبات کا نام The Reconstruction of Religious Thought in Islam بھی درج کر دیتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا، بلکہ یہ ضروری تھا ـــــ اسی طرح خطبات کے انگریزی عناوین بھی درج نہیں کیے گئے ۔ اغلاطِ کتابت، نیز انگریزی اعداد کے اندراجات میں احتیاط نہیں کی گئی، چنانچہ بہت سے حوالوں اور حاشیوں کے شمار نمبر غلط ہو گئے ہیں ۔ کتاب کے "پیش گفتار" میں بعض باتیں محلِّ نظر ہیں، مگر ہم ان کا ذکر چھوڑتے ہیں ۔

تفہیمِ اقبال کے ضمن میں، تسہیلِ خطبات کی یہ کوشش بحیثیت مجموعی خوش آیند ہے ۔ امید ہے یہ کاوشں کسی نہ کسی درجے میں بہر حال مفید ثابت ہو گی ۔

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ ۱ ○ محمد شریف بقا

بہ طور ایک اقبالی مصنف، جناب محمد شریف بقا کے نام سے بہت سے قارئین واقف ہوں گے ۔ تسہیلِ خطباتِ اقبال کی سب سے پہلی کاوش انھوں نے کی (بہ عنوان : "خطباتِ اقبال پر ایک نظر ۱۹۷۳ء") ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر وحید قریشی

ایسے اکابرِ تنقید و ادب نے اس کاوش کو سراہا ہے[۶۴]۔ اس کے بعد وہ مجلسِ اقبال لندن کے صدر کی حیثیت سے مجلسی اور تقریباتی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ زیر نظر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ تحریر و تصنیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں علامہ کی آخری طویل اردو نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کی شعر بہ شعر تشریح پیش کی گئی ہے۔ ترتیب اس طرح ہے: شعر کا متن۔ الفاظ و اصطلاحات اور تراکیب کے معانی۔ "مطلب" کے عنوان سے شعر کی نثر، بعدہٗ شعر کی تفصیلی شرح ---- تشریحات میں شارح نے علامہ کی شاعری اور نثر سے استشہاد کیا ہے۔ قرآن حکیم، اور متفرق اُردو انگریزی کتابوں سے تائیدی حوالے دیے ہیں۔ محمد شریف بقا صاحب مختلف سیاسی اور عمرانی نظریات اور تحریکوں (اشتراکیت۔ فسطائیت۔ قادیانیت وغیرہ) کا اچھا مطالعہ رکھتے ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی یہ ایک کامیاب شرح قرار دی جا سکتی ہے۔ بعض اعتبار سے، خصوصاً طالب علموں کے لیے اس کی افادیت جناب یوسف سلیم چشتی کی شرح سے زیادہ ہے۔ بقا صاحب، اگر کلامِ اقبال کے دوسرے حصوں کی تشریحات لکھ سکیں، تو یہ ایک مفید خدمت ہوگی۔

(۸) جامعات کے تحقیقی مقالے

جامعات کے تحقیقی مقالے اقبالیات کے مطبوعہ ادب میں شمار نہیں ہوسکتے، مگر مطالعاتِ اقبال میں انھیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ اس سال متعدد مقالے جامعات میں پیش کیے گئے۔

محمد اقبال وموقفہ من الحضارۃ الغربیہ

○ ———— ڈاکٹر خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن

جناب خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن نے امّ القریٰ مکّہ کے کلیہ شریعت و اسلامیات میں تہذیبِ مغرب کے بارے میں علّامہ اقبال کے نظریات پر اپنے نتائج تحقیق، مقالے کی صورت میں پیش کیے۔ ڈاکٹریٹ کے لیے پیش کردہ یہ مقالہ معروف مصری اسکالر جناب محمّد قطب کی نگرانی میں تحریر کیا گیا اور ۱۹۸۵ء میں اس پر ڈگری دی گئی۔

اس کا ایک مختصر سا جزو "اقبال وقضایا معاصرہ" کے نام سے کتابچے کی صورت میں سعودی عرب سے شائع ہوا ہے۔ (اس کا تعارف گذشتہ سطور میں آچکا ہے)

مصنّف نے مقالے کے ابتدائی حصّے میں علامہ کی سوانح حیات اور تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں ان کے افکار و خیالات اور تصورات پر بحث کی ہے۔ تیسرا باب مغربی تہذیب و ثقافت پر اقبال کے نقطۂ نظر کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ آخری حصے میں بتایا گیا ہے کہ اقبال نے اپنے معاصرین سے کیا اثرات قبول کیے اور وہ بعض معاصرین کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن کے خیال میں اقبال ایک ایسے عظیم شاعر تھے جن کے افکار، اسلام پر ہمارے ایقان و ایمان کو بڑھاتے ہیں۔ انھوں نے ہندی مسلمانوں کے لیے ایک علیٰحدہ وطن کا تصور پیش کیا۔ مصنّف نے واضح کیا ہے کہ اقبال کا یہ کہنا غلط ہے کہ جنّت اور دوزخ (مقامات نہیں بلکہ) احوال و کیفیات ہیں۔

اقبال کا فلسفۂ توحید ○ فرخندہ فرحت

ایم اے کے امتحان کے لیے یہ مقالہ، جامعہ پنجاب کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں پروفیسر شبیّر احمد منصوری کی نگرانی میں تحریر کیا گیا۔ مقالہ نگار کے نزدیک علامہ اقبال کی نظریاتی شاعری میں توحید ایک اساسی عنصر ہے اور فکرِ اقبال کی مابعدالطبیعاتی بنیاد بھی اسی توحید کے تصوّر پر ہے ــــ مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ تمام الہامی کتابوں میں توحید کا تصوّر موجود ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس تصوّر کو اِتمام و کمال تک پہنچایا۔ علاّمہ کے تصوّرِ توحید کا سرچشمہ قرآن پاک ہے۔ اقبال کے تمام نظریات (خودی، مردِ کامل، ملّت، وغیرہ) تصوّرِ توحید سے وابستہ ہیں۔ علاّمہ قوم پرستی ملوکیّت، ملائیت اور اسی نوع کے دیگر اداروں کو توحید کے منافی تصوّر کرتے ہیں۔ زوالِ مسلم کا بنیادی سبب بھی توحید سے انحراف ہے۔ علاّمہ مسلمانوں کو، بلکہ پوری انسانیت کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ توحید کی بنیاد پر اپنی فکری و عمرانی تشکیل

کریں۔ مقالے کے اختتام پر انھوں نے لکھا ہے کہ قرآن کے پیش کردہ تصورِ توحید نے ہر دور میں مسلمانوں کی مشکل کشائی کی۔ انھیں ایک ولولۂ تازہ عطا کیا۔ اسی پر عمل کر کے وہ دنیا میں سرفراز ہوتے۔ توحید سے دور ہوتے تو پستیوں میں جا گرے۔ انھیں رمزِ توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے مجدّد آتے رہے، اور اپنا فرض نبھاتے رہے، انھیں میں سے ایک اقبال تھا، جس نے نہ صرف مسلمانوں کو قوّتِ توحید کا حامل بننے کا جذبہ بخشا، بلکہ انھیں ایک ایسے وطن کا خواب دکھایا، جس کا مقصد توحید کا بول بالا کرنا تھا، اور اسی ایک ذات پر ایمانِ کامل نے، مسلمانوں کے اس خواب کو تعبیر بخشی۔

تعلیمی نظریات میں علّامہ محمد اقبال اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی وحدتِ فکر — ایک جائزہ

طفیل محمّد گوہر
عظیم بخش
محمّد عبد اللہ

جامعہ پنجاب کے ادارۂ تعلیم و تحقیق میں زیرِ نظر مقالہ ایم ایڈ کے امتحان کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔ مقالے کے نگران ڈاکٹر مشتاق الرحمان صدیقی صاحب تھے۔ یہ مقالہ تین طلبا کی مشترکہ کاوش ہے۔ اس میں علّامہ اقبال اور مولانا مودودی کے تعلیمی نظریات کا، مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت، مطالعہ کیا گیا ہے:

تعلیم کی فکری اساسیات۔ تصوّرِ حقیقت۔ (تصوّرِ خدا۔ تصوّرِ کائنات۔ تصوّرِ انسان۔ تصوّرِ رسالت۔ تصوّرِ آخرت)۔ تصوّرِ علم۔ تصوّرِ قدر۔ عملِ تعلیم۔

(نظریۂ تعلیم ۔ مقصدِ تعلیم ۔ نصابیات ۔ معلّمِ مطلوب) ــــ

مقالہ نگاروں کے خیال میں دونوں مفکّرین کے تعلیمی نظریات میں ایک وحدتِ فکر اور مماثلت موجود ہے اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ دونوں زعماء کی فکری اساسیات کا منبع قرآن حکیم اور سنّتِ نبوی ؐ ہے ــــ مقالے میں موضوع کے جملہ پہلوؤں کا اختصار و اجمال کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے اور ریسرچ پیپر کے فنّی اور تکنیکی تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے ۔ مقالہ نگار اپنی تحقیق کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے، چنانچہ مقالے کے آخر میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ کوئی تعلیمی یا تحقیقی ادارہ، ان مفکّرین کی تمام تصانیف کا گہرا مطالعہ کرائے اور تعلیم سے متعلّق نتائجِ تحقیق کو استفادۂ عام کے لیے منظرِ عام پر لایا جائے۔

علّامہ اقبال اور سیّد مودودی کے نظریۂ تربیت کا تقابلی مطالعہ

دبیر حسین دبیر
محمد شریف شاہ
ضیاء الرحمٰن

ادارۂ تعلیم و تحقیق ہی میں تیار کردہ ایک اور مقالے میں علّامہ اقبال اور سیّد مودودی کے نظریۂ تربیت کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے ۔ مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ دونوں اکابر کے نزدیک کسی قوم کے نوجوانوں کی سیرت ، اخلاق اور کردار کی تربیت کے بغیر اس قوم کی بقا ممکن نہیں ۔ دونوں نے اپنے نظریاتِ تربیت کی بنیاد، قرآن سے حاصل کردہ تصوّرِ زندگی پر رکھّی ہے ۔ دونوں جمود و تعطّل کے مخالف اور تحقیق و اجتہاد کے علمبردار ہیں، مغربی تعلیم کے دشمن اور مخلوط تعلیم کے مخالف ہیں ۔ علّامہ اقبال صحبتِ صالح اختیار کرنے ، فقر کو اپنانے ، تاریخ کے مطالعے اور عربی زبان کی تحصیل کو

تربیت کے اہم ذرائع سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودی نے عقیدۂ توحید، آخرت، اتباعِ سُنّت صبر، نفاق سے اجتناب اور التزام عبادات کو تربیت کے اہم ذرائع قرار دیا ہے۔ مقالہ نگار سمجھتے ہیں کہ رائج الوقت نظامِ تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے اسی ضمن میں مقالہ نگاروں نے علامہ اقبال اور سید مودودی کے لٹریچر کو راہنما بنانے، مخلوط تعلیم کی حوصلہ شکنی، خواتین یونی ورسٹیاں اور اساتذہ کے لیے خصوصی تربیتی ادارے قائم کرنے کی سفارش کی ہے۔

اقبال کی شخصیّت کا نفسیاتی جائزہ ○ توقیر سلیم خاں

اس مقالے کا جائزہ باب ۳، "اقبال کے سوانح اور شخصیت" میں پیش کیا جا چکا ہے۔ دیکھیے، ص ۴۰،۷۔

(۹) اقبال نمبر

ایک سال کے دوران میں، ہندوستان اور پاکستان سے چھوٹے بڑے دس رسائل و جرائد کے اقبال نمبر شائع ہوتے۔ ان میں سے تین خصوصی شمارے اقبال اکادمی نے پیش کیے۔ دو اردو میں، اور ایک فارسی میں ـــــ تین خاص شمارے ہندوستان سے شائع ہوتے ہیں۔

اقبالیات، اُردو (دو اشاعتیں) ○ لاہور

اقبال اکادمی پاکستان نے دورانِ سال میں اپنے علمی مجلّے کے کل پانچ شمارے شائع کیے۔ دو انگریزی میں، دو اُردو میں، اور ایک فارسی میں ـــ "اقبالیات" کے اُردو شمارے "اقبال نمبر" کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں۔ چھ صد صفحات پر مشتمل یہ شمارے، اس سال کے اقبال نمبروں میں ضخیم تر ہیں اور باعتبارِ مشمولات وقیع تر ـــ قلمی معاونین میں متعدد اقبال شناسوں اور نامور علمی شخصیات کے نام نظر آتے ہیں۔

"داغ کے اثرات، اقبال پر" کے عنوان سے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا جامع اور بھرپور مقالہ، موضوع کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے۔ آزاد کی تحقیق یہ ہے کہ شاعری میں

اقبال کے پہلے اور آخری استاد، داغ دہلوی تھے ـــــ اقبال کی غزل پر داغ کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے بتایا ہے کہ ۱۹۰۸ء تک، اقبال کی غزل کسی نہ کسی عنوان داغ سے متأثر نظر آتی ہے، مگر اس کے بعد کی غزل پر اقبال کے اپنے فکر و فن کی چھاپ ہے۔ یہ غزلیں، داغ کے اثرات سے بالکل معرّا ہیں، البتہ فارسی شاعری میں کہیں کہیں ایک آدھ مصرع یا ایک آدھ شعر ایسا نظر آتا ہے، جو ہمیں داغ کے اسلوبِ بیان کی یاد دلاتا ہے ـــــ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے علامہ کے ایک مصرعے :

ع عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق

کو اپنے مقالے کا عنوان بناتے ہوئے بتایا ہے کہ اقبال کی حکمت و شعر کا محبوب موضوع و محور بھی دوسرے اردو فارسی شعرا۔ کی طرح اگرچہ بظاہر "عشق" ہے، لیکن اقبال کا عشق، حقیقت میں ذات و صفاتِ محمدیؐ اور دینِ مصطفویؐ کے اساسی پہلوؤں کا مظہر ہے ـــــ "اقبال اور مسعود سعد سلمان" میں ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بتایا ہے کہ لاہور کے معروف فارسی گو شاعر کے ہاں مومنانہ سیرت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ان کا خلاصۂ تحقیق یہ ہے کہ :

"کلامِ مسعود کے مطالعے سے اس کا جو کردار ہمارے سامنے آتا ہے، اس کے مطابق وہ صحیح معنوں میں اقبال کا مردِ مومن تھا۔" (ص ۲۱) ـــــ

ڈاکٹر عطاء الرحیم (مضمون : "کیا اقبال فلسفی تھے؟") کے خیال میں :

"اقبال میں فلسفی اور شاعر اس طرح پیوست ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت ایک کے بغیر دوسرے کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے۔" ـــــ

میاں رسول رسا (مضمون: "علامہ اقبال اور افغان") کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ علامہ اقبال افغانوں کے مدّاح تھے۔ افغانوں نے برِّ عظیم ہند کی تاریخی کش مکش میں جو کلیدی کردار ادا کیا تھا، اس بنا پر، افغان، علامہ اقبال کے نزدیک مجاہدینِ اسلام ہیں ـــــــ ڈاکٹر وحید عشرت (مضمون: "اقبال اور جمہوریت") نے اپنے مفصّل (کچھ زیادہ ہی مفصّل) مقالے میں بتایا ہے کہ علامہ مغربی جمہوریت کے برعکس، ایسی روحانی جمہوریت کے قائل ہیں جس کی بنیاد دین و سیاست کی ہم آہنگی پر ہونی چاہیے۔ اقتدارِ اعلیٰ خدا کے پاس ہو، اور انسان کی حیثیت اس کے نائب کی ہو۔ اس مقالے کی غیر معمولی طوالت کا ایک سبب، اس کے بعض ایسے مباحث ہیں، جو افکارِ اقبال سے براہِ راست متعلق نہیں ہیں۔ یہاں مقالہ نگار کا موقف کمزور ہے۔ خوفِ طوالت مانع ہے کہ ہم اس پر کچھ کلام کریں ـــــــ پروفیسر صابر کلوروی نے، ماہر القادری مرحوم کے مجلّہ "فاران" کے ذخیرۂ اقبالیات کا تعارف کرایا ہے اور اشاریہ بھی درج کیا ہے ـــــــ پروفیسر شان لیون صدر شعبۂ اردو پیکنگ یونیورسٹی کے مختصر مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدّن کے باب میں اقبال کی خدمات غریبوں اور محنت کشوں سے ہمدردی اور سامراجیت کی مخالفت اور چینی عوام کی تحریکِ آزادی (بحوالہ: گراں خواب چینی سنبھلنے لگے) میں اقبال کی دلچسپی کی بنا پر چینی عوام، اقبال کے مدّاح ہیں ـــــــ راقم التحریر نے حیدر آباد دکن میں منعقدہ عالمی اقبال سیمینار کی روداد پیش کی ہے۔

اُردو مجلّات میں "تبصرۂ کتب" کا حصّہ بھی لائقِ توجہ ہے۔ ڈاکٹر صدیق شبلی، ڈاکٹر تحسین فراقی، محمد سہیل عمر اور ڈاکٹر وحید عشرت نے اقبالیاتی کتابوں پر سیر حاصل تبصروں میں کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا ہے۔ تحسین فراقی نے دقّتِ نظر سے

"مطالبِ اقبال" (از مقبول انور داؤدی) کا تجزیہ کیا ہے۔ اگر ہمارے اقبالی مصنفین، ایسے تبصروں کے نتیجے میں زیادہ احتیاط و تامّل اور ذمّہ داری کا رویّہ اپنا سکیں تو یہ اقبالیاتی ادب کے لیے ایک نیک فال ہوگی۔

اقبالیاتِ فارسی ○ لاہور

"اقبالیات" کے فارسی شمارے پر "اقبال نمبر" کے الفاظ درج نہیں، مگر اس کے مشمولات کا تین چوتھائی سے زائد حصّہ اقبالیات سے متعلق ہے، اس لیے اس کی حیثیت "اقبال نمبر" کی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین مشائخ فریدنی ایرانیوں کے لیے اقبال کی شاعری میں دلچسپی کی وجوہ سے بحث کرتے ہوتے بتاتے ہیں کہ بیرونِ ایران متعدد نامور اور صاحبِ دیوان فارسی گو شعراء گزرے ہیں، مگر ادبیاتِ ایران کی تاریخ میں اقبال لاہوری جیسی شہرت اور مقام و مرتبہ کسی کو نصیب نہیں ہوا، اور اسی لیے ملک الشعراء بہار اور سعید نفیسی نے انھیں "شاعرِ قرن" سے ملقب کیا۔ ایران کا تقریباً ہر پڑھا لکھا آدمی اقبال کے نام سے واقف ہے۔ بعض مساجد و عمارات پر، تقریروں میں، اور اخباروں، کتابوں، مدرسوں، ادبی و دینی انجمنوں، خطّاطوں اور نقاشوں کے ہاں کسی نہ کسی حوالے سے اقبال کا تذکرہ ملے گا۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ ایران کے اخبارات یا مجلّات و جرائد، ریڈیو اور ٹیلے ویژن اقبال کے نام یا ان کے ذکر سے خالی ہوں۔ بعدازاں مصنّف نے ایران میں اقبال کی مقبولیت کے بارہ اسباب گنوائے ہیں جن کا تعلق شعرِ اقبال کے فنّی اور فکری دونوں پہلوؤں سے ہے۔ آخری سبب نسبتاً تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کا تعلق ایرانی عوام کے مذہبی عقائد سے ہے ــــــ سیّد شہزادہ حسن رضوی نے اقبال کو ایک ایسا شاعر قرار

دیا ہے، جو اسلامی ثقافت کا نقیب و داعی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے شریعتی کو اقبال کا مثیل و مماثل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فکر اقبال و فکر شریعتی را نمی تواں از ہم جدا کرد و جدا اندیشید۔ مثل اینکہ اقبال فکرِ منثورِ شریعتی و شریعتی فکرِ منظوم اقبال است۔" (ص ۴۴)

——— ڈاکٹر نسرین اختر کے خیال میں اقبال اور سعدی مشرق کے دو ایسے عظیم شاعر ہیں جن کے افکارِ حکیمانہ کی بنیاد کتابِ الہٰی ہے اور دونوں کی شاعری ایک ایسے چراغ کی مانند ہے، جو اپنے قارئین کے قلب و ذہن کو روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

——— پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کے نزدیک اقبال کا تصورِ ابلیس، ان کی فلاحِ ملت کی کاوشوں سے مربوط ہے۔ اقبال، ابلیس کی آزادی خواہی، جرأتِ کار اور جوششِ عمل کے معترف و مداح ہیں۔ دراصل اس طرح وہ ملتِ اسلامیہ میں آزادی، سعی و عمل اور جد و جہد کے لیے تشویش و ترغیب پیدا کرنا چاہتے ہیں ———

ڈاکٹر آفتاب اصغر نے "اقبال اور اشپنگلر" پر اپنی بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال نے اشپنگلر کے اُن عناصر کو قبول کیا، جو فکرِ اسلامی سے مطابقت رکھتے تھے اور فکرِ اسلامی میں پہلے سے موجود تھے ——— پروفیسر محمد منور مغرب کے متعلق اقبال کے رویے پر فاضلانہ بحث کے آخر میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اقبال نے تہذیبِ مغرب کی حیا باختگی اور آدم کشی کی بنا پر امتِ مسلمہ کو اس سے احتراز کی تلقین کی ہے اور کہا ہے کہ اہلِ مغرب کے علم و ہنر اور ان کے نسخۂ تسخیرِ حیات کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں، مگر اس کے ظاہری اور نمائشی عناصر کو قبول کرنا سہل پسندی، نقالی اور محکوم ذہنیت کے سوا کچھ نہیں ———

ڈاکٹر وحید عشرت کا خیال ہے کہ قائدِ اعظم نے فکرِ اقبال کی سیادت قبول کی اور

علامہ نے قائد کی سیاست پر آمنّا و صدقنّا کہا، اس کے نتیجے میں مسلمانانِ برّ عظیم ہند کو آزادی کی نعمت ملی اور (قائد و اقبال کے) اس قِرانُ السّعدین سے مسلمانوں کی تقدیر سنور گئی ـــــ ڈاکٹر جاوید اقبال کی سوانحِ اقبال: "زندہ رود" کی فارسی مترجم ڈاکٹر شہین دخت مقدّم صفیاری نے "زندہ رود" کی علمی و سوانحی حیثیت پر ایک نظر ڈالتے ہوئے، اُسے ایک "زندہ جاوید کتاب" قرار دیا ہے، جسے پڑھتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال کی علمیت اور دانش وری کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

اقبال اکادمی پاکستان کے متذکرہ تینوں مجلّات، اقبالیات پر عمدہ مقالے فراہم کرتے ہیں۔ ان میں اگرچہ بہ لحاظ موضوع و معیار خاصا تنوّع ہے، تاہم فکری پہلو غالب ہے، اس میں بھی زیادہ تر توضیحی و تشریحی انداز سے کام لیا گیا ہے۔ تحقیقی نوعیّت کے مقالات اور سوانحی اور شخصی پہلوؤں پر مضامین کی کمی محسوس ہوتی ہے ـــــ مع ہٰذا بعض مضامین کی غیر ضروری طوالت کھٹکتی ہے۔ ہم نے مطبوعہ مضامین کا ذکر نہیں کیا۔ یہ گزارش بے جا نہ ہوگی کہ "اقبالیات" ایسے علمی مجلّے کو مطبوعہ مضامین کی شمولیت سے احتراز کرنا چاہیے۔

صحیفہ ○ لاہور ۱۹۸۶ء

مجلس ترقیِ ادب لاہور کے مجلّہ "صحیفہ" کے خصوصی شمارے کا دو تہائی حصّہ مقالاتِ اقبالیات سے عبارت ہے۔ اردو کے معروف اور ممتاز محقّق اور نقّاد ڈاکٹر گیان چند اِدھر کچھ عرصے سے اقبالیات پر متوجہ ہیں، اور یہ نہایت خوش آیند بات ہے۔ انھوں نے کلامِ اقبال کے دو خطّی مجموعوں کی بنیاد پر، کچھ متفرق تحقیق پارے پیش کیے ہیں۔ اقبال کے ابتدائی کلام، نیز باقیاتِ کلامِ اقبال پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ ایک مفید و معاون مضمون ہے ـــــ نامور اقبالی مصنّف

محمد عبداللہ قریشی نے بجا طور پر محمد دین فوق کو علامہ اقبال کا اوّلین سوانح نگار قرار دیا ہے۔ نور محمد قادری نے اقبالیات سے متعلق چند نوادرات پیش کیے ہیں اور ڈاکٹر خطیبی نے اپنے مضمون (مترجم: ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی) میں علامہ کے اسلوبِ شعر سے بحث کی ہے۔ ڈاکٹر اے بی اشرف (مضمون: رنگِ اقبال کا مقلد، ایک فراموش کردہ شاعر، ساحر) نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حکیم احمد شجاع ساحر، علامہ اقبال کے صحبت و فیض یافتہ تھے چنانچہ وہ اقبال کے مکتبِ فکر کے پجاری ہیں اور انھیں کے رنگ میں ڈوب کر شاعری کرتے ہیں۔ ان کے مقاصد، محاسن اور مضامین وہی ہیں، جو علامہ اقبال کے ہیں۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ بعض اوقات اقبال اور ساحر کے شعروں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے ——— پروفیسر نظیر صدیقی نے اپنے مضمون "اقبال اور رادھا کرشنن" میں دونوں فلسفیوں کی باہمی مماثلت کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں حقیقت کی طرف دونوں کا زاویۂ نگاہ وجدانی ہے۔ دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی عظمت، ان کے مضبوط عقیدے میں پوشیدہ ہے اور قوم پرستی انسانیت کے لیے تباہ کن ہے۔ مغرب کی طرف دونوں کے رویّے نہایت ناقدانہ اور معترضانہ ہیں۔ دونوں کی رائے میں دنیا میں نسلی، لونی اور لسانی اختلافات کو محبّت کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کی شاعری اور رادھا کرشنن کی نثر عقیدے اور رجائیت سے لبریز ہے۔ مضمون کے آخر میں صدیقی صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح اقبال نے اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کھولنے اور مذہبی فکر کی تشکیلِ نو کی کوشش کی، اسی طرح رادھا کرشنن نے بھی ہندو مذہب کی فکر کی تنظیمِ نو کا فرض ادا کیا۔" دونوں کے بہت سے اہم خیالات مشترک تھے، جب کہ وہ ایک دوسرے سے متاثر نہ تھے۔"

تہذیب الاخلاق ○ لاہور

ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" کے شمارۂ اپریل میں اداریے کے علاوہ چینی شاعر گوزکین کی نظم (اردو ترجمہ از عبدالعزیز خالد) کے علاوہ تین نثری مضامین شامل ہیں۔ ایک یا دو مضامین پرانے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد محمد ہاشم کے مضمون "شکوہ، جواب شکوہ: مطالعہ کی ایک سمت" کی صرف ایک ہی قسط شامل ہے۔ مضامین کی تعداد اور نوعیّت کے اعتبار سے ضخیم اور وقیع نہ سہی، شمارے کو "بیادِ اقبال" قرار دے کہ ادارہ تہذیب الاخلاق نے، حضرتِ علامہ سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے۔

ہومیو پیتھی ○ راولپنڈی ۱۹۸۶ء

ماہ نامہ "ہومیو پیتھی" نے شمارہ نومبر کو علامہ اقبال سے منسوب کیا ہے۔ اس میں طبع زاد مضمون صرف ایک ہے۔ علامہ اقبال اور پیر سیّد مہر علی شاہ" از قاضی عارف حسین —— باقی دو تحریریں مطبوعہ ہیں —— بایں ہمہ یہ امر غنیمت ہے کہ اس رسالے نے حضرتِ علامہ سے متعلق چند تحریریں شائع کیں۔ ان سے رسالے کے جملہ قارئین، بہ شمول معالجین و مریضان، قلباً و ذہناً مستفیض ہوں گے۔ ہومیو پیتھی کی طرح علامہ کی شاعری کا مقصد بھی قوموں کی شفایابی ہے۔

اقبالیات ○ سری نگر

کشمیر یونیورسٹی، سری نگر کے اقبال انسٹی ٹیوٹ نے چند برس پہلے "اقبالیات" کے نام سے ایک علمی اور تنقیدی مجلّے کا اجرا کیا تھا۔ ایک طویل وقفے کے بعد اس کا تیسرا شمارہ شائع ہوا ہے۔ اس شمارے کی خاص چیز، علّامہ اقبال کے دو غیر مطبوعہ خط ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ ان خطوں کے علاوہ اس شمارے میں اقبال کے فن پر نو مقالات شائع کیے گئے ہیں جو اقبال کے فن پر منعقدہ ۱۹۸۳ء کے ایک سیمینار میں پڑھے گئے تھے۔ مجلّے کے مرتب پروفیسر آل احمد سرور کے بقول:

> "اقبال کا فن وہ سمندر ہے، جس کا صرف ساحل سے
> نظارہ کافی نہیں، ہمیں اس کی گہرائی میں جانا چاہیے
> تاکہ اس کے موتیوں تک پہنچ سکیں۔"

زیرِ نظر مضامین میں فن کی وساطت سے، شعرِ اقبال کے موتیوں کی تلاش و دریافت کی سعی کی گئی ہے۔ تمام تنقید نگار علامہ کی شاعری کے حُسن، تازہ کاری اور لالہ کاری کے قائل نظر آتے ہیں۔

پروفیسر آل احمد سرور نے "اقبال کا فن، ایک عمومی جائزہ" کے تحت اقبال کی شعری زبان پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان کی رائے میں اقبال کے اسلوب کو Grand Style سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جس میں خطابت، غنائیت اور فکری صلابت تینوں سما گئے ہیں۔ البتہ بعض نظموں میں ان کی خطابت کی لَے اتنی بڑھ گئی ہے کہ انھوں نے شعریت کا لحاظ نہیں رکھا، تاہم ترقی پسندوں کے

مقابلے میں، اقبالؔ کی خطابت پھر بھی باادب ہے۔ سرُور صاحب نظم گو اقبالؔ پر،
کلیم الدین احمد کی تنقید کو بے جواز قرار دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نظمِ جدید کو بلوغت
اقبالؔ ہی نے عطا کی ہے۔ مضمون کے اختتام پر سرُور صاحب لکھتے ہیں:

"اردو شاعری اب دوسرا اقبالؔ پیدا نہ کر سکے گی۔
وہ سانچہ ٹوٹ گیا اور وہ پانی ملتان بہ گیا، مگر اقبالؔ
کا فن موجودہ اور آنے والے فن کاروں کے لیے روشنی
کا ایک مینار رہے گا۔"

"اقبال کا عروضی نظام" میں جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے بتایا ہے کہ کلامِ اقبال
کی خوش آہنگی کا، ان کے عروضی نظام سے گہرا تعلق ہے۔ یہ خوش آہنگی انھوں
نے بعض بحروں کو مخصوص طریقے سے برت کر پیدا کی ہے، مزید برآں انھوں نے
گوناگوں عروضی وسائل کے استعمال سے بھی مدد لی ہے۔ مثلاً وقفے کے فن کو
بے مثال خوبی سے استعمال کیا، اسی طرح کہیں دو مصرعوں کو باہم پیوست کیا،
کہیں مصرع کے آخر میں حرفِ ساکن کے استعمال میں تنوّع پیدا کیا۔ اور کہیں
مصرعوں کے اندازِ تحریر سے تبدیلیِ بحر کا التباس پیدا کیا ــــــ بحیثیت مجموعی
شعر کے آہنگ میں تازگی لانے کے لیے اقبالؔ نے تجرباتی یا نامانوس راہوں سے
بڑی حد تک اجتناب کیا۔ اس کے برعکس وہ طریقے اختیار کیے، جو عام طالب علم
کو محسوس بھی نہیں ہوتے اور اپنا کام کر جاتے ہیں ــــــ شمیم حنفی نے
"اقبال کے علائم" پر بحث کرتے ہوتے بتایا ہے کہ اقبالؔ کے ہاں روایتی اور
تخلیقی دونوں طرح کے علائم ملتے ہیں۔ دونوں کا وصفِ مشترک یہ ہے کہ ان کے
ذریعے شاعر نے حقیقت کی تلاش پوری کائنات میں کی ہے اور یوں ایک
آفاقی، لازماں اور لامکاں معنی تک رسائی کی کوشش کی ہے ــــــ

کبیر احمد جائسی کے نزدیک اقبال کا اصل فن، ان کی رمزیت ہے، مگر ان کے ہاں رمزیت کا یہ عنصر نہ تو کسی قسم کی پیچیدگی کو راہ دیتا ہے، اور نہ ابلاغ کے مسائل پیدا کرتا ہے ــــــ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کا موضوع "اقبال، استعارہ اینج علامت" ہے۔ حامدی کاشمیری نے "اقبال کی شعری زبان" پر اظہار خیال کیا ہے۔ یہ اور باقی چار مقالے بھی کلام اقبال کے متنوع فنی پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔

گذشتہ چند سالوں سے بھارت میں اقبال کی شاعری کے فنی پہلوؤں اور ان کی فن کاری پر، بطور خاص توجہ دی جارہی ہے۔ ۱۹۷۸ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ایک سمینار منعقد کیا تھا، جس کے مقالات "اقبال کا فن" (مرتبہ: گوپی چند نارنگ) کے عنوان سے شائع ہوتے۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ کا سمینار (۱۹۸۳ء) اور زیر نظر مجلے کی اشاعت اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اس رجحان کے حامل نقاد اقبال کے فکر کو چنداں لائقِ توجہ نہیں سمجھتے، اس بارے میں بھارت ہی کے ایک نقاد لکھتے ہیں:

> "ہمارے ملک میں مفکر کے بجائے شاعر اقبال پر حالیہ زور کی ایک (ناجائز) وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کہیں اقبال کی اسلامیت سے کچھ لوگوں کی ترقی پسندی اور حب الوطنی مشتبہ نہ ہو جائے۔"[۶۵]

ہندوستانی نقادوں کا یہ مکتبِ فکر، اس بات کا قائل نہیں کہ اقبال کے فکر سے آزاد ہو کر، ان کے فن کا مطالعہ کیا جائے۔ پٹنہ کے ڈاکٹر عبد المغنی اس کے پُرجوش داعی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ:

> "اقبال کی فکر ہی ان کے فن کا محرک ہے، اور اس کا مواد و موضوع بھی ـــ اقبال کی فکر کی بلوغت

اوران کے فن کی بلاغت الگ الگ اکائیاں نہیں
ہیں، ایک ہی اکائی کے دو پہلو ہیں"۔ ۹۹ ؎

ان کی کتاب "اقبال کا نظامِ فن" اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ (۱۹۸۴ء
کے اقبالیاتی جائزے میں اس کتاب کا مفصّل تعارف کرایا گیا تھا)

شاداب، حیدر آباد دکن

اپریل میں منعقدہ عالمی اقبال سیمینار کے موقع پر حیدر آباد دکن کے ماہنامے "شاداب" نے مئی کا شمارہ "اقبال نمبر" کے طور پر پیش کیا۔ وجیہ الدین احمد (اقبال اور حیدر آباد) تعارفی نوعیت کا ہے۔ ڈاکٹر رحمت علی خاں نے سترھویں صدی عیسوی کے شاعر آتشیؔ شیرازی اور علامہ اقبال کے کلام میں مماثلت پر روشنی ڈالی ہے۔ آتشیؔ، ابراہیم عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں بیجا پور آیا اور شاہی دربار سے وابستہ رہا۔ "مثنویاتِ آتشیؔ" کا ایک اہم نسخہ، سر سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہے۔ آتشیؔ کے خیالات، علامہ کے نظریہ" خودی سے خاصی مماثلت رکھتے ہیں ـــــ "اقبال کا نیا مکتب فکر" کے عنوان سے مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر بھی زیر نظر رسالے میں شامل ہے، جو موصوف نے مدینہ طیبہ کی ایک ادبی انجمن میں کی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ علامہ نے برّ عظیم پاک و ہند کی نئی نسل پر گہرا اور دیرپا اثر چھوڑا۔ ان کی شاعری کی قوت اور تاثیر کا سبب شاعر کا واضح نصب العین ہے ـــــ علی میاں نے ہم عصر ادب سے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں ہمارا سابقہ زیادہ تر سطحی ادب سے ہے۔ ہم اس سطحی اور سرسری ادب کے بوجھ سے دب گئے" ہیں۔ اس ادب کے پیش کرنے والے ماہر اداکاروں کی مانند ہیں۔ ہمیں اِس وقت ایسے ادب کی ضرورت ہے، جو ہمارے

اندر ایک نئی زندگی کی روح پھونک دے۔ صرف عالمِ اسلامی ہی کو نہیں، پورے عالمِ انسانی کو حقیقی اور زندہ ادب کی ضرورت ہے —— "اقبال کا پیام، آج کی مسلم اقلیتوں کے نام" کے عنوان سے سکندر توفیق کا مضمون، اس شمارے کا سب سے اچھا مضمون ہے اور اسی لیے بطورِ خاص لائقِ توجہ ہے۔ انھوں نے ۱۹۸۶ء کے ہندوستان کی مسلم اقلیت کے لیے کلامِ اقبال میں معنویت تلاش کی ہے۔ ان کے خیال میں پاکستان ہو کہ ہندوستان، مسلمانوں کے تعلق سے ہر دو جگہ کے مسائل کا ایک ہی حل ہے، اور وہ ہے ایک کامل مسلمان —— مسلم اکثریتی علاقے کے لیے ان کا سمبل شاہین ہے، تو مسلم اقلیتی علاقوں کے لیے چاہے وہ ہندوستان میں ہوں یا کسی اور جگہ، ان کا سمبل جگنو ہے۔ وضاحت کرتے ہوئے سکندر توفیق لکھتے ہیں۔ جگنو کی سراپا روشنی، ایمان اور اسلام کی روشنی ہے۔ مسلم اقلیت کے لیے جگنو، شاہین سے زیادہ معنی خیز ہے کیونکہ اُسے "شب کی سلطنت" (سیکولر حکومت) میں دن کا سفیر بننا ہے۔ اس علامت کے حوالے سے مضمون نگار نے مسلم اقلیت پر زور دیا ہے کہ وہ اپنی روشنی کو زیادہ مستحکم اور استوار بنائے، تاکہ نہ صرف یہ کہ وہ خود راہِ راست پر گامزن رہے، بلکہ اکثریت کو بھی اپنی "راہ کی روشنی" سے مستفیض کرے۔ مضمون نگار کی یہ تحریر، اس کی ذہنی یکسوئی، تیقّن اور کلامِ اقبال پر اس کے بھرپور اعتماد کی مظہر ہے۔

شگوفہ ○ حیدر آباد دکن

زندہ دلانِ حیدر آباد کے ترجمان "شگوفہ" نے عالمی اقبال سمینار کے موقع پر "اکبری اقبال نمبر" کے نام سے خصوصی شمارہ پیش کیا، جسے کلامِ اقبال کے مترجم

جناب مظفر مجاز نے مرتب کیا۔ "شگوفہ" طنز و مزاح اور ظریفانہ تحریروں کے لیے وقف ہے۔ زیر نظر خاص شمارے میں، اقبال اکیڈیمی حیدرآباد اور سمینار سے متعلق معلومات و کوائف کے علاوہ، اقبال کے لطائف و ظرافت، ان کے ظریفانہ کلام پر گیان چند، پروفیسر عبدالقوی دسنوی، مولانا جعفر شاہ پھلواروی اور مظفر مجاز کے تنقیدی مضامین، بعض ظرافت نگاروں (شوکت تھانوی، یوسف ناظم، مشفق خواجہ، برق آشیانوی اور پروفیسر ید اللہ مہدی) کی مزاحیہ تحریریں اور کلامِ اقبال پر بہت سی دلچسپ پیروڈیاں اور متعدد کارٹون اور کیری کیچر بھی شامل ہیں۔ رسائل و جرائد کے اقبال نمبروں کی روایت خاصی پرانی ہے۔ "شگوفہ" کا یہ نمبر اس روایت میں ایک منفرد اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بیک وقت اہلِ حیدرآباد کی اقبال دوستی اور ان کی زندہ دلی کا ثبوت ہے۔

نئے نکات ○ حیدرآباد

عالمی اقبال سمینار حیدرآباد دکن کی مناسبت سے ہفت روزہ جریدے "نئے نکات" نے بھی ایک خاص شمارہ شائع کیا۔ بیشتر مضامین مطبوعہ ہیں۔ اقبال اکیڈیمی کے نائب صدر محمد ظہیر الدین احمد کا انٹرویو مختصر ہے، جس سے آندھرا پردیش، مہاراشٹر اور کرناٹکا میں اقبالیات کی صورتِ حال اور مستقبل میں اقبال فہمی کے امکانات پر گفتگو کی گئی ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے انٹرویو میں اعتراف کیا گیا ہے کہ ابتدائی سالوں میں بھارت جیسے بڑے ملک نے اقبال کو نظرانداز کر کے بڑی غلطی کی تھی، اب اس کی تلافی کی جا رہی ہے۔

ذوقِ نظر ٥ حیدر آباد دکن

ماہنامہ "ذوقِ نظر" نے چند نئے پرانے مضامین اور منظومات و تضمینات کے ساتھ حضرتِ علامہ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے ڈاکٹر یعقوب عمر نے حافظ شیرازی پر علامہ کی تنقید کو اس لیے بجا قرار دیا ہے کہ حافظ منفی تصوّف کے علمبردار تھے۔ اقبال نے "اسرارِ خودی" کے اشعار سے حافظ کا نام حذف کر دیا، مگر "یہ اس مردِ حکیم کی کرامت ہے کہ ہر شعر پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں حافظ، پیروانِ حافظ اور ان کی تعلیمات کی مذمت میں لکھا گیا ہوں۔" ڈاکٹر یعقوب عمر (جو اس مجلّے کے مدیرِ اعزازی بھی ہیں) مظفر حسین برنی کی کتاب "محبِّ وطن اقبال" کو "وقت کی ایک ضرورت" قرار دیتے ہوتے کہا ہے کہ: "مصنف نے اس کتاب سے نئی نسل کے ذہنوں کو صحیح سمت میں گامزن کرنے کا" کام لیا ہے۔ ان کے خیال میں برنی صاحب نے یہ "مستند" کتاب لکھ کر "ہندوستانیوں پر بہت بڑا احسان" کیا ہے۔ اور اس کتاب کے بعض حصّوں کو ہندوستان میں سکولوں کے نصاب میں شامل کرنا چاہیے کہ اس سے "قومی یک جہتی" کو فروغ ہوگا۔ مبصّر فارسی زبان و ادب کے ایک سینیر استاد ہیں مگر اس تبصرے میں وہ گورنر صاحب کے ایک پُرجوش مدّاح نظر آتے ہیں، انھوں نے نہایت دیدہ دلیری سے قرار دیا ہے کہ "علامہ اقبال کے کلام میں کہیں بھی دو قومی نظریے کی وکالت نہیں ملتی، بلکہ وہ ہندوستانی کی وحدت اور تہذیبی اقدار کے تحفظ کی وکالت کرتے" نظر آتے ہیں۔

روزنامہ اخبارات کے اقبال ایڈیشن

ملک کے بیشتر اردو اور انگریزی روزنامہ اخبارات نے ۲۱ اپریل اور ۹ نومبر کو اقبال نمبر، اقبال ایڈیشن یا اقبال سپلیمنٹ کے عنوان سے خصوصی ضمیمے شائع کیے۔ ان میں امروز، جسارت، جنگ، حریت، نوائے وقت، نیشن، مشرق، مغربی پاکستان اور وفاق شامل ہیں ــ نئے یا پرانے بیشتر مضامین عمومی نوعیت کے ہیں۔ البتہ بعض مضامین میں پامال راہوں سے ہٹ کر کچھ کہنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یا کچھ معلومات پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً کلیم اختر کا: "علامہ اقبال، میاں امیر الدین اور سیاسیاتِ کشمیر" (نوائے وقت، ۲۱ اپریل) ڈاکٹر نذیر قیصر کا: "اقبال کا فلسفہ خود اختیاری اور سائنس آف جینز" (نوائے وقت ۹ نومبر) ڈاکٹر نعیم نقوی کا: "علامہ اقبال اور وجودیت" (جنگ، ۲۱ اپریل)۔ محمد زبیر شوکت الہ آبادی کا: "چند یادگار لمحے" (جسارت ۹ نومبر) ـــــ روزناموں میں اشاعت پذیر مضامین میں سے، سال بھر میں اگر دو چار لائقِ توجہ مضامین نکل آئیں تو اُسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔

یہاں ایک تکلیف دہ امر کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔ علامہ اقبال کے فکر اور شاعری کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں وہ پاکستان کے مفکر ہیں اور مصور بھی۔ اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے نقیب ہیں۔ عالمی سطح پر ان کے فلسفے اور شاعری میں کشش بڑھ رہی ہے اور ان کی مقبولیت روز افزوں ہے، مگر پاکستان کے بعض جید اور معتبر اخبارات کو پورے سال میں ایک مرتبہ بھی، ان پر دو چار صفحات کا سپلیمنٹ شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی یا پھر توفیق نہیں ہوتی۔

پاکستان کے دارالحکومت سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامے Muslim کا ۹ نومبر کا شمارہ جہازی سائز کے ۴۴ صفحات پر محیط ہے، اس میں "پاکستان ایکسپورٹ" پر بارہ صفحاتی رنگین سپلیمنٹ بھی شامل ہے۔ چوبیس صفحات میں سے مفکرِ پاکستان کو صرف ایک چوتھائی صفحہ ملا ہے، جس پر ایک سرسری سا مضمون شائع کیا گیا ہے۔ یہ اخبار اپنی پیشانی پر یہ جملہ شائع کرتا ہے:

The Press and the Nation Rise and Fall to-gether

اب معلوم نہیں کہ علامہ اقبال سے اعراض و اغماض کی پالیسی سے یہ اخبار، قوم کو کس طرف لے جانا چاہتا ہے؟ ملک کے ایک اور بڑے انگریزی اخبار Dawn کا رویہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ۹ نومبر کا "ڈان" کل چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ کے لیے ان کے یوم ولادت پر ان چودہ صفحات میں سے ایک کالم، یعنی ایک صفحے کا آٹھواں حصہ وقف کیا گیا ہے، جہاں اقبال کے فلسفہ خودی پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اسی شمارے میں "اکنامک اینڈ بزنس ریویو" کے عنوان سے ایک چار صفحاتی سپلیمنٹ بھی شامل ہے ——— پاکستان میں اخبارات کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ وہ اپنی پالیسیوں اور ترجیحات کے تعین میں بھی آزاد و خود مختار ہیں کوئی کسی کو ڈکٹیٹ نہیں کرا سکتا، مگر یہ صورت حال ایک لمحۂ فکریہ ضرور ہے۔

بعض متفرق مضامین

مجلات کے اقبال نمبروں میں شامل بعض اہم مضامین کا، اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اقبال نمبروں کے علاوہ رسائل کے عام شماروں (اور بعض کتابوں) کے ذریعے ایسے متعدد مضامین شائع ہوتے ہیں، جو لائقِ توجہ ہیں اور اس سال کے منتخب

مضامین میں شمار ہونے کے لائق ہیں۔ بہ خوفِ طوالت ان کی پوری فہرست دینا ممکن نہیں، مگر چند ایک مضامین کا تذکرہ ناگزیر ہے:

اقبال اور جستجوے گل	ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی	سیارہ، اپریل، مئی
خضرِ راہ	ابو الکلام قاسمی	شب خون، جون جولائی
خضرِ راہ کا قدیم متن	ڈاکٹر گیان چند	مریخ، مئی تا جولائی
اقبال، اجالوں کا شاعر، اندھیروں کی زد میں	محمد صلاح الدین	تکبیر، ۱۲ تا ۲۷ نومبر
سپر سے سیالکوٹ تک	جگن ناتھ آزاد	شب خون، جون جولائی
اقبال کی غزلوں میں موضوعیت	حامدی کاشمیری	اوراق، مارچ اپریل
Iqbal's Thought and the Present Study	ڈاکٹر ابصار احمد	The Concept of Self اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
اقبال کی شاعری میں لالہ کی علامت	اسلوب احمد انصاری	نقد و نظر ج ۸ ش ۲

(۱۰) اقبالیاتِ متفرّق

قندِ مکرّر

نئی کتابوں کے ساتھ، اس برس بہت سی پرانی کتابوں کے تازہ ایڈیشن بھی شائع ہوتے ہیں۔ یہ جائزہ صرف ۱۹۸۶ء کے دوران میں چھپنے والی نئی کتابوں تک محدود ہے، اس لیے ہم پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشنوں کا تعارف و تجزیہ تو پیش نہیں کریں گے۔ تاہم یہ تازہ ایڈیشن ایک طرح سے "قندِ مکرّر" کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

اقبال اکادمی پاکستان نے پروفیسر محمّد منوّر کی تصنیف "میزانِ اقبال" کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس میں "علامہ اقبال کا شعری آہنگ اور ضربِ کلیم" کے نام سے ایک مقالے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس نئے مقالے میں پروفیسر صاحب نے بتایا ہے کہ "ضربِ کلیم" کی شاعری بھی، شعریت کے اس جوہر سے خالی نہیں، جو ہمیں "بالِ جبریل" میں ملتا ہے۔ اکادمی نے "بالِ جبریل" کے کشمیری ترجمے کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا ہے۔ سیّد غلام قادر اندرابی کا یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۸۲ء میں، جنگ بندی لائن کے اس پار سے چھپا تھا ـــ

دوسرے ایڈیشن میں بعض ترامیم کی گئی ہیں ــــــ محمد جہانگیر عالم نے "اقبال کے خطوط، جناح کے نام" کا تازہ ایڈیشن، یونیورسل بکس لاہور سے شائع کیا ہے ــــــ "نگارِ پاکستان" کراچی نے اپنے جنوری ۱۹۶۲ء کے اقبال نمبر کا دوسرا جزوی ایڈیشن شائع کیا ہے۔ جزوی اس لیے کہ، زیر نظر ایڈیشن، پرانے اقبال نمبر کے صرف ان مقالات پر مشتمل ہے، جو نیاز فتح پوری کی تصنیف ہیں ــــــ "غالبؔ اور اقبال کی متحرک جمالیات" (مصنف: ڈاکٹر یوسف حسین خاں) کا دوسرا ایڈیشن نگارشات لاہور نے شائع کیا ہے ــــــ پروفیسر اسلوب احمد انصاری کا مجموعہ "نقشِ اقبال" ملتان کے ایک ناشر نے "مطالعۂ اقبال کے چند پہلو" کے نئے نام سے شائع کیا ہے، مگر یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ نام کی یہ تبدیلی، مصنف کی اجازت سے عمل میں آئی ہے یا نہیں؟ پروفیسر محمد عثمان کی "فکرِ اسلامی کی تشکیل نو" بھی دوبارہ شائع ہوتی ہے۔ ہندوستانی دانش ور پروفیسر سعید احمد کی تصنیف "نوائے مشرق: علامہ اقبال اور مولانا مودودی کا ایک تقابلی مطالعہ" (دہلی ۱۹۸۳ء) کا پاکستانی ایڈیشن کراچی سے بہ وساطت فضلی سنز لمیٹڈ منظرِ عام پر آیا ہے۔

ضمیمہ ۱۹۸۴ء، ۱۹۸۵ء

کسی بھی ادبی یا علمی جائزے میں صد فی صد مطبوعات کا احاطہ قریب قریب ناممکن ہے۔ ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کے جائزوں کی اشاعت کے بعد دو کتابیں دستیاب ہوئیں۔ ڈاکٹر مبارک علی کی "سر سیدؔ اور اقبال" دو مقالات پر مشتمل مختصر سی کتاب ہے۔ پہلا مقالہ سر سیدؔ اور دوسرا اقبال کے بارے میں ہے ڈاکٹر مبارک علی کٹّر مارکسی نظریات رکھتے ہیں۔ مطالعۂ اقبالؔ کے ضمن میں ان کا زاویہ، روسی مصنفین یا برّ عظیم ہند و پاکستان کے ترقی پسند نقادوں سے مختلف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اقبالؔ کے ہاں ماضی کی عظمت اور شان و

شوکت کے تذکروں نے معاشرے میں جھوٹی انا اور بے جا فخر کے احساسات پیدا کیے، اسی طرح انھوں نے تہذیبِ مغرب، جمہوریت، جدیدیت، آرٹ، موسیقی سینما اور تھیٹر کی مخالفت کی، حالاں کہ:

"فنونِ لطیفہ نے اسی عہد میں انسانی شعور کو بیدار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے"

مصنّف نے علامہ کے تصورِ ملّتِ اسلامیہ پر بھی اعتراض کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ اقبال کی کوتاہی ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں اپنی جڑیں پیوست نہیں کیں۔ ڈاکٹر مبارک علی نے متحدہ قومیت کے حق میں مدرسۂ دیوبند کے ایک ترجمان مولانا عبیداللہ سندھی کے بعض اقتباسات بھی پیش کیے ہیں، جن میں علامہ پر تنقید کی گئی ہے۔ مصنّف کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ علامہ کی شاعری، معاشرے کو کوئی مثبت پیغام دینے میں ناکام رہی۔ افکارِ اقبال معاشرے کی ترقی اور شعور کو بیدار کرنے میں قطعی ناکام رہے اور مسلمان معاشرے کی تشکیل میں کوئی مثبت کردار ادا نہیں کر سکے۔

دوسری کتاب Modernity and Iqbal اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کے زیرِ اہتمام منعقدہ ایک مذاکرے کے سات انگریزی مقالات کا مجموعہ ہے اسی مذاکرے کے اردو مقالات (جدیدیت اور اقبال) کا تذکرہ ۱۹۸۵ء کے اقبالیاتی جائزے میں ہو چکا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے کے مقالہ نگاروں نے تعلیم، جمہوریت اور مادیت وغیرہ کے حوالے سے اقبال کے ہاں جدیدیت کے عناصر سے بحث کی ہے۔ مرتب پروفیسر آل احمد سرور کے خیال میں اقبال کو بنیاد پرست (Fundamentalist) یا قدامت پسند (Conservative) کہنا، قرینِ انصاف نہیں۔ انھیں سرسید کی اصلاحی تحریک کے سیاق و سباق میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مذہب کے

بارے میں وہ متحرک نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کی سوچ عقلی اور نقطۂ نظر سائنسی ہے۔

آخر میں ہم چند ایسے امور کا ذکر کرنا چاہتے تھے، جو اگرچہ اقبالیاتی ادب سے براہ راست متعلق نہیں، مگر بالواسطہ ان کے اثرات اقبالیاتی ادب اور اقبالیات پر مرتب ہوتے ہیں۔ اقبالیاتی ادب کی نشو و نما، ارتقا اور تدریج و ترقی میں ان کا گہرا دخل ہے اور یہ سب کسی نہ کسی طور مؤثر عوامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وفیّات

اس سال چند اقبالی شخصیّات ہم سے جدا ہو گئیں۔ ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ (پ: ۱۹۰۶ء) نہ صرف اقبالیات، بلکہ اردو، عربی اور فارسی ادب کی نامور شخصیت تھے۔ وہ اقبالیات کے نامور معلّم اور مستند نقّاد تھے۔ اقبالیات پر ان کی چار کتابیں اقبالیاتی ادب میں ان کی قابلِ فخر عطا قرار دی جا سکتی ہیں۔ وہ اس سال ۱۴ اگست کو، ہم سے جدا ہو گئے۔[۶۷] (سیّد مرحوم کی متفرق تحریروں اور خطوط (دربارۂ اقبالیات) پر مبنی تحریروں کا ایک مجموعہ، راقم کے زیرِ ترتیب ہے)۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی (پ: ۱۹۰۵ء) ایک نامور عالم، مصنّف، مؤرخ، مترجم اور ادیب تھے۔ حقیقی معنوں میں وہ ایک علمی شخصیّت تھے۔ انھوں نے چھوٹی بڑی پچاس کتابیں تصنیف کیں؛ جن میں "اقبال کے محبوب صوفیہ" اور "اقبال اور علمائے پاک و ہند" بھی شامل ہیں۔ دونوں کتابیں، اقبالیاتی ادب میں وقیع حیثیت رکھتی ہیں۔ اعجاز الحق قدوسی ۱۹ فروری کو مالکِ حقیقی سے جا ملے۔[۶۸]

غلام احمد نازؔ، کلامِ اقبال کے پہلے کشمیری مترجم ہیں۔ ان کا "اسرارِ خودی" کا منظوم ترجمہ، اقبال اکادمی نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا تھا۔ وہ اس سال ۱۸ نومبر

کو کراچی میں وفات پا گئے۔

تقاریب بہ یادِ اقبال

اس سال دو بین الاقوامی تقاریب منعقد ہوئیں۔ ۱۸ تا ۲۲ اپریل حیدر آباد دکن میں، اقبال اکیڈمی کے زیرِ اہتمام "عالمی اقبال سمینار" منعقد ہوا، جس میں بھارت کے علاوہ پاکستان، مصر اور برطانیہ سے مندوبین شریک ہوئے۔ یہ سمینار اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا انعقاد کسی سرکاری سرپرستی کے بغیر، اراکینِ اقبال اکیڈمی کی ذاتی جدّوجہد کے نتیجے میں ہوا۔ پاکستان سے ڈاکٹر معین الدین عقیل، جناب محمد احمد خاں، جناب سیّد مصباح الدین شکیل اور راقم شریک ہوئے۔ اس سمینار کے ذریعے علامہ اقبال اور ان کی شاعری سے اہلِ حیدر آباد کی دیرینہ وابستگی کی یاد تازہ ہوئی، اور حیدر آباد دکن میں اقبال دوستی و اقبال شناسی کی روایت کو مزید استحکام ملا۔[۶۹]

تہران کی اقبال کانگریس (۱۰-۱۲ مارچ) کا اہتمام، حکومتِ ایران نے کیا تھا۔ افتتاحی اجلاس میں صدر خامنہ ای کی مسلسل دو گھنٹے کی تقریر ایک غیر معمولی بات تھی۔ کانگریس میں ایران کے علاوہ پاکستان، شام، بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش کے مندوبین نے شرکت کی۔ پاکستانی وفد ڈاکٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، پروفیسر محمد منوّر، پروفیسر عبدالشکور احسن، ڈاکٹر سیّد محمد اکرم اور ڈاکٹر محمد ریاض پر مشتمل تھا۔[۷۰]

بھوپال کے ادبی مرکز نے "تہذیب عصرِ حاضر میں قدروں کا بحران اور اقبال" کے موضوع پر دو روزہ سمینار (۹-۱۰ نومبر) منعقد کیا۔ اس کا افتتاح مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ نے کیا۔ سیمینار میں بھارت کے متعدد ادیب، نقّاد اور اقبال شناس

شریک ہوئے۔

۲۱؍ اپریل اور ۹؍ نومبر کو ملک کے طول و عرض میں حسب روایت یوم اقبال کے جلسے منعقد ہوئے ان میں مرکزیہ مجلسِ اقبال کے جلسے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان کے حلقۂ اقبال نے بعض شخصیات کے ساتھ خصوصی نشستیں منعقد کیں۔ ڈاکٹر این میری شمل (۱۴؍ اکتوبر) نے "مغرب میں اقبالیات" موضوع پر لیکچر دیا۔ ڈاکٹر مبشر طرازی نے اپنے والد ماجد ڈاکٹر عبداللہ طرازی کے احوال و آثار پر گفتگو کی اور علامہ اقبال سے ان کی ملاقات و تاثر کا ذکر کیا۔

بیرونِ ملک تقاریب میں، شام کے مختلف شہروں اور اداروں میں منعقدہ اجتماعات بھی لائقِ ذکر ہیں، جن سے پروفیسر محمد منور کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔ ان کے دورہ شام سے وہاں مطالعۂ اقبال کا ایک رجحان پیدا ہونے کی قوی امید ہے۔ پروفیسر صاحب نے شام سے واپسی پر ابوظہبی اور دوبئی میں منعقدہ تقاریبِ اقبال سے خطاب کیا۔ توقع ہے ان تقاریب کے نتیجے میں خلیجی ممالک میں اقبال شناسی کو فروغ ہوگا۔

انعامات و اعزازات

حکومتِ پاکستان نے "زندہ رود" کو ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۴ء اقبالیات کی بہترین کتاب قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کو ۲۵ ہزار روپے اور ایک طلائی تمغے کا مستحق قرار دیا ہے۔

انٹرنیشنل اقبال ایوارڈ کمیٹی نے سید خلیل اللہ حسینی (صدر اقبال اکیڈمی حیدرآباد دکن) کو ان کی غیر معمولی اقبالی خدمات پر ۱۹۸۶ء کا اقبال ایوارڈ عطا کیا۔ اس ایوارڈ کے ساتھ ساڑھے بارہ ہزار روپے کی رقم بھی شامل ہے۔

تقسیم کے بعد دکن میں اقبال شناسی کی روایت میں تسلسل و استحکام بڑی حد تک حسینی صاحب کی ان تھک جدّوجہد کا نتیجہ ہے۔ حیدرآباد کی نوجوان نسل کے ذہنوں میں علامہ اقبال کا امیج بنانے اور بلند کرنے میں ان کی کاوشوں کو خاصا دخل ہے۔ بلاشبہ وہ اقبال ایوارڈ کے مستحق تھے۔ حسینی صاحب حیدرآباد میں مقیم ہیں اور صاحبِ فراش ہیں۔ خدا انھیں صحت و تندرستی سے نوازے۔

اقبال اکیڈمی حیدرآباد دکن نے بین الاقوامی سمینار کے موقع پر اقبال ایوارڈ، دکن کے مرحوم اقبال شناس ڈاکٹر عالم خوندمیری اور ہریانہ کے گورنر جناب مظفر حسین برنی کو مشترکہ طور پر عطا کیا۔ ۱۹۸۵ء میں پہلا ایوارڈ دکن کے ممتاز اقبال شناس پروفیسر غلام دستگیر رشید کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اقبال اکادمی بھوپال نے "امتیازِ اقبال" کے نام سے اس سال کا ادبی ایوارڈ، پروفیسر عبدالقوی دسنوی کو دینے کا اعلان کیا دسنوی صاحب اقبالیات پر متعدد کتابوں کے مصنّف اور ہندوستان کے نامور اقبال شناس ہیں۔

بھوپال کی صوباتی حکومت نے بہترین اقبالی خدمات پر پچاس ہزار روپے کا اقبال ایوارڈ جاری کیا ہے۔ نومبر میں منعقدہ سمینار کے موقع پر، جناب علی سردار جعفری پہلے اقبال ایوارڈ کے مستحق قرار پاتے۔

یادگار

جناب ممنون حسن خان اور بعض دوسرے اقبال دوستوں کی پیہم کاوشوں کے نتیجے میں، ۱۹۸۲ء میں مدّھیہ پردیش کی حکومت نے شیش محل بھوپال کے سامنے واقع پارک کو "اقبال میدان" قرار دیا تھا۔ ۹ جون ۱۹۸۴ء کو صوباتی وزیراعلیٰ ارجن سنگھ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہاں متعدد کتبے لگاتے گئے،

شاہین کی شبیہ نصب ہوتی ، اور اس جگہ کو ایک چھوٹے سے خوب صورت پارک کی شکل دی گئی"۔ اسی سال ۱۴ فروری کو وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش جناب موتی لال دوارنے اقبال میدان کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ یہ میدان اور اس میں نصب کتبے ، یہاں سے گزرنے والوں کو اس مردِ درویش کی یاد دلاتے ہیں ، جو آج سے تقریباً پچاس برس پہلے چند ماہ کے لیے اس میدان سے بالمقابل واقع شیش محل میں مقیم رہا تھا۔ اہلِ بھوپال کے دِل آج بھی اس کی یاد سے معمور ہیں ۔

جامعاتی تحقیق

پروفیسر صدیق جاوید نے دو سال پہلے "اقبال کے عمرانی تصورات" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ پنجاب یونیورسٹی میں داخل کیا تھا۔ یونیورسٹی نے انھی دنوں موصوف کو ڈگری عطا کر دی ہے ۔ انھی دنوں محمد آفتاب ثاقب نے " اردو شاعری پر اقبال کے اثرات " کے عنوان سے پنجاب یونیورسٹی میں اپنا مقالہ داخل کیا ہے ۔ بعض موضوعات پر کام ہو رہا ہے ۔ مثلاً شعبۂ اردو سے جناب صابر کلوروی "باقیاتِ کلامِ اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ " کے زیرِ عنوان اپنا تحقیقی مقالہ مرتب کر رہے ہیں۔ بھوپال یونیورسٹی میں پروفیسر آفاق احمد کی نگرانی میں فرزانہ رضوی "اقبال کے اُردو کلام کی شرحوں کا تجزیاتی مطالعہ" پر تحقیق کر رہی ہیں۔ اورینٹل کالج لاہور میں اقبالیات کے مختلف موضوعات پر ایم اے کے تین مقالے تیار کیے جا رہے ہیں۔

اقبالیاتی ادارے

برّعظیم کے اقبالیاتی ادارے بھی سرگرمِ عمل ہیں۔ اقبال اکادمی نسبتاً زیادہ فعّال رہی۔ اکادمی نے اس برس دیگر موضوعات کے علاوہ صرف اقبالیات پر گیارہ نئی کتابیں اور علمی مجلّات کے پانچ شمارے شائع کیے۔ مطبوعات کے علاوہ اکادمی نے اقبالیات پر متعدد علمی نشستیں منعقد کیں۔

اکادمی میں متعدد منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔ قاموسِ اقبال (اقبال انسائیکلوپیڈیا) کی تفصیلات طے ہو چکی ہیں۔ رقم فراہم ہوتے ہی اس پر کام شروع ہو جائے گا۔ علامہ کے فارسی کلام کی تسہیل، کئی جلدوں میں شائع ہوگی۔ اس کا بہت سا حصّہ تیار ہو چکا ہے اور زیرِ اشاعت ہے۔ مزید برآں جناب ایم سعید شیخ کے مرتبہ نسخے کی بنیاد پر، خطباتِ اقبال کا ایک سلیس ترجمہ (مع تشریح و حواشی) زیرِ تالیف ہے۔ اسی طرح "کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" کا ایک منصوبہ بھی زیرِ غور ہے۔ "کلیاتِ اقبال، فارسی" کا اشاریہ اور متعدد اہم کتابیں زیرِ طبع ہیں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبۂ اقبالیات نے تین کتابیں اور بزمِ اقبال لاہور نے دو کتابیں شائع کیں۔ بزمِ اقبال کے مجلّے "اقبال" کی اشاعت تعطّل کا شکار ہے ـــــ اقبال یونیورسٹی کا شعبۂ اقبالیات بھی دو برس سے عملاً حالتِ تعطّل میں ہے، کیونکہ پروفیسر محمد منوّر صاحب کی سبک دوشی کے بعد، یونیورسٹی کو تاحال شعبے کے لیے کوئی موزوں صدر نشیں دستیاب نہیں ہو سکا ـــــ کشمیر یونیورسٹی سری نگر کا ادارہ اقبال انسٹی ٹیوٹ ماضی میں خاصا فعّال رہا، مگر اب دو ایک برس سے اس کی سرگرمیاں کچھ ماند پڑتی دکھائی دیتی ہیں۔

اس برس اس نے کوئی کتاب شائع نہیں کی، صرف "اقبالیات" کا ایک شمارہ چھاپا ہے ـــــــ بھوپال کے اقبال ادبی مرکز کو تاحال شیش محل کا قبضہ نہیں مل سکا۔ اسے ناگرک بنک سے خالی کرانے کے بعد ہی، مرکز اپنے منصوبوں کو خاطر خواہ طریقے سے بروئے کار لاسکے گا۔ بھوپال ہی میں "اقبال اکادمی" کے نام سے ایک نئے ادارے کے قیام کا اعلان ہوا ہے[۸۶] ـــــــ اقبال اکیڈمی حیدرآباد نے، اس سال عالمی اقبال سیمینار منعقد کرایا، مگر اس کے بعد سے اکیڈمی خاموش ہے۔ شاید:

ع کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو

کی صورت ہے۔ اس کا علمی مجلّہ "اقبال ریویو" بھی خاصے عرصے سے شائع نہیں ہوسکا ـــــــ کلکتہ یونیورسٹی میں دو سال پہلے اقبال چیئر قائم ہوئی تھی، مگر تاحال خالی چلی آرہی ہے۔ پہلے فیض احمد فیض کا تقرر ہوا۔ وہ یہ منصب نہ سنبھال سکے۔ پھر ڈاکٹر قمر رئیس نامزد ہوئے، مگر:

ع کون جائے ذوقؔ، پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر

اب پروفیسر جگن ناتھ آزاد کو پیش کش ہوئی ہے، مگر وہ بھی کلکتہ جانے پر رضامند نہیں کیوں کہ موصوف "روداد اقبال" کی تکمیل میں مصروف ہیں، جو اُن کے نزدیک "اقبال چیئر" پر فائز ہونے سے زیادہ اہم کام ہے ـــــــ کیمبرج اور ہائیڈل برگ میں کئی سال سے دو الگ الگ اقبال چیئرز قائم ہیں۔ ان پر بعض پاکستانی فضلاء فائز رہے ہیں۔ اقبالیات کے باب میں ان کا حاصل کیا ہے؟ ان مسندوں کے ذریعے تحقیقِ اقبال میں کیا پیش رفت ہوئی؟ اور انھوں نے کیا علمی کارنامہ انجام دیا؟ یہ ہمیں نہیں معلوم، اور غالباً کسی کو بھی معلوم نہیں۔

حرفِ آخر

۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی ادب پر مجموعی نظر ڈالتے ہوئے یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ:

- نو خطوط کے علاوہ، علامہ کے ایک غیر مطبوعہ مضمون Bedil in the light of Bergson کی دریافت
- انگریزی خطبات کے محشّٰی ایڈیشن کی تدوین
- سوانح اقبال پر ڈورسس احمد کی یادداشتوں اور اقبال کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ڈاکٹر سلطان محمود حسین کی مہیا کردہ بعض تفصیلات
- اردو کلام کے اشاریے

کو ۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی ادب میں بیش قیمت اضافہ قرار دیا سکتا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں شائع شدہ ایک مضمون میں بجا طور پر یہ شکوہ کیا گیا تھا کہ علامہ کے انگریزی خطبات کی نہ:

> "کوئی کمنٹری یا تشریح ملتی ہے، نہ ان کا کوئی موضوعی انڈکس تیار کیا گیا ہے، نہ کوئی درسی حاشیہ تک ہے۔ ان کا جائزہ اور محاکمہ تو بہت بعد کی، اور بہت بڑی بات ہے۔"[۲]

پروفیسر محمّد سعید شیخ کے مرتبہ ایڈیشن سے اس شکوے کی بڑی حد تک تلافی ہو گئی ہے۔ گذشتہ برس کے اقبالیاتی ادب میں مطالعۂ خطبات کا ایک رجحان نمایاں تھا، خطبات کے اس ایڈیشن، نیز "تسہیل خطباتِ اقبال" سے اس

رجحان کو مزید تقویت ملی ہے۔ (خطبات کے علاوہ علامہ کی دیگر اردو اور انگریزی نثری تحریریں بھی اسی طرح کی تحقیقی اور تنقیدی تدوین چاہتی ہیں)۔

اس سال کے اقبالیاتی ادب پر حسابی نگاہ ڈالیں، اور گذشتہ دو سال کی مطبوعات سے اس کا موازنہ کریں تو نقشا کچھ یوں بنتا ہے۔

	۱۹۸۴ء	۱۹۸۵ء	۱۹۸۶ء
کتابیں + تحقیقی مقالات	۳۹	۳۶	۵۱
اقبال نمبر (مجلات)	۸	۲	۱۱
جملہ مطبوعات	۴۷	۳۸	۶۲

ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال حوصلہ افزا ہے۔ تاہم محض اقبالیات کی مقداری پیش رفت، ہمارے لیے وجہِ اطمینان نہیں بن سکتی۔ اقبالیاتی ادب کا معیار بلند کرنے، اور اقبالیاتی پیش رفت کے لیے تنظیم، منصوبہ بندی اور اہداف و ترجیحات متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف ادارے اور افراد اپنے تئیں سرگرمِ عمل ہیں۔ فروری ۱۹۸۷ء میں علی گڑھ میں منعقدہ سیمینار میں اتفاقِ رائے سے ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک اقبال انسٹی ٹیوٹ کے قیام، کلامِ اقبال کی تنقیدی تدوین اور اقبال انسائی کلوپیڈیا کی تیاری میں سفارش کی گئی ہے[۲۷]۔ معلوم ہوا ہے کہ سید مظفر حسین برنی، مکاتیبِ اقبال کو، کلیات کی صورت میں مرتب کر چکے ہیں۔
علامہ اقبال سے اہلِ ہندوستان کی دلچسپی کے ضمن میں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ صوبہ اتر پردیش کے ایک سابق گورنر اور کلامِ اقبال کے تیلگو مترجم جناب گوپال ریڈی نے، عالمی اقبال سیمینار حیدر آباد دکن کے موقع پر ــــــــ سیمینار کے منتظمین کو متوجہ کیا کہ اپریل ۱۹۸۸ء میں اقبال کی پچاسویں برسی منائی جائے گی۔ اس موقع پر ایک بڑی کانفرنس کے انعقاد کے لیے ابھی سے تیاری کی جائے۔ حال ہی میں مجلہ "اوراق"

(اپریل مئی ۱۹۸۷ء) نے اسس تجویز کو دُہرایا ہے۔ اہلِ ہندوستان اقبال کی پچاسویں برسی جس انداز میں بھی منائیں، دیکھنا یہ ہے کہ اقبال کے اہلِ وطن، پاکستان میں اسس یادگار موقع پر کس سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں؟

اقبالیاتی ادب کی ایک ضرورت یہ ہے کہ پامال موضوعات کو مزید پامالی سے بچایا جائے۔ کرنے کے بہت سے کام ہیں اور تحریر و تصنیف کے لیے خاصی گنجایش موجود ہے، مگر سرسری، رسمی اور سطحی تحریروں سے اجتناب ضروری ہے۔ اسس سے لکھنے والا تو اپنا بھرم کھوتا ہے، اقبالیاتی ادب کا وقار بھی مجروح ہوتا ہے۔ ہمارے متعدد اقبالی مصنّفین کے مقالات و کتب میں، بہ لحاظ تحریر و تصنیف اور تدوین، ایک غیر علمی انداز ملتا ہے۔ حوالے ندارد یا ادھورے اور نامکمل۔ اشعار میں تصرّفات۔ غیر متعلق بحث اور بلا جواز طوالت اور پھیلاؤ۔ مغز کم اور چھلکا زیادہ ـــــ نہ دقتِ نظر ہے، نہ احتیاط ہے اور نہ باریک بینی، اسس کے بغیر آخر معیار کیسے قائم ہوگا۔ اسس سلسلے میں اقبالیاتی اداروں پر نسبتاً زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مسوّدات کی تدوین اور کتابوں کی اشاعت و پیش کش میں ان کا قائم کردہ معیار، پرائیویٹ ناشرین کے لیے دلیلِ راہ بن سکتا ہے۔

ایک اور بڑا مسئلہ اقبال اور اقبالیات کی حرمت کا ہے۔ اقدار و روایات کی پامالی کے اسس دور میں، علّامہ اقبال بھی محفوظ نہیں۔ وطنِ عزیز میں ایک عہدیدار، حکومت کے کارندے یا کسی فرد کے خلاف آپ کچھ کہہ دیں یا لکھ دیں، تو وہ ازالہ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ دائر کر کے، آپ کو عدالت میں لا کھڑا کرے گا۔ مگر علّامہ اقبال کے خلاف، جو شخص جو چاہے کہے، جو چاہے لکھے، اُسے کوئی لگام دینے والا نہیں۔ جی ایم سیّد، اقبال پر تبرّیٰ بازی کریں، ہیجو سبّ و شتم کریں یا ہمارے گویّے کلامِ اقبال کا مُثلہ کریں، کوئی پوچھنے والا نہیں ـــــ میری

اسس تلخ نواتی کو ممکن ہے اقبالیاتی ادب کی حدود سے متجاوز قرار دیا جائے، مگر میر النقطۂ نظر یہ ہے کہ اقبال، اقبالیات اور اقبالیاتی ادب کو اہلِ پاکستان کی اجتماعی زندگی اور ان کے ملّی احساسات سے منقطع کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

اسی تسلسل میں ایک سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں متعدد نامور اقبالیین موجود ہیں، اور علامہ اقبال کا نام اور ان کے کلام کا علم سربلند رکھنے کے لیے ان کی لائقِ ستائش سرگرمیاں جاری ہیں۔ اقبالیاتی ادارے بھی سرگرمِ کار ہیں۔ مطبوعات و تصانیف کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مضامین لکھے اور چھاپے جا رہے ہیں۔ یادگاری جلسے بھی منعقد ہو رہے ہیں اور تحریری و تقریری نیز کوئز مقابلے بھی — مگر اس سب کچھ کے باوجود ہماری سیاسی، تعلیمی، معاشرتی اور ثقافتی زندگی پر اقبال اور فکرِ اقبال کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟ ہم اپنی اجتماعی سرگرمیوں میں اقبال اور ان کے پیغام کو کیا اہمیت دیتے ہیں، اور فکرِ اقبال کا ہماری سیاست، تعلیم، معاشرت اور تمدّن سے کیا ربط بنتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں خاصی مایوس کُن صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ جناب محمد صلاح الدین کے بقول:

> "ٹی وی پر سال بھر میں کرکٹ یا کسی چائے کی پتّی کے اشتہارات اور اقبال کو دیے جانے والے مجموعی مجموعی وقت کا موازنہ کر لیجیے، قدرِ اقبال کی حقیقت کُھل جائے گی۔"[۴۲]

ہمیں اپنی اقبال دوستی اور بحیثیت پاکستانی قوم، مفکّرِ پاکستان کی جانب اپنے اجتماعی رویّے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اپنی کھیلوں اور دیگر تفریحی اور ثقافتی سرگرمیوں

اور میوں پر ہم جس قدر رقم خرچ کرتے ہیں اگر اسس کا نصف بھی اقبال کے،
تعارف، ان کے کلام کے تراجم اور فکرِ اقبال کی نشر و اشاعت پر خرچ کیا جاتے، تو
بالیقین لاہور تا خاکِ بخارا و سمرقند اقبال کا نام گونجنے لگے گا۔

---

۵ بھارت کی ایک صوباتی حکومت مدھیہ پردیش کے جاری کردہ اقبال ایوارڈ
کی انعامی رقم پچاس ہزار روپے ہے، مگر ہمارے ہاں اقبالیات کی بہترین
کتاب پر، وفاقی حکومت کی انعامی رقم ۲۵ ہزار روپے ہے (جسے حال
میں بڑھا کر ۴۰ ہزار کیا گیا ہے)۔ یہ انعام بھی سال بہ سال نہیں، ہر تین
سال بعد دیا جاتا ہے ـــــــ البتہ اقبال اکادمی پاکستان نے اقبالیاتی
تراجم، تدوین اور تحقیق پر ایک نیا انعام جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: "۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب، ایک جائزہ"۔
لاہور، ۱۹۸۶ء۔ ص ۹

۲۔ Relics of Allama Iqbal ۔ لاہور، ۱۹۸۲ء۔ ص ۱۱

۳۔ پروفیسر حمید احمد خاں: "اقبال کی شخصیت اور شاعری"۔ لاہور، ۱۹۷۴ء
ص ۸۱

۴۔ پروفیسر محمد منوّر: "علامہ اقبال کی فارسی غزل"۔ لاہور، ۱۹۷۷ء۔ ص ۱۱۹

۵۔ Stray Reflections: لاہور۔ ۱۹۶۱ء۔ ص ۵۴

۶۔ پروفیسر حمید احمد خاں: کتابِ مذکور۔ ص ۸۲

۷۔ روایت پروفیسر حمید احمد خاں، کتابِ مذکور۔ ص ۸۴

۸۔ روایت مولانا محمد عمر خاں، بحوالہ پروفیسر حمید احمد خاں: کتابِ مذکور
ص ۸۴-۸۵

۹۔ مشمولہ، "مقالاتِ اقبال" (مرتبہ: سید عبدالواحد معینی) لاہور، ۱۹۶۳ء
ص ۱۶۰ تا ۱۸۶

۱۰۔ آل احمد سرور: "اقبالیات"، سری نگر۔ ۱۹۸۶ء۔ ص [۶]۔

۱۱۔ مشمولہ "ملفوظات" (مرتبہ، محمود نظامی) لاہور، س ن۔ ص ۳۴

۱۲۔ بہ حوالہ، پروفیسر احمد سعید: "حصولِ پاکستان"۔ لاہور، ۱۹۸۵ء۔ ص ۱۷۷

۱۳۔ مکتوب بنام چودھری نیاز علی، مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء۔ مشمولہ: "اقبال نامہ" جلد اوّل (مرتبہ، شیخ عطاء اللہ) لاہور۔ [۱۹۴۵ء] ص ۲۴۹

۱۴۔ مکتوب بنام مولوی صالح محمد، مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۱ء۔ مشمولہ: "اقبال نامہ" دوم (مرتبہ، شیخ عطاء اللہ) لاہور۔ ۱۹۵۱ء۔ ص ۳۸۷

۱۵۔ "مقالات اقبال" کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۸۲ء) میں، محمد عبداللہ قریشی نے طبع اوّل کے مشمولات پر، نو تحریروں کا اضافہ کرتے ہوئے مجموعے کا اصل نام اور سرورق پر اس کے مرتب کا نام برقرار رکھا، البتہ اضافوں کی وجہ سے شریک مرتب کے بہ طور، اپنا نام بھی درج کر دیا ــــ ویسے اقبالیات کی تاریخ میں بعض مرتبین نے دلچسپ "کارنامے" انجام دیے ہیں، مثلاً: "ملفوظاتِ اقبال" (طبع اوّل: س ن۔ طبع دوم [۱۹۴۹ء]) کے تیسرے ایڈیشن میں ایک صاحب نے، طبع دوم کے پندرہ مضامین پر دو مضامین کے اضافے اور حواشی و تعلیقات کے بعد، سرورق سے مرتب [محمود نظامی] کا نام اڑا دیا، اور "ترتیب و تدوینِ اشاعتِ جدید کی [اس] خدمت" کے عوض کتاب پر بہ طور مرتب صرف اپنا نامِ نامی ثبت کر دیا۔

۱۶۔ لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۱۷۔ آر اے نکلسن The Secrets of the Self، لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۱۴

۱۸۔ اے آر طارق: Secrets of Ego، لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۶۱

۱۹۔ مقبول الٰہی: The Secrets of the Self، لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۳۔

۲۰۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی : "تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ"، لاہور
۱۹۸۲ء۔ ص ۲۴۔
۲۱۔ "اقبال کی شخصیت اور شاعری" : بزم اقبال لاہور۔ ۱۹۷۴ء۔ ص 115
۲۲۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار : تاریخ اورنٹیل کالج"، لاہور۔ ۱۹۶۲ء۔ ص ۱۴۵
۲۳۔ "ذکرِ اقبال" : بزم اقبال لاہور [۱۹۵۴ء] ص ۱۷۔
۲۴۔ دیکھیے : اقبال کا استعفیٰ نامہ، مشمولہ : "علامہ اقبال کے چند غیر مدون خطوط"
(مرتبہ : رفیع الدین ہاشمی) "اقبال ریویو"، لاہور۔ جنوری ۱۹۸۳ء۔
۲۵۔ ڈاکٹر وحید قریشی۔ "اخبار اردو" اسلام آباد۔ فروری ۱۹۸۷ء۔ ص ۲۷
۲۶۔ مضمون : "طالب علم اقبال" در : "اقبال ریویو" لاہور۔ جولائی ۱۹۸۳ء۔
۲۷۔ شیخ اعجاز احمد نے اپنے والد کی سروس بک کے اے سے ۱۸۵۹ء کو
اُن کا سالِ ولادت قرار دیا ہے ("مظلوم اقبال"، ص ۴۸)
۲۸۔ در "نقوش" اقبال نمبر ۲۔ دسمبر ۱۹۷۷ء۔
۲۹۔ دیکھیے حوالہ نمبر ۲۴
۳۰۔ دیکھیے : حوالہ نمبر ۲۵
۳۱۔ اِنّما اموالکم و اولادکم فتنۃ ○ التّغابن : ۱۵
۳۲۔ چراغ حسن حسرت (مرتب) "اقبال نامہ" : لاہور ۱۹۴۰ء۔ ص ۹۸
۳۳۔ تاریخ تصوّف (مرتبہ : صابر کلوروی) مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔ ۱۹۸۵ء۔
ص ۱۲۸۔
۳۴۔ (ا) یوسف سلیم چشتی : "شرح بال جبریل"۔ لاہور۔ س ن۔ ص ۱۳۱
(ب) غلام رسول مہر : "مطالب بال جبریل"۔ لاہور۔ ۱۹۸۲ء۔ ص ۱۹
(ج) نشتر جالندھری : "موجِ سلسبیل"۔ لاہور۔ س ن۔ ص ۴

۳۵ (الف) نظر حیدرآبادی: "اقبال اور حیدرآباد" - اقبال اکادمی پاکستان کراچی۔ ۱۹۶۱ء۔

(ب) عبدالرؤف عروج: "اقبال اور بزمِ اقبال" (حیدرآباد دکن) کراچی۔ ۱۹۷۸ء۔

۳۶۔ محمد رفیق افضل (مرتب): "گفتارِ اقبال"۔ لاہور۔ ۱۹۶۹ء۔

۳۷۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی: "اقبال کے آخری دو سال"۔ لاہور۔ ۱۹۶۱ء۔ ص ۵۵۰

۳۸۔ بہ حوالہ "گفتارِ اقبال" ص ۲۰۸۔ نیز: "اقبال کے حضور"، کراچی۔ ۱۹۷۱ء۔ ص ۲۹۸

۳۹۔ "تکبیر" کراچی۔ ۵ جون ۱۹۸۷ء۔ ص ۳۸

۴۰۔ "سیارہ"، لاہور۔ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۳۲۷

۴۱۔ "تکبیر"، مذکورہ شمارہ۔ ص ۳۹

۴۲۔ "سیارہ"، مذکورہ شمارہ۔ ص ۳۲۶

۴۳۔ (الف) خامہ بگوش: "تکبیر"۔ مذکورہ شمارہ

(ب) پروفیسر اسرار احمد سہاروی: "سیارہ"، مذکورہ شمارہ

(ج) [نعیم صدیقی]: "ترجمان القرآن"، لاہور۔ ستمبر ۱۹۸۶ء۔

(د) شہاب قدوائی: "قومی زبان"، لاہور۔ ستمبر ۱۹۸۶ء

۴۴۔ "سیارہ": مذکورہ شمارہ، ص ۳۲۷

۴۵۔ "ترجمان القرآن"، لاہور۔ ستمبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۷

۴۶۔ اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ کتاب کی اشاعت سے مایوس ہو کر محمد امین زبیری نے سوچا، کتاب کی اشاعت سے نہ سہی، اس کی

عدم اشاعت ہی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے ایک عقیدت مند کو، جو ایک بڑے سرکاری عہدے دار تھے، یہ پیغام بھجوایا کہ تمھارے ممدوح کے خلاف ایک نہایت خطرناک کتاب شائع ہونے والی ہے اگر تم علامہ کو دائمی رسوائی سے بچانا چاہتے ہو، تو مصنف سے اس کا مسوّدہ خرید لو۔ سرکاری عہدیدار شریف آدمی تھے۔ انھوں نے سوچا، کتاب چھپے گی تو بدمزگی پیدا ہوگی۔ انھوں نے شر کا راستہ بند کرنے کے خیال سے مسوّدہ خرید لیا۔ لیکن منشی صاحب کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے۔ انھوں نے مسوّدے کی کئی نقلیں تیار کر رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک سرکاری عہدیدار کو دے دی۔ وہ مطمئن ہو گئے کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ ادھر منشی صاحب نے اپنی کتاب کو کسی غیر ملک، خصوصاً بھارت میں چھپوانے کی کوشش کی کہ یہاں نہیں تو وہاں چھپ جائے، لیکن وہاں بھی اس کارِ فضول کی اشاعت پر کوئی راضی نہیں ہوا۔ (خامہ بگوش: تکبیر، مذکورہ شمارہ)

۴۷۔ مکتوب بنام جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال: "نوائے وقت" لاہور۔ ۲۴ اگست ۱۹۸۶ء

۴۸۔ مجلہ "اوراق"۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۵۷

۴۹۔ "کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ": لاہور۔ ۱۹۶۵ء۔

۵۰۔ Descriptive Catalogue of Allama Iqbal's Personal Library: مرتبہ: محمد صدیق۔ لاہور۔ ۱۹۸۳ء۔

۵۱۔ از ڈاکٹر اخلاق اثر۔ بھوپال۔ ۱۹۸۳ء۔

۵۲۔ دیکھیے: پروفیسر رحیم بخش شاہین کا مضمون، در: "اسلامی تعلیم" لاہور، مارچ تا جون ۱۹۷۴ء۔

۵۳۔ مقدمہ: "برہانِ اقبال"۔ لاہور۔ ۱۹۸۲ء۔ ص ز، ا ا

۵۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: "کتابیاتِ اقبال" (مرتبہ: رفیع الدین ہاشمی) لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۵۹

۵۵۔ مقالاتِ اقبال (مرتبہ: عبدالواحد معینی) لاہور۔ ۱۹۶۳ء۔ ص ۲۳۷، ۲۳۸

۵۶۔ (ا) محمد احمد خاں: "اقبال کا سیاسی کارنامہ"۔ لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔

(ب) ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی: "اقبال کے آخری دو سال"۔ لاہور۔ ۱۹۶۱ء و بہ لعد۔ نیز: "اقبال اور تحریک پاکستان"۔ لاہور۔ ۱۹۶۷ء۔

(ج) پروین فیروز حسن: The Political Philosophy of Iqbal، لاہور۔ [۱۹۷۰ء] (اس کتاب کا ترجمہ بہ عنوان: "اقبال کا فلسفہ سیاست" از ریاض الحق عباسی لاہور۔ [۱۹۷۷ء]

(د) ڈاکٹر عبدالحمید: "اقبال بحیثیتِ مفکرِ پاکستان"۔ لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔

(ہ) پروفیسر احمد سعید: "اقبال اور قائداعظم"۔ لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔

(و) محمد صدیق قریشی: "اقبال مثالیک سیاست دان"۔ جہلم۔ [۱۹۷۷ء]

(ز) ریاض حسین: The Politics of Iqbal لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔

(ح) محمد حنیف شاہد: "اقبال اور پنجاب کونسل"۔ لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔

۵۷۔ مشمولہ: "تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ"۔ ص ۴۴۸ تا ۴۶۸

۵۸۔ محمد احمد خاں: "اقبال کا سیاسی کارنامہ"۔ لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۹۱۔

۵۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر محمد منوّر کا مضمون "جمہوریہ شام میں یومِ اقبال کی تقاریب"۔ نوائے وقت لاہور ۱۲،۷، ۱۳، ۱۷، ۱۸ فروری ۱۹۸۷ء۔

۶۰۔ "نوائے وقت" لاہور۔ ۱۳ فروری ۱۹۸۷ء۔

۶۱۔ یہ مراسلہ سید اسعد گیلانی کی تصنیف "اقبال، دارالاسلام اور مودودی"

(لاہور۔ ۱۹۷۸ء) میں شامل ہے۔

۶۲۔ تبصرہ، در "کتاب" لاہور۔ فروری ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۱

۶۳۔ لاہور۔ س ن

۶۴۔ (ا) مذکورہ کتاب کا مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ

(ب) مذکورہ کتاب پر تبصرہ از ڈاکٹر وحید قریشی: "قومی زبان" کراچی۔ نومبر ۱۹۷۷ء۔ ص ۲۲۳، ۲۲۴۔

۶۵۔ اقبال احمد انصاری۔ "نقد و نظر" علی گڑھ۔ دسمبر ۱۹۸۳ء۔ ص ۲۰۶

۶۶۔ "اقبال کا نظامِ فن"۔ نئی دہلی۔ ۱۹۸۵ء۔ ص ۱۰۹

۶۷۔ سید مرحوم کی شخصیت اور علمی کارناموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

(ا) شخصی کوائف نامہ، ڈاکٹر سید عبداللہ۔ لاہور۔ ۱۹۸۲ء۔

(ب) "اخبارِ اردو" کا محسنِ اردو نمبر۔ اسلام آباد۔ جنوری ۱۹۸۷ء۔

۶۸۔ دیکھیے: ڈاکٹر ارشاد الحق قدوسی کا مضمون "جسارت" کراچی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۸۶ء۔ نیز: تعزیتی شذرہ از تسنیم میناتی: "فاران" کراچی، فروری ۱۹۸۶ء۔

۶۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

(ا) "عالمی اقبال سیمینار" از مرزا تدبیر بیگ۔ "سب رس" کراچی۔ جولائی ۱۹۸۶ء۔

(ب) "اقبال پر ایک یادگار عالمی اجتماع" از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ "اقبالیات" لاہور۔ جولائی ۱۹۸۶ء۔

۷۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

(ا) "تہران میں علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت" از ڈاکٹر کلیم سہسرامی:

"قومی زبان" کراچی۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔

(ب) جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال سے انٹرویو، "نوائے وقت" (میگزین)
لاہور۔ ۲۳ مئی ۱۹۸۶ء۔

(ج) "سخنی پیرامون کنگرہ بین المللی اقبال در تہران" از ڈاکٹر شہین مقدم
صفیاری :۔ "اقبالیاتِ فارسی" لاہور۔ ۱۹۸۷ء۔

۷۱۔ بہ حوالہ "ہماری زبان" دہلی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۸۶ء۔

۷۲۔ مختار صدیقی : "ماہِ نو" لاہور۔ اپریل ۱۹۸۵ء۔ ص ۱۵

۷۳۔ "قومی زبان" کراچی۔ اپریل ۱۹۸۷ء۔ ص ۸۹

۷۴۔ ہفت روزہ "تکبیر" کراچی۔ ۲۷ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۵۰

کتابیاتِ اقبال، ۱۹۸۶ء

(وضاحتی)

آیندہ صفحات میں "۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب" میں مذکور جملہ مطبوعات کی وضاحتی کتابیات دی جا رہی ہیں، جو کتابوں اور اقبال نمبروں کے کتابیاتی کوائف، اور ان کے مندرجات و مباحث کی تفصیل پر مبنی ہے۔ یہ تفصیلی کوائف مضمون کے اندر دینے کا محل نہ تھا، اس لیے انھیں یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ کتابوں کے علاوہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والے متفرق مضامین و مقالات کی فہرست بھی دی جا رہی ہے ——— زیرِ نظر کتاب، بہ یک نظر اقبالیات کا سالانہ رفتار پیما بھی ہے۔

اس کتابیات کو حسبِ ذیل گیارہ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے :

۱۔ تصانیفِ اقبال

۲۔ تراجم اقبال

۳۔ کتبِ حوالہ

۴۔ اقبال کے سوانح اور شخصیّت

۵۔ فکر و فن پر تنقیدی کتابیں

۶۔ متفرق کتابیں

۷۔ تشریحاتِ اقبال

۸۔ جامعات کے تحقیقی مقالے

۹۔ اقبال نمبر

۱۰۔ مضامین و مقالات ۱۱۔ منظومات

اس میں گذشتہ سالوں کے ایسے حوالے بھی شامل کیے گئے ہیں، جو ۱۹۸۵ء کی کتابیات میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ ممکن ہے ۱۹۸۶ء کے بعض حوالے بھی، زیرِ نظر کتابیات میں نہ آ سکے ہوں۔ قارئین کی جانب سے ایسے حوالوں کی نشان دہی کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

تصانیفِ اقبال

اقبال، علامہ محمد (ترتیب و تعلیقات: ایم سعید شیخ)

○ The Reconstruction of Religious Thought in Islam

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ [۲۳] + ۲۴۹ ص۔ ۲۱½×۱۴ سم۔ ۱۲۵ روپے۔ عرضِ مرتب۔ [خطباتِ اقبال کا متن تعلیقات اور حوالے۔ کتابیات۔ قرآنی اشاریہ۔ [عمومی] اشاریہ]

———— (مرتبہ: محمد شریف بقا)

○ موضوعاتِ اقبال: ترسیل پبلی کیشنز لاہور۔ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ۱۱۰ ص۔ ۲۱½ × ۱۴ سم۔ ۲۰ روپے۔ سرِ آغاز از ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ تقریظ از خالد بزمی۔ پیش لفظ از مرتب۔ "مختلف موضوعات پر علامہ اقبالؒ کے اردو اشعار کا انتخاب (مشکل الفاظ کے معنی کے ساتھ)"

———— (مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی)

○ اقبال بنام شاد : بزمِ اقبال لاہور۔ جون ۱۹۸۶ء - [۱۶] + ۸۰۴ ص۔ ½۲۰ × ½۱۳ س م - ۵۰ روپے۔ مقدمہ [مہاراجا کشن پرشاد کے سوانح حیات، علامہ اقبال سے ملاقاتیں اور تعلقات] از مرتب۔ [خطوط اقبال بنام شاد مع تعلیقات۔ خطوطِ شاد بنام شاد " اس مجموعے میں شاد اقبال والی مراسلت بھی شامل ہے۔"]

———— (مرتبہ : [نفیس الدین احمد])

○ مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء - ۱۰۰ ص - ½۲۱ × ۱۳ س م - ۳۰ روپے۔ ملاحظات [دیباچہ] از پروفیسر مرزا محمد منور۔ پیش لفظ از جسٹس ایس اے رحمان۔ [مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان۔ مکتوبات گرامی بنام خان نیاز الدین خان۔ تعارف [خطوط کی اشاعت کا پس منظر] از نفیس الدین احمد۔ بستی دانشمنداں جالندھر [مختصر تعارف] ۔ مکتوب الیہ خان محمد نیاز الدین خان۔ اسماء الرجال۔]

تراجمِ اقبال

غلام قادر اندرابی، سیّد (مترجم)

○ بالِ جبریل : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء - ۲۱۶ ص - ½۲۱ × ۱۴ س م - ۸۰ روپے۔ [بالِ جبریلؔ کا منظوم کشمیری ترجمہ]

محمد جہانگیر عالم (مترجم و مرتب)

○ اقبال کے خطوط، جناح کے نام : یونیورسل بکس لاہور۔ ۱۹۸۶ء - ۷۷ ص۔ ۲۱ × ½۱۳ س م - ۱۸ روپے۔ ابتدائیہ از مرتب۔ پیش لفظ از

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی - اقبال کے خطوط، جناح کے نام : اشاعت کی کہانی از مرتب [جناح کے ۱۵ خطوط بنام اقبال - اقبال کی طرف سے غلام رسول خان کے تحریر کردہ خطوط بنام جناح -]

مقبول الٰہی (مترجم)

○ The Secrets of the Self [اسرار خودی] : اقبال اکادمی پاکستان لاہور - ۱۹۸۶ء - [۹] + ۱۴۳ ص - ۲۱ × $13\frac{1}{2}$ سم - ۶۰ روپے - دیباچہ از مترجم [منظوم ترجمہ -]

کتب حوالہ

اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر

○ مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال : اقبال اکادمی پاکستان لاہور - ۱۹۸۶ء - [طبع دوم بر اضافہ] [۱۰] + ۶۳۷ ص - $21\frac{1}{2}$ × ۱۴ سم - ۱۲۰ روپے - دیباچہ از مصنف [ابواب : (۱) اقبال کا ماحول اور شخصیت (۲) تلمیحاتِ قرآن (۳) تلمیحاتِ حدیث (۴) فلسفیانہ تلمیحات (۵) تاریخی تلمیحات (۶) سیاسی تلمیحات (۷) اقبال کے کلام میں شعرائے مشرق و مغرب کا ذکر (۸) اقبال کے کلام میں بعض خاص شخصیتوں کا ذکر (۹) اقبال کی بعض نظموں کے مآخذ (۱۰) تلمیحات و اشارات کی روشنی میں اقبال کے رجحانات پر ایک نظر -]

محمد ریاض، ڈاکٹر (مرتب)

○ کتاب شناسی اقبال [فارسی] : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد - [۱۹۸۶ء] - [۲۰] + ۳۰۹ ص - $24\frac{1}{2}$ × $17\frac{1}{2}$ سم -

سخنِ مدیر۔ پیش گفتار از مرتّب [علامہ اقبال کی تصانیف، ان کے تراجم، ان سے متعلق کتابوں، اقبال نمبروں اور جامعاتی امتحانی مقالوں کی کتابیات۔ بعض مضامین کے حوالے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ آخر میں اشاریہ اعلام شامل ہے۔]

محمد یونس حسرت (مرتّب)

○ کلیدِ اقبال: اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ۳۶۸ ص۔ ۲۱×۱۴ س م۔ ۸۰ روپے۔ دیباچہ از مرتب [" کلیاتِ اقبال" اردو (لاہور، ۱۹۷۳ء و مابعد) کے اعلام و اماکن اور الفاظ و تراکیب کا اشاریہ]۔

اقبال کے سوانح اور شخصیّت

توقیر سلیم خاں

○ اقبال کی شخصیّت کا نفسیاتی جائزہ [غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے امتحان ایم اے نفسیات]: شعبہ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور۔ ۱۹۸۵ء۔ ۵۰ ص۔ ۲۸ × ۲۱ ½ س م۔ نگران: پروفیسر اختر حسین قریشی۔

جاوید اقبال، ڈاکٹر (مترجم: شہین دُخت کامران مقدّم صفیاری)

○ جاویدان اقبال: اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۴۴ ص۔ ۲۱ ½ × ۱۳ ½ س م۔ ۱۰۰ روپے۔ مقدمہ جلد سوم از مترجم۔ مقدمہ ناشر۔ پیش گفتار از جاوید اقبال۔ ["زندہ رود" از ڈاکٹر جاوید اقبال کے تیسری جلد کے ابواب ۱۵ تا ۱۸ کا فارسی ترجمہ مع مختصر حواشی۔ فہرست منابع۔ آخر میں علامہ اقبال کی چند تصاویر بھی شامل ہیں۔]

ڈورس احمد۔

○ Iqbal: As I Knew him [اقبال: جیسا میں نے انھیں پایا] : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ [۸] + ۵۴ ص۔ ½۲۰ × ½۱۳ سس م۔ ۱۵ روپے۔ [جاوید منزل میں آمد، وابستگی، ماحول اور افرادِ خانہ کا ذکر۔ جاوید، منیرہ، چودھری محمد حسین، منشی طاہر دین، راجا حسن اختر، ڈاکٹر عبدالحمید، ڈاکٹر جمعیت سنگھ اور خلیفہ عبدالحکیم کا تذکرہ۔ اقبال کے بعض عزیزوں اور ان کی وصیت کا ذکر]۔

سلطان محمود حسین، ڈاکٹر سیّد

○ اقبال کی ابتدائی زندگی : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ۴۶۳ ص۔ ۲۲ × ۱۴ سس م۔ دیباچہ از مصنّف۔ تعارف از ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا۔ [ابواب : (۱) آباء و اجداد، پیدائش، بچپن ولڑکپن اور ابتدائے جوانی۔ (۲) سیالکوٹ کی معاشرتی زندگی (۳) سکاچ مشن، تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں (۴) اقبال، علم کے زینے پر۔ (۵) شخصیات (۶) سکول و کالج کا نصاب]

شکیل احمد، سیّد

○ اقبال اور حیدر آباد : الکتاب پبلشرز، حیدر آباد [دکن]۔ اپریل ۱۹۸۶ء، ۸۷ ص۔ ۲۱ × ½۱۳ سس م۔ ق ن۔ عرض مؤلف۔ [مباحث : اقبال اور حیدر آباد۔ حیدر آباد اور اقبال۔ اہلِ حیدر آباد کی اقبال سے عقیدت اور پیامِ اقبال کی اشاعت میں سرگرم حصّہ۔ حکومت حیدر آباد اور اقبال۔ حیدر آباد آرکائیوز میں مکاتیبِ اقبال۔ حیدر آباد میں اقبال

پر مطبوعات۔ حیدر آباد میں اقبال صدی تقاریب ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۸ء
اقبال کا پیام، اہلِ حیدر آباد کے نام۔]

محمد ابراہیم خلیل، ڈاکٹر شیخ

○ اقبال، سوانح پر افکار [اقبال، سوانح اور افکار]: اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ اگست ۱۹۸۶ء۔ [۱۲] + ۳۷۳ ص۔ ۲۲ × ۱۴ س م۔
۶۰ روپے۔ دیباچہ از مصنف [اقبال کے سوانح حیات، تصانیف کا تعارف اور افکار پر بحث۔ (سندھی زبان میں)]

محمد امین زبیری

○ خدوخال اقبال: خسروی کراچی۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۷۶ ص۔ ½۲۰ × ۱۳ س م۔
۵۵ روپے۔ [مصنف کا تعارف] از جمیل زبیری۔ پیش گفت از انیس شاہ جیلانی۔ کتاب کہانی از خسروی۔ [ابواب: نقوش سیرت۔ مشاہیر سے تعلقات۔ اقبال کی شاعری۔ اقبال اور سیاسیات۔ اقبال اور بعض سیاسیین۔ اقبال کے استاد محترم۔]

فکر و فن پر تنقیدی مضامین

آغا امین، ڈاکٹر

○ اقبال اور نشاۃِ نو: بزمِ اقبال لاہور۔ جون ۱۹۸۶ء۔ [۸] + ۱۴۷ ص۔
۱۸ روپے۔ بر سبیل تذکرہ [دیباچہ] از پروفیسر محمد منور۔ پیش لفظ از ڈاکٹر وحید قریشی۔ مقدمہ از مصنف۔ [مضامین: علامہ اقبال اور احترام آدمیت۔

اقبال، مزدور، لینن، کارل مارکس اور سعدی۔ اقبال اور ملا شاہ لاہوری کا فلسفہ خودشناسی۔ علامہ اقبال اور سلطان باہو کے کلام میں "ہو" کی علامت۔ اقبال اور پاکستانی نوجوان۔ اقبال، گورنمنٹ کالج اور علامہ اقبال یونیورسٹی۔ اقبال، ایران کی نظر میں۔ اقبال اور صادق سرمد شاعرِ ملّی ایران۔ اقبال اور اتحاد عالم اسلامی۔ اسلامی ملک، اقبال کی نظر میں۔]

آل احمد سرور (مرتب)

○ Modernity and Iqbal [جدیدیت اور اقبال] ۲۔
اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی، سری نگر۔ ۱۹۸۵ء۔ ۸۸ ص۔ ۲۱ × ۱۴ س م۔ ۱۲ روپے۔ پیش لفظ از مرتب [۱۹۸۱ء میں منعقدہ سمینار کے مضامین: جدید تقاضوں سے ہم آہنگی از ایس سی دلوب۔ جدید تقاضوں سے اسلامی روایت کی ہم آہنگی بذریعہ اقبال از برلاج پوری۔ جدیدیت اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگی از کے آر لومبوال۔ اقبال کی شاعری میں جدیدیت از پی این پشپ۔ تناظرِ اقبال میں جدید تعلیم از جی آر عبداللہ۔ اقبال اور جمہوریت از سلیم قدوائی۔ اقبال اور مادیت از جی آر ملک]

اسلوب احمد انصاری

○ مطالعہ اقبال کے چند پہلو: کاروانِ ادب، ملتان صدر۔ ۱۹۸۹ء۔ ۱۹۲ ص۔ ½۲۱ × ½۱۳ س م۔ ۳۰ روپے ["نقشِ اقبال" (دہلی، ۱۹۷۹ء) کو نئے نام سے شائع کیا گیا ہے۔]

اقبال محی الدین

○ حرفِ اقبال: پبلیز پبلشنگ ہاؤس لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ۲۰۰ ص۔

½۲۰ × ½۱۳ سم ۔ ق ن ۔ تمہید از محمد شوکت علی شاہ [فلسفۂ وحدت الوجود پر فکرِ اقبال کے حوالے سے، بحث کی گئی ہے ۔]

انعام الحق کوثر، ڈاکٹر

○ علامہ اقبال اور بلوچستان: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۔ ۱۹۸۶ء
[۸] + ۲۱۶ ص ۔ ۲۱ × ۱۴ سم ۔ ۹۵ روپے ۔

حمید رضا صدیقی
اجمل صدیقی

○ اقبال اور جدوجہد آزادی: کاروانِ ادب ملتان صدر ۔ ۱۹۸۶ء ۔ ۱۵۲ ص ۲۱ × ۱۳ سم ۔ ۳۰ روپے ۔ [ابواب: مسلم قومیت کا تشخص ۔ اقبال اور احیائے اعتماد ۔ جداگانہ وطن کا تصور ۔ پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیمِ نو ۔ قائداعظم کا صلاح کار ۔ اسلامی فکر کی تشکیلِ جدید ۔ اقبال اور چودھری رحمت علی ۔]

خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن، ڈاکٹر

○ اقبال وقضایا معاصرہ [اقبال اور مسائلِ حاضرہ]: سفارتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان ریاض ۔ [نومبر ۱۹۸۶ء] ۔ ۲۴ ص ۔ ½۲۳ × ½۱۶ سم ۔ ق ن ۔

سعید احمد، پروفیسر

○ نوائے مشرق، علامہ اقبال اور مولانا مودودی کا ایک تقابلی مطالعہ: فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی ۔ [طبعِ دوم] ۱۹۸۶ء ۔ ۲۵۰ ص ۔ ۲۱ × ۱۳ سم

شعبۂ اقبالیات (مرتبہ)

○ تقاریر بیادِ اقبال: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۔ مارچ ۱۹۸۶ء ۔

۱۵۱+۴۴ ص ۔ تعارف از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ [تقریبات یوم اقبال کے منتخب مقالے : اسلامی ثقافت کی میراث از ابوبکر صدیقی ۔ اقبال اور تصورِ پاکستان از ڈاکٹر وحید الزماں ۔ اقبال صاحبِ یقین از پروفیسر مرزا محمد منور ۔ اقبال اور عظمتِ انسانی از پروفیسر نظیر صدیقی ۔ اسلامی ثقافت کی روح از پروفیسر محمد عثمان ۔ جگن ناتھ کی اقبال شناسی از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ اقبال کی اردو شاعری از پروفیسر جگن ناتھ آزاد ۔ اقبال داعیِ اسلام از پروفیسر کرم حیدری ۔ اقبال اور سیرتِ رسولِ اکرمؐ از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ مسلم قومیت اور پاکستان از رحیم بخش شاہین ۔ اقبال کا پیغام از پروفیسر محمد انور مسعود ۔ علامہ اقبال کا عسکری آہنگ از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ کلام اقبال میں جلال و جمال از ڈاکٹر سعد اللہ کلیم ۔ علامہ اقبال کا تصورِ وطنیت از پروفیسر وحید قریشی ۔ ع اک ولولۂ تازہ دیا مَیں نے دلوں کو از پروفیسر مرزا محمد رفیق بیگ ۔
انگریزی مضامین : اقبال اور تصوف از ڈاکٹر این میری شمل ۔ اقبال کا فلسفہ از انے کے بروہی ۔]

عبداللطیف الجوہری

○ مع اقبال، شاعر الوحدۃ الاسلامیہ : مکتبہ النور، روکسی، مصر الجدیدہ ۔ [س ن] ۱۷۹ ص ۔ ۲۰ × ۱۴ س م ۔ [مقدمہ از مصنف [مختصر سوانح فکر و نظریاتِ اقبال کا مطالعہ (۔ اقبال اور عرب ۔ اقبال اور عالمِ اسلامی ۔ اقبال اور عالمِ انسانی) ۔ اقبال کی شاعری سے انتخاب ۔ اقبال کے بارے میں بعض مصنفین اور اکابر کے خیالات [اقتباسات]]

عبدالهادی الفضلی، ڈاکٹر

○ المسئولیۃ الخلقیۃ فی فکر الدکتور محمد اقبال [ڈاکٹر محمد اقبال کی فکر میں اخلاقی ذمہ داری] : سفارت اسلامی جمہوریہ پاکستان، ریاض۔ [نومبر ۱۹۸۶] ۔ [۲] + ۱۶ س م۔ $\frac{1}{2}$۲۳ × $\frac{1}{2}$۱۶ س م۔

عبید الرحمٰن ہاشمی، قاضی

○ شعریاتِ اقبال : قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی شعبۂ اُردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔ جولائی ۱۹۸۶ء ۔ ۱۴۱ ۳ ص ۔ $\frac{1}{2}$۲۱ × $\frac{1}{2}$۱۳ س م۔ ۱۰۰ روپے سخنِ مختصر [دیباچہ] از مصنف۔ [مباحث : فن بلاغت کی ماہیت اقبال کا ورثہ۔ اقبال کی تشبیہات۔ اقبال کے استعارات۔ اقبال کی علامات۔ [اس مقالے پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔]

عمران لیاقت حسین

○ رومی و اقبال در حکمتِ قرآن : مکتبہ حامدیہ کراچی۔ یکم اگست [۱۹۸۶ء]۔ ۳۷۵ ص ۔ ۲۲ × ۱۴ س م۔ ۸۰ روپے۔ تعارف و تقاریظ : پروفیسر محمد منور۔ پروفیسر کرار حسین۔ رئیس امروہوی۔ شیر افضل جعفری۔ سمیع اللہ قریشی۔ ن م دانش۔ لامحدود کمال [دیباچہ] از مصنف۔ [مباحث : ملّا کریسی۔ انسانِ کامل۔ انفاق (اشتراکیت) تصورِ ملت و ریاست۔ فلسفۂ عشق۔ اسرارِ قلب (نفسِ مطمئنہ) فلسفۂ عقل۔ لا الٰہ الا اللہ۔ مرکزِ عشق۔ حکمت امامِ اقبال۔ [مصنف کا ایک مضمون "تشکیل جدید میں تعلیم بطور عالمی امن" بھی شامل ہے۔]

غلام حیدر، ملک

○ اقبال کا وجدانِ توحید : کتب خانہ اشرفیہ میانوالی۔ [۱۹۸۶ء]۔ ۲۲ ص۔

۱۲×۱۸ سس م۔ ۵۰۔ ۱ روپے۔

مبارک علی، ڈاکٹر

○ سرسید اور اقبال، آگہی پبلی کیشنز حیدر آباد سندھ۔ ۱۹۸۴ء۔ ۴۶ ص۔
۲۲×۱۴ سینٹی میٹر۔ ۶ روپے۔

محمد اقبال سہیل

○ اقبال و الامتہ الاسلامیہ ؛ سفارتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان،
ریاض۔ [نومبر ۱۹۸۶ء] ۔ [۲] + ۲۸ ص ۔ $23\frac{1}{2} \times 16\frac{1}{2}$
سس م۔ ق ل۔

محمد پرویز عبدالرحیم (مرتب)

○ اقبال، الشاعر الفیلسوف البذرۃ التی ازھرت پاکستان ؛
[فلسفی شاعر اقبال، ایک بیج جس نے پاکستان کو گلزار بنا دیا] ؛
سفارت خانہ پاکستان، دمشق [۱۹۸۵ء] ۔ ۷۰ ص ۔ $24\frac{1}{2} \times 17$ س م
[مختصر سوانح ۔ علامہ کے ایک انگریزی خطبے کا عربی ترجمہ ۔ خطبۂ الٰہ آباد کا
عربی ترجمہ ۔ تصانیف کا تعارف ۔ انتخابِ کلام ۔]

محمد حامد

○ افکارِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ جنوری ۱۹۸۶ء ۔ ۸۴۳ ص۔
۲۲×۱۴ س م ۔ ۸۰ روپے۔ دیباچہ از مصنف [مضامین ؛ اقبال
اور قرآنِ حکیم ۔ اقبال کا نظریۂ فن ۔ حضور اکرم صلعم کے تنقیدی معیارات ۔
اقبال اور تحقیقات اسلامی ۔ اقبال اور اجتہاد ۔ اقبال اور قدیم و جدید کی
کشمکش ۔ اقبال کا نظریۂ علم ۔ اقبال، فلسفہ اور تاریخ اسلام ۔ اقبال اور
عرب و عجم ۔ اقبال اور علمائے کرام ۔ اقبال اور معاشیات ۔]

محمد حسن

○ اقبال، اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق؛ کراچی۔ ۱۹۸۶ء۔
ص۔ ۲۲×۱۴ سم۔

محمد منور، پروفیسر

○ علامہ اقبال، بحضور آدم (۱)؛ شعبۂ فلسفہ جامعۂ پنجاب لاہور۔ ۱۲، اکتوبر ۱۹۸۷ء۔ ۳۸ ص۔ ۲۳½×۱۵½ سم۔ ق ن۔ [سلسلہ اقبال میموریل لیکچرز۔]

○ علامہ اقبال، بحضور آدم (۲)؛ شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب لاہور۔ ۱۳، اکتوبر ۱۹۸۷ء۔ ۳۰ ص۔ ۲۳½×۱۵½ سم۔ ق ن۔ [سلسلہ اقبال میموریل لیکچرز۔]

○ میزانِ اقبال؛ اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء [۸]+۲۳۱ ص۔ ۲۱×۱۴ سم۔ ق ن۔ دیباچہ (طبع دوم) از مصنف [طبع اوّل (۱۹۸۲ء) کے مضامین پر، ایک مضمون؛ "علامہ اقبال کا شعری آہنگ اور ضربِ کلیم" کا اضافہ کیا گیا ہے۔]

○ The Dimensions of Iqbal [ابعادِ اقبال]؛ اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۷ء۔ [۶]+۱۶۵ ص۔ ۲۱½×۱۴ سم۔ ۶۵ روپے۔ پیش لفظ از ڈاکٹر جاوید اقبال۔ [مضامین؛ ادب اور سیاست میں اقبال کی عطاء۔ اقبال اور آدم کی خودگریزی۔ اقبال کا تصورِ جمہوریت۔ اقبال اور مرگِ مجازی۔ اقبال؛ ایک عہد ساز شاعر فلسفی۔ اقبال اور جہانِ قرآن۔ اقبال اور الفاظِ قرآن۔ اقبال اور عقیدے کی آزمائش۔]

مشرف احمد (مرتب)

○ اقبال شناسی : نفیس اکیڈمی، کراچی۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء۔ ۳۱۵ ص۔ ۲۱ × ½۱۳ سم۔ ۶۰ روپے۔ عرضِ ناشر از چودھری طارق اقبال گاہندری۔ عرضِ مرتب [مضامین : اقبال، حیات اور شاعری از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ اقبال کا نظریۂ ادب از خواجہ غلام السدین۔ اقبال انا اور تخلیق از پروفیسر خواجہ عبدالحمید اقبال، ایک محققانہ نظر اور ان کی نفسیاتی تشریح از راغب احسن۔ اقبال کی عظمتِ فکر از سید نذیر نیازی۔ اقبال کا فلسفۂ خودی از ڈاکٹر میر ولی الدین۔ فلسفۂ بے خودی از پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ اقبال کا تصورِ باری تعالیٰ از پروفیسر ایم ایم شریف۔ اقبال حضورِ باری میں از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ اقبال کا تصورِ موت از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ رومی اور اقبال کا تصورِ محبت از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ زمانہ حاضر کا انسان اور اقبال از ڈاکٹر میر ولی الدین۔]

مظفر حسن ملک، ڈاکٹر

○ اقبال اور ثقافت : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ جنوری ۱۹۸۶ء۔ ۲۴۰ ص۔ ½۲۱ × ۱۴ سم۔ ۵۵ روپے۔ مقدمہ از پروفیسر محمد منور۔ پیش لفظ از مصنف [مباحث : اجتماعی ثقافت۔ فنونِ لطیفہ اور فلسفۂ جمال۔ معاشیات اور ثقافت۔ مغربی تہذیب اور ثقافت۔ تہذیبوں کا عروج و زوال۔]

منہاج الدین، ڈاکٹر ایس ایم

○ علامہ اقبال، سید مودودی اور تحریک پاکستان : مکتبہ الاخوان، ملتان چھاؤنی۔ [۱۹۸۶ء]۔ ۲۸ ص۔ ۱۸ × ۱۲ سم۔ ق ن۔

○ نداء اقبال — [آوازِ اقبال] : دار الفکر، دمشق۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۸۴ ص۔ ۲۴ × ۱۷ سم۔ مقدمہ از توحید احمد۔ خطبۂ استقبالیہ از مکتبہ الاسد۔ افتتاحیہ

ازایاز احمد خان [اقبال کانفرنس دمشق (نومبر ۱۹۸۵ء) کے مقالات : ہمیشہ رہنے والے شاعر محمد اقبال کا کچھ ذکر از استاذ عبدالرحیم الحصنی۔ محمد اقبال، خودی کا فلسفی اور شاعرِ عشق از ڈاکٹر عبدالکریم الیافی۔ محمد اقبال، شاعرِ اسلام اور فلسفی انقلاب از استاذ عبدالمعین الملوحی۔ علامہ محمد اقبال، جیسا میں انہیں جانتا ہوں از ڈاکٹر احسان حقی۔ انسانِ کامل، اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر علی حسون۔ اقبال کی جدت طرازی میں عورت اور زمانہ از ڈاکٹر اسعد علی۔ خودی اور فلسفے کا باہمی تعلق از شیخ سلطان علی الافکاری۔ اقبال کی شخصیت میں عظمت کے عناصر از ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی۔ اقبال کے فارسی کلام میں اسلامی بیداری از صادق آئینہ وند ـــــ منظومات از نذیر الحسامی۔ ڈاکٹر صلاح الصاوی۔ مصطفیٰ البدوی۔]

وحید عشرت، ڈاکٹر (مرتب)

○ اقبال ۸۴ء : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۹ء ۔ ۵۰۷ ص ۔ ۲۲ × ۱۴ سم ۔ ۱۰۰ روپے۔ دیباچہ از مرتب [مضامین : اقبالیات ۸۴ء کا جائزہ از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ اقبال کے شب و روز از محمد عبداللہ قریشی۔ البوریحان البیرونی، اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر سید عبداللہ۔ ڈاکٹر قاسم رضا تہرانی [اور اقبال] از ڈاکٹر محمد ریاض۔ اقبال اور صادق سرمد از ڈاکٹر آغا یمین۔ مہجور کاشمیری اور اقبال از حکیم اختر۔ شیخ محمد عبداللہ اور ڈاکٹر محمد اقبال از جگن ناتھ آزاد۔ اقبال اور جوش از جگن ناتھ آزاد۔ اقبال کی نظم حسین احمد کا تحقیقی مطالعہ از عمر حیات خان غوری۔ دانتے اور اقبال، سیارہ مریخ پر از اشرف حسینی۔ اقبال اور ابن خلدون از ڈاکٹر حسن اختر ملک۔ اقبال اور ویگنے ناسٹ از محمد اکرام چغتائی۔ اقبال کی نظموں کا سـاختیاتی مطالعہ از

ڈاکٹر حامدی کاشمیری ۔ اردو نظم میں اقبال کا تجدد از ڈاکٹر انور سدید ۔ اقبال کی تین دعائیہ نظمیں از میرزا ادیب ۔ بالِ جبریل کا متروک کلام از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ۔ اقبال کا تصورِ اجتہاد از پروفیسر ممتاز حسین ۔ علامہ اقبال، تاریخ ساز فرد از پروفیسر محمد منور ۔ گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش از پروفیسر محمد منور ۔ اقبال کا تصورِ عشق از ڈاکٹر وزیر آغا ۔ مکارمِ اخلاق اور اقبال از ڈاکٹر مظفر حسن ملک ۔ اقبال کی بنیادی حیثیت از پروفیسر محمد انور صادق ۔ اقبال کا معاشی نظریہ از پروفیسر پریشان خٹک ۔ اقبال شناسی کی نئی جہتیں از پروفیسر وارث میر ۔ جلوہ خوں گشت و نگاہے بہ تماشا نہ رسید [اقبالیات کا تنقیدی جائزہ] از پروفیسر تحسین فراقی ۔ اقبال اور زوالِ آدم از ڈاکٹر سلیم اختر ۔ اقبال کا تصورِ فکر از ڈاکٹر صفدر محمود ۔ اقبال کا فردِ معسّقہ از ڈاکٹر وحید عشرت ۔ گر بہ حرفم غیر قرآں از علامہ محمد حسین عرشی ۔ علامہ اقبال اور قرآن از ڈاکٹر اسرار احمد ۔ دنیائے اسلام میں اشتراکیت کا مسئلہ اور اقبال از ڈاکٹر معین الدین عقیل ۔ علامہ اقبال پر اشتراکی ہونے کا الزام کیوں؟ از ڈاکٹر سعید اختر جعفری ۔ اقبال اور قومی زبان از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ۔ علامہ اقبال اور بلوچی ادب از نادر قمبرانی ۔ اقبال کا ایک نادر مکتوب از پروفیسر رحیم بخش شاہین ۔ اقبال اور ترکی از محمد یعقوب مغل ۔ کلامِ اقبال اور سندھی شاعری از ممتاز مرزا ۔۔۔۔۔ ۸۴ء میں اقبال پر چھپنے والے مضامین کا انتخاب [منتخب مضامین کے خلاصے]]

یوسف حسین خاں، ڈاکٹر

○ غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات : نگارشات لاہور ۔ [طبع دوم] ۔ ۱۹۸۶ء ۔ ۲۰۲ ص ۔ ۲۱ × ۱۴ سم ۔ ۳۰ روپے ۔ [طبع اول (دہلی،

۱۹۷۹ء) کی عکسی اشاعت]

یونس جاوید (مرتب)

○ صحیفہ- اقبال : بزمِ اقبال لاہور - ۱۹۸۶ء - [۸] + ۴۹۶ ص - ۲۳×$15\frac{1}{2}$ سم - ۷۰ روپے ـــــ حرفِ اول [دیباچہ] از مرتب - [اقبال کے نظریۂ علم کے چند پہلو از ڈاکٹر سید عبداللہ - اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط، بنام سید سجاد حیدر یلدرم از خواجہ منظور حسین - اقبال کے نظامِ فکر میں سائنس کا مقام از ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی - سر اقبال دے نال میل از حامد علی خان۔ اقبال اور مسئلۂ ارتقاء از جسٹس ایس اے رحمٰن - قارئین اقبال کے لیے گوئٹے کی اہمیت از ڈاکٹر ممتاز حسن - خطبۂ الٰہ آباد کے متعلق اقبال کے چند نادر خطوط از بشیر احمد ڈار - آثارِ اقبال [اقبال کے چند خطوط اور دستاویزات] از ڈاکٹر وحید قریشی - اقبال کے اجداد کا سلسلۂ عالیہ از ڈاکٹر محمد باقر - اقبال کی باتیں اور ملاقاتیں از محمد عبداللہ قریشی - علامہ اقبال بحضور قرآن از پروفیسر محمد منور - مطالعۂ اقبال کے نئے گوشے از ڈاکٹر جمیل جالبی - کلام اقبال میں صنائع کے عناصر از جابر علی سید - علامہ اقبال کا گوشوارۂ آمدنی از ڈاکٹر صفدر محمود - لاہور میں علامہ اقبال کی قیام گاہیں از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی - اقبال کی شاعری کا آغاز از کلب علی خاں فائق - علم اور احساسِ مذہب [اقبال کے انگریزی خطبے کی تلخیص و ترجمہ : از ڈی سی درمن] از کلب علی خاں فائق - جمہوریت اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی - اقبال کا تحقیقی مقالہ، فلسفۂ عجم از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی - اقبال کی دعائیں از پروفیسر شریف کنجاہی - سید نذیر نیازی کی ایک نادر تحریر از سید نور محمد قادری - فکر اقبال اور مذہبی تجربہ از پروفیسر جیلانی کامران - اقبال اور برگساں کا ذہنی قرب و بعد از

جگن ناتھ آزاد۔ اقبال کے ہاں حرکی پیکر از پروفیسر اسلوب احمد انصاری۔ استفسار [کے جوابات بہ سلسلہ فقر، خودی اور عشق] از سیّد فیاض محمود۔ اقبال اور رومی از سیّد عبد الواحد معینی۔ مکاتیبِ اقبال بنام قائداعظم، پس منظر از پروفیسر سیّد علی عباس جلال پوری۔ اقبال کا انحراف کاشعر از انیس ناگی۔ فکرِ اقبال، پس منظر و پیش منظر از سراج منیر۔ تو شب آفریدی چراغ آفریدم (اقبال کے تصوّرِ فن کا تجزیاتی مطالعہ) از ڈاکٹر سلیم اختر۔ خطباتِ اقبال کا پس منظر از سمیع اللہ قریشی۔ اقبال کے پانچ غیر مدوّن خطوط از رفیع الدین ہاشمی۔ شیخ نور محمد، پدر و مرشدِ اقبال از رحیم بخش شاہین۔ اقبال کے پنجابی تراجم از ریاض احمد شاد۔ مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال از اختر راہی۔ اقبال اور جدید علم کلام از عبد العزیز کمال ——— تراجم : اقبال از ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ترجمہ : خورشید رضوی۔ اقبال، شاعرِ حیات از ڈاکٹر غلام حسین یوسفی، ترجمہ : از ڈاکٹر محمد ریاض۔]

متفرق کتابیں

سید سلیم

○ علامہ اقبال، معلومات کی روشنی میں : قومی پبلی کیشنز راولپنڈی۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۲۸ ص۔ ½ ۱۷ × ۱۲ سم۔ ۷/۵۰ روپے۔ [کوئز مقابلوں کے لیے سوالاً جواباً۔]

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر

○ ۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب، ایک جائزہ : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء، ۷۵ ص۔ ۲۴ × ۱۸ سم۔ ۱۸ روپے۔

غلام مصطفےٰ بسمل } (مرتبین)
حفیظ احمد، ایم اے

○ اقبال قلندر؛ فروغِ ادب گجرانوالہ۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۷۶ص۔ ½۲۱ × ½۱۳ سم۔ [اقبال کی زندگی اور تصانیف پر ایک نظر۔ اقبال کے بارے میں اکابر و مشاہیر کی آراء۔ اقبال پر پنجابی منظومات۔]

قدسیہ سرفراز، مسز

○ معلوماتِ اقبال، سوالاً جواباً؛ دارالکتاب لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۱۱ص۔ ½۱۷ × ۱۲ سم۔ ۱۵ روپے۔ [کوئز مقابلوں کے لیے]

وجیہ الدین احمد، (مدیر)

○ سوونیر عالمی اقبال سیمینار ۱۹۸۶ء؛ اقبال اکیڈمی حیدرآباد [دکن]۔ ۱۹۸۶ء۔ ۴۳ + ۲۵ص۔ ½۲۴ × ½۱۸ سم۔ ق ن۔ پروگرام سیمینار خطبۂ استقبالیہ از عابد علی خان۔ حکیم الامّت حضرت اقبال از سیّد خلیل اللہ حسینی۔ لازوالی آواز (نظم) از یوسف اعظمی۔ کلام اقبال، موضوعات کے آئینے میں (انتخاب کلام) از علی الدین نوید۔ اقبال کی تعلیمی زندگی، بہ یک نظر [از ادارہ]۔ اقبال کی تصانیف کی اوّلیں اشاعتیں [از ادارہ] اقبال (نظم) از وقار خلیل۔ حیدرآباد میں پہلا یوم اقبال از نظر حیدرآبادی۔ حیدرآباد میں اقبال کا جلسۂ تعزیت [از ادارہ] حیدرآباد میں اقبال پر مطبوعات [کی فہرست از ادارہ] شاد اور اقبال کے روابط از سیّد تشکیل احمد۔ عالم کا خط، اقبال کے نام از ڈاکٹر عالم خوندمیری۔ محسن قوم اقبال (نظم) از لطیف النساء بیگم۔ اقبال اکیڈمی، منظر و پس منظر از وجیہ الدین احمد۔ انگریزی حصّہ؛ سیمینار کے ناظمین اور مندوبین کی تصاویر اور سوانحی خاکے۔

اقبال اور ہندوستان از ڈاکٹر ہیرا لال چوپڑا۔ اقبال کو خراج عقیدت، (اقتباسات از ٹیگور، سبھاش چندر بوس، تیج بہادر سپرو، نہرو، سروجنی نائیڈو، ابوالکلام آزاد) علامہ سر محمد اقبال از کیوایم حق، ایم آئی والی۔ اقبال اور حیدر آباد از وجیہ الدین احمد۔ اقبال کی تحریریں [تصانیف کا تعارف از ادارہ] علامہ اقبال اور قومی بیداری از امیر اللہ خاں۔ حیدر آباد میں اقبال پر مطبوعات (فہرست از ادارہ۔)]

تشریحاتِ اقبال

شعبہ اقبالیات (مرتبہ)

○ تسہیل خطباتِ اقبال : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔ فروری ۱۹۸۶ء۔ ۲۲۹ ص۔ $\frac{1}{2}$ ۲۰ × $\frac{1}{2}$ ۱۳ سم۔ پیش گفتار از ڈاکٹر محمد ریاض [ابتدائیہ، ایک نادر خطاب۔ علامہ اقبال کا دیباچہ "خطبات۔ خطبات کی تسہیل و تشریح : پہلا خطبہ از ڈاکٹر محمد معروف۔ دوسرا خطبہ از ڈاکٹر سی اے قادر۔ تیسرا خطبہ از عبدالحمید کمالی۔ چوتھا خطبہ از نیاز عرفان۔ پانچواں خطبہ از رحیم بخش شاہین۔ چھٹا خطبہ از ڈاکٹر محمد ریاض۔ ساتواں خطبہ از ڈاکٹر ابصار احمد ——— ہر خطبے کے اہم نکات کے علاوہ حواشی بھی دیے گئے ہیں۔ آخر میں فرہنگِ اصطلاحات بھی شامل ہے۔]

محمد شریف بقا

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ : ترسیل پبلی کیشنز لاہور۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء۔ ۱۰۴ ص۔ ۲۱ × ۱۴ سم۔ ۲۰ روپے۔ [نظم کا متن، اور شعر بہ شعر معانی، مطلب اور تشریح]

جامعات کے تحقیقی مقالے

توقیر سلیم خاں

○ اقبال کی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ : دیکھیے، ص ۲۲۱

خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن، ڈاکٹر

○ ــــــ دیکھیے : ص ۲۶۷

دبیر حسین دبیر
محمد شریف شاہ
ضیاء الرحمان

○ علامہ اقبال اور سید مودودیؒ کے نظریہ تربیت کا تقابلی مطالعہ : ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب لاہور۔ ۱۹۸۹ء۔ [۱۳] + ۲۰۴ ص۔ ۲۸½ × ۲۱½ سم۔ [مقالہ برائے امتحان ایم ایڈ

ابواب : (۱) تمہید (۲) معنی و مفہوم (۳) سوانح علامہ اقبال، سوانح سید مودودی (۴) نظریاتِ تربیت (۵) نظریہ تربیت میں مماثلت (۶) تنقید کی عملی صورتیں (۷) خلاصہ، حاصلات، نتائج، سفارشات۔]

طفیل محمد گوہر
عظیم بخش
محمد عبداللہ

○ تعلیمی نظریات میں علامہ محمد اقبال اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وحدتِ فکر، ایک جائزہ : ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب لاہور۔ اگست ۱۹۸۹ء۔

[۴] + ۱۸۵ ص - ۲۸ × ۲۱ سم - نگران ڈاکٹر مشتاق الرحمٰن صدیقی -
[مقالہ برائے امتحان
ایم ایڈ - ابواب : (۱) بیانِ مسئلہ - اہمیت مسئلہ - مقاصد تحقیق - تحدید کار
(۲) علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات (۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تعلیمی
نظریات (۴) تعلیمی نظریات میں علامہ اقبال اور سید مودودی کی وحدتِ
فکر (۵) خلاصہ، نتائج، سفارشات، کتابیات -]

فرخندہ فرحت

○ اقبال کا فلسفۂ توحید : برائے امتحان ایم اے شعبۂ علوم اسلامیہ پنجاب
یونیورسٹی لاہور - ۱۹۸۶ء - [۱۲] + ۱۹۱ ص - ½۲۸ × ½۲۱ سم -
نگران : پروفیسر شبیر احمد منصوری - [ابواب : اقبال اور ان کی شاعری
میں تصوراتِ توحید - تصورِ توحید، قرآن اور دیگر الہامی کتب میں - توحید :
ماخذِ فکرِ اقبال - توحید اور خودی - نتیجۂ بحث - مراجع و مصادر -]

اقبال نمبر

آل احمد سرور (مدیر)

○ اقبالیات ۳ : اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سری نگر - اپریل ۱۹۸۶ء -
۱۹۰ ص - ½۲۱ × ½۱۴ سم - اداریہ - [علامہ اقبال کے دو انگریزی غیر
مطبوعہ خطوط بنام بی بی امینہ - مقالات : اقبال کا فن، ایک عمومی جائزہ از
پروفیسر آل احمد سرور - اقبال کا عروضی نظام از شمس الرحمان فاروقی - اقبال کے
علائم از ڈاکٹر شمیم حنفی - رمزیت، اقبال کا فن از ڈاکٹر کبیر احمد جائسی - اقبال،

استعارہ، امیج، علامت از پروفیسر شکیل الرحمٰن۔ اقبال کی شعری زبان از پروفیسر حامدی کشمیری۔ جاوید نامہ کی تکنیک از ڈاکٹر غلام رسول ملک۔ اقبال کے ہیئتی تجربے از پروفیسر رحمٰن راہی۔ اقبال کے علائم (فارسی میں) از ڈاکٹر آصف نعیم۔]

احمد ندیم قاسمی (مدیر)

○ صحیفہ، اقبال نمبر: مجلسِ ترقیِ ادب لاہور۔ اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۶ء۔ ۱۵۰ ص۔ ۲۴ × ۱۵½ س م۔ ۱۵ روپے۔ [مقالات: اقبال سے متعلق کچھ تحقیقی یادیں از ڈاکٹر گیان چند۔ اقبال کا سب سے پہلا سوانح نگار [محمد دین فوق]۔ از محمد عبداللہ قریشی۔ نوادرات اقبالیات از سید نور محمد قادری۔ علامہ اقبال کی تصانیف اور اسلوب شعر پر بحث از ڈاکٹر خطیبی، ترجمہ: ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی۔ رنگِ اقبال کا مقلد، ایک فراموش کردہ شاعر: ساحر [حکیم احمد شجاع] از ڈاکٹر اے بی اشرف۔ اقبال اور رادھا کرشنن از پروفیسر نظیر صدیقی ——— نظم بعنوان "اقبال" از اظہر سلیمی۔]

اشرف سید (مدیر)

○ نئے نکات، عالمی اقبال سیمینار نمبر: ہفت روزہ نئے نکات حیدرآباد [دکن] ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ۸ ص۔ ۳۷ × ۲۵½ ص۔ ق ن۔ شہر حیدرآباد میں عالمی اقبال سیمینار کا انعقاد [اداریہ] از ایڈیٹر [مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا از ——— اقبال کا بچپن [اقبال کے بارے میں سید ذکی شاہ اور چاچا خوشیا کی روایات و تاثرات] ہم اقبال کی سیاست کے نہیں، ان کی شاعری کے عاشق ہیں [جگن ناتھ آزاد سے انٹرویو]۔ اقبال اکیڈمی کے نائب صدر محمد ظہیر الدین احمد سے ایک انٹرویو از ایک ملاقاتی۔

اقبال مسجد قرطبہ میں از محمود الرحمان۔ چند لمحے علامہ اقبال کے ساتھ از ماہر القادری ـــــــ متفرقات: عباس علی خاں لمعہ کے نام ٹیگور کا خط، جس میں اقبال کا ذکر ہے۔ عالمی اقبال سیمینار (۱۸-۲۲ر اپریل ۱۹۸۶ء، حیدرآباد) کے مقررین و مقالہ نگار۔ سیمینار کا پروگرام۔ مرزا غالب [نظم] از اقبال۔]

○ اقبالیات، شمارہ فارسی: اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ [۸]+ ۲۰۴ ص۔ ½۲۴ × ½۱۸ سـ م۔ ۲۰ روپے۔ [مضامین: شعرِ اقبال میں ایرانیوں کے لیے کشش از ڈاکٹر محمد حسین مشائخ فریدنی۔ اقبال، شاعر اور اسلامی انقلاب کا مفکر از سید شہزادہ حسن رضوی۔ سعدی و اقبال از ڈاکٹر نسرین اختر۔ ادیان و ادبیات میں اور شعرِ اقبال میں تصوّرِ ابلیس از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ اقبال اور شپنگلر از ؟ ترجمہ: ڈاکٹر آفتاب اصغر۔ مغرب، اقبال کی نظر میں از پروفیسر محمد منوّر۔ علامہ اقبال اور قائدِ اعظم فکر و عمل کا قران السعدین از ڈاکٹر وحید عشرت۔ "جاویدانِ اقبال" کے بارے میں چند باتیں از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری ـــــــ تضمین: اقبال کی ایک غزل پر تضمین از عبد الرفیع حقیقت

حمید جہلمی (مدیر)

○ امروز، روزنامہ "امروز" لاہور۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۸۶ء۔ [مضامین: اقبال، محبت رسولؐ از راجا رشید محمود۔ علامہ اقبال، میاں امیر الدین اور سیاسیات کشمیر از کلیم اختر۔ اقبال قرآن و سنت کی حکمرانی چاہتے تھے از طاہر لاہوری۔ شاعر مشرق اور انفرادیت از عشرت رحمانی۔ اقبال اور قرآن از خالد بزمی۔ علامہ اقبال اور اسلام از ہارون الرشید تبسم۔ علامہ اقبال اور فکرِ اسلامی کی

تشکیلِ نو از قاضی جاوید۔ امامِ عاشقاں، اقبال از ملک محمد افضل صابر۔
علامہ اقبال کا فلسفۂ تعلیم از پروفیسر محمد اسلم تبسّم۔ اقبال کا مقصود: اعلائے
کلمۃ اللہ از اسلم کاشمیری۔ اقبال کا خطبۂ الٰہ آباد از قاضی عبدالرسول۔
علامہ اقبال اور جوہرِ خودی از عزیز اللہ عابد۔ اسلامی اقدار اور آزادی کا
نقیب از حاکم علی بٹ۔ حیاتِ اقبال ایک نظر میں از عمر فاروق ـــــــ
منظومات: مصوّرِ پاکستان از طالب جالندھری۔ مَیں مجرم، اقبال دا
[پنجابی] از سلیم کاشر۔]

○ امروز: روزنامہ "امروز" لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔ [مضامین: اقبال
کی شاعری کے چند فکر انگیز پہلو از پروفیسر ہارون الرشید تبسّم۔ اقبال کی
بصارت اور بصیرت از ڈاکٹر اظہر علی رضوی۔ شاعرِ مشرق کی علمی و شعری
تصانیف از عبدالرشید عراقی۔ مشرق و مغرب میں اقبال شناسی از وحید
عثمانی۔ سیالکوٹ میں یادگارِ اقبال از امین مرزا۔ حیاتِ اقبال کا ایک
سبق از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔ اقبال اور محبّت و اطاعتِ رسولؐ از
کرم حیدری۔ اقبال اور حریّتِ فکر از دل منظر۔ تصوّف اور اقبال از ڈاکٹر
منظور جاوید میاں۔ علامہ اقبال کا انسانِ کامل از ؟۔ اقبال [اداریہ از مدیر]
ـــــــ قطعات از نقش ہاشمی]

شفاعت، ایم (مدیر)

○ مغربی پاکستان: روزنامہ "مغربی پاکستان" لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔
[مضامین: عشقِ رسالت مآبؐ اور علامہ اقبال کی شاعری از عبدالمصطفےٰ
جاوید بھٹی۔ عظیم فلسفی اور آفاقی شاعر علامہ محمد اقبال کی فکر از ہارون الرشید
تبسّم۔ عظمتِ قرآن اور علامہ محمد اقبال از محمد صادق خاں۔]

ضیاء الاسلام انصاری (مدیر)

○ مشرق : روز نامہ "مشرق" لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : اردو اور فارسی شاعری میں ان کے پائے کا شاعر بہت کم نظر آتا ہے از عبدالملک آروی۔ اقبال، مفکر اسلام اور شاعر ملّت [اداریہ از مدیر]۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبال از محمد حنیف شاہد۔ اقبال کا نظریۂ عشق از بشریٰ بٹ۔ حکیم الامت ظاہری اور باطنی محاسن کا مجموعہ تھے از نور محمد یوسف۔ اقبال کا مردِ مومن از فوزیہ تسنیم ۔ خودی از ابرار حسین۔ عظیم فلسفی شاعر از محمد ارشد ندیم جیلانی۔ علامہ اقبال کا تعلیمی دور از اشتیاق احمد۔ شاعر مشرق از کرم حیدری۔ ملّتِ اسلامیہ پر ان کے عظیم احسانات ہیں از محمد صادق خان ــــــ منظومات : نذرِ اقبال از ناصر مجاہد۔ تضمینِ اقبال از ڈاکٹر اقبال سرہندی۔]

عارف نظامی (مدیر)

○ The Nation : روزنامہ "دی نیشن" لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : اقبال، حیات اور تصانیف از این میری شمل۔ اقبال اور قومیت از ڈاکٹر آئی اے ارشد۔ اقبال کے ہاں انسان کی شخصیت از لیوس کلاڈ میتری۔ اقبال اور کشمیر از سلیم خان گمّی۔ ایک عبقری کی زندگی از مسعود الحسن کھوکھر۔]

عشرت رحمانی (مدیر اعزازی)

○ تہذیب الاخلاق : تہذیب الاخلاق ٹرسٹ ۵۴ ریلواز گارڈن لاہور۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ۵۰ ص۔ ۲۴ × ۱۸ سم۔ ۳ روپے۔ شذرات از مدیر۔ [مزارِ اقبال کے سامنے (نظم) از گوز کین، ترجمہ از عبدالعزیز خالد۔ مضامین :

شکوہ، جواب شکوہ : مطالعۂ اقبال کی ایک نئی سمت [قسط نمبر ۱]
از ڈاکٹر سیّد محمد ہاشم۔ اقبال کا لسانی شعور از ڈاکٹر سلیم اختر۔ گلشنِ رازِ
جدید (ایک سرسری و مختصر جائزہ) از عشرت رحمانی۔] باقی مضامین اقبالیات
سے متعلق نہیں ہیں۔

عطا حسین کلیم، سیّد (مدیر)

○ ہومیو پیتھی : ماہنامہ ہومیو پیتھی راولپنڈی۔ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ۳۹ ص۔
۲۴×۱۸ سم۔ ۳ روپے۔ [مضامین : اقبال شناسی [تہران
کانفرنس کے حوالے سے ایک انٹرویو] از جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال۔ علامہ
اقبال اور پیر مہر علی شاہ از قاضی عارف حسین ـــــــ نظم : فیضانِ
اقبال از راجا حسن اختر جلیل۔]

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر (مدیر)

○ نگارِ پاکستان : کراچی۔ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ۵۳ ص۔ ۲۱×۱۴ سم۔
۵ روپے۔ ملاحظات [دیباچہ] از مدیر۔ [ملاحظات [اداریہ نگار جنوری
۱۹۶۲ء] از نیاز فتح پوری۔ مضامین : حیاتِ اقبال کی اہم تاریخیں از
سیّد ابصار علی۔ نیاز فتح پوری کے پانچ مضامین : اقبال کی زندگی کا
خاکا۔ اقبال کا ذہنی ارتقاء۔ اقبال کے سیاسی رجحانات۔ اقبال کا
فلسفۂ خودی۔ اقبال کا رنگِ تغزّل۔]

مجید نظامی (مدیر)

○ نوائے وقت : روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء۔
[مضامین : ان کا کلام مشاہدۂ فطرت اور عقلی استدلال کا نقیب ہے
از ڈاکٹر محمد نذیر رومانی۔ خدا تعالیٰ، کائنات اور انسان از ڈاکٹر اے بی اشرف۔

علامہ اقبال کے نزدیک دولت اور قلندری کے مقامات از عشرت رحمانی۔ اقبال یورپ میں [تبصرہ از ؟] علامہ اقبال، دیدۂ بیدار اور دانائے راز [اداریہ از مدیر] اقبال، اتحاد عالم اسلام اور تیسری دنیا از ڈاکٹر جاوید اقبال۔ حضرتِ علامہ کی گھریلو زندگی کے چند نقوش از پروفیسر محمد منور۔ علامہ اقبال، نواب بہادر یار جنگ کی نظر میں از ظفر نظامی۔ اقبال اور نوجوان از سید خورشید احمد گیلانی۔ اقبال ملّتِ اسلامیہ کے حقیقی ترجمان از ملک افتخار علی ـــــ نظم : اقبال از وقار انبالوی۔]

○ نوائے وقت : روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء -

[مضامین : مطالعۂ اقبال از سراج منیر۔ اقبال کا فلسفۂ خود اختیاری اور سائنس آف جینز از ڈاکٹر نذیر قیصر۔ اقبال پر ایک یادگار عالمی اجتماع از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ کلام اقبال اور مسئلہ تخلیق کائنات از شاہدہ ارشد۔ اقبال، عشقِ رسولؐ کی کرشمہ سازیاں از سید شمیم حسین قادری۔ علامہ اقبال اور نظریۂ پاکستان از مسز درِ شہوار۔ فلسفۂ خودی از ؟۔ ایوانِ اقبال از میاں عبدالرشید ـــــ نظم : صدا آرہی ہے از مشیر کاظمی۔]

محمد احمد (مدیر)

○ حریت : روزنامہ "حریّت" کراچی۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : اقبال پیغامبر آزادی از مشتاق احمد کیفی۔ [دیباچہ ؛ "بانگِ درا"] از سر عبدالقادر اقبال اور علی گڑھ از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ اقبال اور عشقِ رسولؐ از ڈاکٹر سرور اکبرآبادی۔ مفکرِ پاکستان کے تخیل پر ہماری بے حسی از مقبول قریشی۔ دگر دانائے راز آید کہ ناید از ؟۔ یوم اقبال [اداریہ از مدیر]۔]

محمد قمر الدین صابری (مدیر)

○ شاداب : ماہنامہ شاداب، حیدر آباد [دکن]۔ مئی ۱۹۸۶ء۔ ۸۸ ص۔ ۲۲×۱۴ س م۔ ۱۰ روپے۔ [مضامین : اقبال اور حیدر آباد از وحید الدین احمد۔ اقبال، ایک اجنبی ایک راز دان از پروفیسر ثمینہ شوکت۔ اقبال، ایک نیا مکتبِ فکر از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ اقبال کا پیام، آج کی اقلیتوں کے نام از سکندر توفیق۔ اقبال کی شاعری میں حب الوطنی اور ہندی تہذیب از عابد صدیقی۔ علامہ اقبال اور امام بوصیری از ڈاکٹر صفی الدین صدیقی۔ اقبال اور علم اقتصادیات از ڈاکٹر آفاق فاخری۔ علامہ اقبال اور آتشی شیرازی از ڈاکٹر رحمت علی خان۔ اقبال اور اس کا عہد [از جگن ناتھ آزاد پر تبصرہ] از شہاب مالیر کوٹلوی۔ محب وطن اقبال [از سید مظفر حسین برنی] پر ایک نظر از ایڈیٹر۔]

محمد منور، پروفیسر (مدیر)

○ اقبالیات : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ جنوری تا جون ۱۹۸۶ء۔ ۲۲۴ ص۔ ۲۴×۱۸ س م۔ ۲۰ روپے۔ [مقالات : ارمغانِ چین [اقبال کی شاعری پر تبصرہ] از پروفیسر شان یون۔ اقبال اور مسعود سعد سلمان از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی۔ علامہ اقبال اور افغان از میاں رسول رسا۔ عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق از ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ کیا اقبال فلسفی تھے؟ از ڈاکٹر عطاء الرحیم۔ اقبال اور جمہوریت از ڈاکٹر وحید عشرت۔ ذخیرۂ اقبالیات، "فاران" کراچی میں از صابر کلوروی۔ تبصرۂ کتب : زندہ رود، جلد سوم (ڈاکٹر جاوید اقبال) از سید صباح الدین عبد الرحمٰن۔ فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو (پروفیسر محمد عثمان) از ڈاکٹر وحید عشرت۔]

○ اقبالیات : اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ جولائی تا ستمبر ۱۹۸۶ء ۔ ۳۴۸ ص ۔ ۲۴ × ۱۸ سـ م ۔ ۲۰ روپے ۔ [مضامین : ڈاکٹر رادھا کرشنن اور اقبال از یوسف سلیم چشتی ۔ داغ کے اثرات ، اقبال پر از جگن ناتھ آزاد ۔ انفرادی تہذیب اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر مظفر حسن ملک ۔ خودی از حکیم احمد شجاع پاشا ۔ علامہ اقبال خطوط کے آئینے میں از ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ اقبال ، ایران کی درسی کتب میں از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ کلام اقبال میں تذکرہ حیوانات از ڈاکٹر اکبر حسین قریشی ۔ عقل و وجدان : اسلامی نقطہ نظر سے باہمی تعلق از سید حسین نصر ، ترجمہ از احمد جاوید ۔ اقبال پر ایک یادگار عالمی اجتماع از رفیع الدین ہاشمی ۔ تبصرۂ کتب : اقبال ، یورپ میں (سعید اختر درانی) از ڈاکٹر محمد صدیق شبلی ۔ مطالب اقبال (مقبول انور داودی) از تحسین فراقی گلستان عجم (ڈاکٹر زریں کوب ترجمہ از ڈاکٹر نور محمد خاں و کلثوم فاطمہ سید) از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی ۔ اقبال کا تصور اجتہاد (ڈاکٹر خالد مسعود) از محمد سہیل عمر ۔ شاعری اور پارسائی ، حکیم سنائی کے کلام کا مطالعہ (جے ٹی پی ڈی بروہین) از محمد اطہر طاہر ، ترجمہ از محمد سہیل عمر ۔ اسلامی حکومت میں یہود (امنون کوہن) از محمد اطہر طاہر ، ترجمہ از محمد سہیل عمر ۔ منظوم اقبال (اعجاز احمد) از ڈاکٹر وحید عشرت ۔]

محمود احمد مدنی ، (مدیر)

○ جسارت : دفتر روزنامہ جسارت کراچی ۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء ۔ [مضامین : اقبال ، عمل اور جدوجہد کا شاعر از شہاب ظفر ۔ قرآن اور اقبال از ابو محمد مصلح ۔ علامہ اقبال کی نظم مسجد قرطبہ کا ایک جائزہ از پروفیسر عالم خوندمیری ۔ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد از قاضی عبدالرسول ۔ اقبال کا قول فیصل [اداریہ از مدیر]

اقبال کی وفات پر مختلف لوگوں کے پیغامِ تعزیت۔]

○ جسارت : روزنامہ جسارت کراچی۔ ۹ نومبر ۱۹۸۹ء۔ [مضامین : حیاتِ اقبال کا ایک سبق از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ شاعرِ مشرق از شاہ محمود علاء مفکرِ اسلام [اداریہ از مدیر] پاکستان کا قیام اور علامہ اقبال از ہارون الرشید تبسم۔ چند یادگار لمحے از محمد زبیر شوکت الہٰ آبادی۔ اقبال کا مردِ مومن از عبدالواحد سجاد۔ منظومات : عظیم شاعر از گفتار خیالی۔ نذرِ اقبال [قطعہ] از اعجاز رحمانی۔]

مصطفیٰ کمال (مدیر)
مضطر مجاز (مہمان مدیر)

○ شگوفہ، اکبری اقبال نمبر : ماہنامہ شگوفہ، حیدر آباد [دکن] ۔ اپریل ۱۹۸۶ء ۱۱۵ ص ۔ $24\frac{1}{2} \times 18\frac{1}{2}$ س م ۔ اقبال اکیڈمی حیدر آباد کا تعارف۔ عالمی اقبال سمینار (پروگرام) اقبال، سوانح و تصانیف (بہ یک نظر)۔ شریک زمرہ لایحزنون کر، اقبال [اداریہ] از مضطر مجاز۔ [مضامین : علامہ اقبال کے لیے ایک رشتہ از ڈاکٹر جاوید اقبال۔ مطائباتِ اقبال از مضطر مجاز۔ دگرڈیا اکبری اقبال از ڈاکٹر گیان چند۔ اقبال کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری از پروفیسر عبدالقوی دسنوی۔ اقبال اور اکبر از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ طنزیاتِ اقبال (اردو کلام میں) از مضطر مجاز۔ اقبالے از شوکت تھانوی۔ صاحبِ اقبال شاعر از یوسف ناظم۔ علامہ اقبال سے ضرور کوئی غلطی ہوئی تھی، ورنہ اُن پر اتنی کتابیں نہ لکھی جاتیں از مشفق خواجہ۔ ہم پہ جو احسان نہ کرتے از برق آشیانوی۔ اقبال سے اکبال تک از پرویز یداللہ مہدی۔ اقبال ہماری سمجھ میں از عابد معز ــــــ منظومات : طنزیہ اور مزاحیہ

نظمیں اور پیروڈیاں از سید محمد جعفری ۔ شوکت تھانوی ۔ عاشق محمد غوری ۔
گوپی ناتھ امن ۔ ماچس لکھنوی ۔ رضا نقوی واہی ۔ دلاور فگار ۔ مجید لاہوری ۔
این ۔ پی سین ناشاد ۔ جوہر سیوانی ۔ ڈاکٹر گیان چند ۔ برق آشیانوی ۔
طالب خوندمیری ۔ ذکی بلگرامی ۔ نذر زمہریری ۔ رشید عبد السمیع جلیل ۔
اقبال ہاشمی ۔ رحمت یوسف زئی ۔ ستار صدیقی ــــــ متعدد کارٹون اور
کیری کیچر بھی شامل ہیں ۔]
قبول شریف (مدیر اعلیٰ)

○ The Pakistan Times : روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور
۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء ۔ [قائد اعظم اور علامہ اقبال ایس ایم اظہار الحق ۔ اقبال
کا فلسفۂ خود اختیاری اور سائنس آف جینز از نذیر قیصر ۔ علامہ اقبال اور
ضیا گوکلپ از پروفیسر رفیع اللہ شہاب ۔ علامہ اقبال اور تقدیر
از ڈاکٹر آئی اے ارشد ۔]

○ The Pakistan Times : روزنامہ "پاکستان ٹائمز"
لاہور ۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء ۔ [مضامین : علامہ، تصوف کے دفاع میں از پروفیسر
رفیع اللہ شہاب ۔ عالمی واقعات پر اقبال کا احساس وشعور از طارق مجید ۔
علم اور تعلیم، اقبال کی نظر میں از پروفیسر منظور مرزا ۔ اقبال اور مغرب از پروفیسر
ضیاء الدین احمد ۔ اقبال کے ہاں قرآنی علم کا تصور از پروفیسر رفیع اللہ
شہاب ۔ اقبال کے تعلیمی نظریات از ڈاکٹر آئی اے ارشد ۔ اقبال، قائد کی
نظر میں از ایس ایم اظہار الحق ۔ اقبال اور اسلام محمد شریف بقا ۔ اقبال کے
تصور زماں کے ماخذ از ڈاکٹر نذیر قیصر ۔]

میر خلیل الرحمٰن (مدیر اعلیٰ)

○ جنگ : روزنامہ "جنگ" کراچی۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : علامہ اقبال اور وجودیت از ڈاکٹر نعیم نقوی۔ علامہ اقبال نے عالمِ اسلام کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا از پروفیسر ڈاکٹر محمد یعقوب مغل۔ مقامِ اقبال از محمد علی صدیقی۔ اقبال اور نظریۂ پاکستان از شاہد جمیل عابد۔]

○ جنگ : روزنامہ "جنگ" کراچی۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : اقبال اور عشقِ رسولؐ از محمد یونس قصوری۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا نظریۂ حیات و کائنات از ڈاکٹر نعیم نقوی۔ اقبال اور مثالی شخصیت کے تعمیری مراحل از پروفیسر سمیع اللہ قریشی۔ اقبال کے پیغام پر عمل کی ضرورت [اداریہ از مدیر]۔

میر شکیل الرحمٰن (ریذیڈنٹ ایڈیٹر)

○ جنگ : روزنامہ "جنگ" لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : اقبال اور جمہوریت (جنگ فورم میں مذاکرہ، شرکاء : ڈاکٹر منیر الدین چغتائی، جسٹس آفتاب حسین، ڈاکٹر محمد باقر، ملک امجد حسین، سراج منیر، وارث میر، اے کریم ملک۔ شاعرِ مشرق اور ملّتِ اسلامیہ از پروفیسر خلیل اللہ۔ حیاتِ اقبال کی چند جھلکیاں [از فقیر سیّد وحید الدین]۔]

○ جنگ : روزنامہ "جنگ" لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔ [مضامین : اقبال کے پیغام پر عمل کی ضرورت [اداریہ از مدیر]۔ اقبال کا نظریۂ تعلیم از سیّد شمیم حسین قادری۔ اقبال اور سیاستِ ملّی از پروفیسر محمد سعید شیخ۔ اقبال کا تصوّرِ فقر از بشریٰ بٹ۔ ذہنوں اور دلوں کو تسخیر کرنے والا شاعر از طارق فاروق۔ علامہ اقبال کا تصوّرِ مملکت (مذاکرہ، شرکاء : پروفیسر جیلانی کامران، جسٹس کے ایم اے صمدانی، شیخ رفیق احمد، وارث میر، سعادت

سعید، چودھری محمد صادق، اعزاز احمد آذر۔) نظم: نذر اقبال از خالد یزدانی۔]

مضامین و مقالات

آغا بابر

○ پنجاب کی سیاست کا نبض شناس یہی مردِ قلندر تھا: روزنامہ "نوائے وقت" (میگزین) لاہور۔ ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء

آفتاب احمد قریشی، حکیم

○ اقبال اور اتحادِ عالم اسلامی: روزنامہ "جسارت" کراچی۔ ۲۳ جنوری ۱۹۸۷ء۔

ابصار احمد، ڈاکٹر

○ تفہیم فکرِ اقبال: ماہنامہ "حکمتِ قرآن" لاہور۔ مئی ۱۹۸۶ء۔ ص ۳۰۔

ابوالاعلیٰ مودودی، سیّد

○ اقبال کیا تھے؟: مجلّہ "پاکستان"، لاہور۔ دسمبر ۱۹۸۶ء

ابوالکلام قاسمی

○ شعاعِ امید، ایک تجزیہ: ہفت روزہ "ہماری زبان" دہلی۔ یکم فروری ۱۹۸۶ء، ص ۸ اور ۷ ○ خضرِ راہ: ماہنامہ "شب خون"، الٰہ آباد۔ جون، جولائی ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۷ تا ۶۰۔

احمد ماہر البقری

○ عقیدۃ التوحید فی ادب اقبال: مجلّہ "منار الاسلام"، ۔نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۱۰ تا ۱۱۵۔

احمد ندیم قاسمی

○ فکرِ اقبال کی روشنی میں، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوتے ایک شخصیت

نے کہا کہ اقبال بے عمل اور تن آسان تھے : روزنامہ "جنگ" لاہور۔
۶ مئی ۱۹۸۶ء۔

اسرار احمد، ڈاکٹر

○ فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمہ داریاں : "میثاق" لاہور۔ مئی ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۹ تا ۵۲۔ [یومِ اقبال پر ایک خطاب الحمرا آڈیٹوریم لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء۔]

اسرار احمد سہاروی

○ کلامِ اقبال میں آفاقیت : ماہنامہ "فاران" کراچی۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ص ۳۶ تا ۴۲۔

ا۔ س

○ تفہیم اقبال [از پروفیسر فروغ احمد پر تبصرہ] : ماہنامہ "قومی زبان" کراچی۔ دسمبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۷۵۔

اشفاق علی خاں

○ قومی تعمیر، فلسفۂ خودی کی روشنی میں : روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۲۷ نومبر ۱۹۸۶ء۔

افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر

○ اقبال اور جستجوئے گل : "سیارہ" لاہور۔ اپریل، مئی ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۹۰ تا ۲۰۸

اقبال، علامہ

○ [چھ غیر مطبوعہ خطوط بنام محمد حسن لطیفی] : "نقوش" لاہور۔ دسمبر۔ ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۶۶ تا ۲۶۹۔

اقبال یادگار بھوپال [مصنف کا نام درج نہیں]

○ "قومی زبان" کراچی۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۳ تا ۱۶ [بھوپال کی "اقبال یادگار" کا تعارف اور اس پر بعض آراء]

امۃ الرحیم

○ اقبال کی غزل گوئی : ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدرآباد [دکن]۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ص ۳۷ تا ۳۸۔

[بہادر یار جنگ، نواب]

○ اقبال کا شاہین زادہ : روزنامہ "رہنمائے دکن" حیدرآباد [دکن]۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۸۶ء۔

پاشا رحمٰن

○ تفہیم اقبال، فروغ احمد کی اہم تصنیف [ایک تبصرہ] : ہفت روزہ "تکبیر" کراچی ۱۱ دسمبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۰۔

پرویز

○ حکیم الامت علامہ اقبال، قائداعظم، علماء اور مودودی صاحب : ماہ نامہ "طلوعِ اسلام" لاہور۔ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۱ تا ۶۱، اور ص ۱۴۔

تحسین فراقی

○ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ [از رفیع الدین ہاشمی]۔ ایک مطالعہ، ماہنامہ "کتاب نما" دہلی۔ اگست ۱۹۸۶ء۔ ص ۵۳ تا ۵۷۔

توقیر احمد خاں، ڈاکٹر

○ جنگِ آزادی کے مجاہدِ اعظم، ڈاکٹر اقبال : "قومی زبان" دہلی، مارچ ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۷ تا ۵۵۔

ثمینہ شوکت، پروفیسر ڈاکٹر

○ اقبال اور علامت آفرینی: ماہنامہ "سب رس" کراچی۔ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۹۔

جاوید اقبال، ڈاکٹر جسٹس

○ اسلام کے اصلاحی نقطۂ نظر کے لیے نہ قوم تیار ہے اور نہ ہی علمائے کرام (ایک انٹرویو از صہیب مرغوب): روزنامہ "جنگ" لاہور۔ ۲۵ مئی ۱۹۸۶ء

[جاوید اقبال، ڈاکٹر جسٹس]

○ ڈاکٹر جاوید اقبال اور ممنون حسن خاں کے مابین اہم خط و کتابت: روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۲۴ اگست ۱۹۸۶ء۔ [مکتوب ممنون حسن خاں، ۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء بنام ڈاکٹر جاوید اقبال اور مکتوب الیہ کا جوابی خط بنام ممنون حسن خاں۔ ان خطوں میں ان موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے: بھوپال کے اقبال سیمینار، ۸ تا ۱۰ نومبر ۱۹۸۶ء میں جاوید اقبال صاحب کو شرکت کی دعوت اور ان کی جانب سے معذرت؛ "خدوخالِ اقبال" از محمد امین زبیری۔ فروغِ اقبالیات کے لیے ممنون حسن صاحب کی کاوشوں کا تذکرہ۔]

جگن ناتھ آزاد

○ رودادِ اقبال: "معارف"، اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۹ تا ۶۴۔ [یہ مضمون ، "جدیدیت اور اقبال" (مرتبہ: آل احمد سرور۔ سری نگر۔ ۱۹۸۵ء) میں "اقبال کی معنویت" کے عنوان سے شامل ہے۔ البتہ اس میں کسی قدر ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے] اقبال کے ابتدائی دور کی شاعری: دو ماہی "اکادمی" لکھنؤ۔ جنوری فروری ۱۹۸۶ء۔ کچھ اقبال کے بارے میں:

"ہماری زبان" نئی دہلی۔ ۸ فروری ۱۹۸۶ء۔

○ قیامِ انگلستان کی جھلکیاں : سہ ماہی "نخلستان" جے پور۔ مارچ ۱۹۸۶ء۔

○ اقبال کے فکر و فن : روزنامہ "سیاست" حیدرآباد [دکن] ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء۔

○ اقبال کی تاریخ ولادت : سہ ماہی "روحِ ادب" کلکتہ۔ جون ۱۹۸۶ء۔

○ اقبال اور تصوّف : ماہنامہ "سب رس" حیدرآباد [دکن] جون ۱۹۸۶ء۔

○ سُپر سے سیالکوٹ تک : ماہنامہ "شب خون" الٰہ آباد۔ جون جولائی ۱۹۸۶ء۔

○ علامہ اقبال کی انگلستان سے واپسی : دوماہی "اکادمی" لکھنؤ۔ جولائی اگست ۱۹۸۶ء۔

○ کتاب سے شغف اور استاد کا احترام : سہ ماہی "زبان و ادب" پٹنہ۔ جولائی تا ستمبر ۱۹۸۶ء۔

○ اقبال اور درگاسہائے سرور : "ہماری زبان" نئی دہلی۔ یکم اگست ۱۹۸۶ء۔

○ بچّوں کے لیے اقبال کی شاعری : ماہ نامہ "معلّم اردو" لکھنؤ۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء۔

جمیل زبیری

○ علامہ اقبال اور ممنون حسن خان : ماہنامہ "قومی زبان" کراچی۔ مارچ ۱۹۸۹ء۔

ص ۲۱ تا ۲۷ [آل انڈیا ریڈیو بھوپال سے نشر شدہ ممنون حسن خاں کا
ایک انٹرویو از ڈاکٹر اخلاق اثر۔]

جیلانی کامران

○ اقبال اور انسانی معاشرے کے انسانی مسائل : ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور۔
نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۷ تا ۲۶۔ [یہ مقالہ ایک مذاکرے میں پیش ہوا، اور
اس پر سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر سلیم اختر اور کشور ناہید نے بحث کی۔
مقالے کے ساتھ یہ بحث بھی شامل ہے۔]

چندریا، کے

○ عصرِ حاضر اور اقبال : روزنامہ "سیاست" حیدرآباد [دکن] ۲۰ اپریل
۱۹۸۶ء۔

حامدی کاشمیری، ڈاکٹر

○ اقبال کی غزلوں میں موضوعیت کا مسئلہ : "اوراق" لاہور۔ مارچ۔ اپریل
۱۹۸۶ء۔ ص ۶۰ تا ۶۶۔

حسن اختر، ڈاکٹر

○ اقبال یورپ میں [ڈاکٹر سعید اختر درانی کی تصنیف پر تبصرہ] : ماہنامہ
"کتاب" لاہور۔ جنوری ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۱ تا ۱۳

حسن الدین احمد، ڈاکٹر

○ اقبال کے منظوم ترجمے : ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدرآباد [دکن]۔ اپریل
۱۹۸۶ء۔ ص ۳۴ تا ۳۶۔

حکیم منظور

○ اقبال، اطرافِ غزل : "آج کل" دہلی۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۰ تا ۱۴۔

نامہ بگوشس

○ جب پوری کتاب غلط نامہ ہو تو الگ سے غلط نامہ لگانے کی کیا ضرورت ہے : ہفت روزہ "تکبیر" کراچی - ۵ جون ۱۹۸۶ء - ص ۳۸ تا ۳۹ [محمد امین زبیری کی کتاب " خدوخالِ اقبال " کا تذکرہ]

خورشید احمد گیلانی ، صاحبزادہ سید

○ علامہ اقبال اور نوآبادیاتی نظام (قسط نمبر ۱) : روزنامہ " نوائے وقت " لاہور ۴ ستمبر ۱۹۸۶ء -

○ علامہ اقبال اور نوآبادیاتی نظام : (قسط نمبر ۲) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور - ۱۱ ستمبر ۱۹۸۶ء -

○ فکرِ اقبال ، راسخ الاعتقادیت کا اعلیٰ نمونہ : (قسط نمبر ۳) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور - ۱۶ ستمبر ۱۹۸۶ء

خورشید سلیم ، قاری

○ اقبال اور نوجوان : روزنامہ "منصف" حیدر آباد [دکن] - ۲۰ اپریل ۱۹۸۶ء

دبیر حسین رضوی

○ مظلوم اقبال کے احباب : " استقلال " لاہور - ۹ مارچ ۱۹۸۶ء - ص ۲۶ -

رفیع الدین ہاشمی ، ڈاکٹر

○ تاریخِ تصوّف [از علامہ اقبال ، مرتبہ : صابر کلوروی پر تبصرہ] : " سیارہ " لاہور - اپریل مئی ۱۹۸۶ء - ص ۱۴۶ تا ۱۴۷ -

○ اقبال پر ایک یادگار عالمی اجتماع : (۱) " اقبالیات " لاہور - جولائی تا ستمبر ۱۹۸۶ء - (۲) ماہنامہ " سب رس " کراچی - نومبر ۱۹۸۶ء - ص ۳۷ -

زینت قاضی

○ فکرِ اقبال : ہفت روزہ "صاف گو" لاہور۔ ۸ مئی ۱۹۸۶ء۔

ستّار طاہر

○ اوزانِ اقبال [از ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کی تصنیف پر تبصرہ] : ماہنامہ "کتاب" لاہور۔ جنوری ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۰۔ ۱۱۔

سلطان ظہور اختر

○ مزارِ اقبال کی کشادگی یا فکرِ اقبال کی اشاعت : روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ قسط نمبر ۱ : ۲۳ نومبر ۱۹۸۶ء۔

سہیل بخاری

○ کلامِ اقبال کے مشاہیر : "اوراق" لاہور۔ مارچ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۹ تا ۵۴

شاہوار بیگم

○ بچوں کے ادب میں اقبال کا حصّہ : (۱) ہماری زبان دہلی۔ ۱۵ نومبر ۱۹۸۵ء: ص ۲۔ (۲) ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدر آباد [دکن]۔ اپریل ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۱ تا ۴۲۔

شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر

○ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ اور اقبال : ماہنامہ "سب رس" کراچی۔ نومبر ۱۹۸۶ء ص ۶ تا ۸، ۵۱

شمس الرحمٰن فاروقی

○ اقبال کا لفظیاتی نظام : در "اثبات و نفی" : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۱۹۸۶ء۔ ص ۹ تا ۳۵۔

○ اقبال کا عروضی نظام : در کتابِ مذکور ص ۳۶ تا ۴۸

○ اقبال کے حق میں ردّ عمل : درکتابِ مذکور ص ۴۹ تا ۶۶ ۔

شہزاد قیصر

○ A Critical Study of Ash'arism with Reference to Iqbal and Schuon

: [اقبال اور سوچون کے حوالے سے اشعری نظریات کا ایک تنقیدی مطالعہ] در : " تھیالوجی، کلچر اینڈ پوئٹری" [مجموعہ مضامین] : پاکستان آرٹ پریس فیصل آباد ۔ [۱۹۸۶ء]۔ ص ۱۷ تا ۳۲ ـــــ نیز در : " اقبال ریویو" لاہور ۔ اپریل تا ستمبر ۱۹۸۶ء ۔ ص ۷ تا ۲۰ ۔

○ Iqbal's Analysis of Muslim Culture: A Critical Study

[اقبال کے ہاں مسلم ثقافت کا تجزیہ ، ایک تنقیدی مطالعہ] درکتابِ مذکور ص ۳۵ تا ۵۴ ۔

شہلا تجمّل

○ علامہ اقبال کے آخری ایام زندگی : مجلّہ " کرن "، لاہور کالج برائے خواتین ، لاہور ۔ ۸۶ ۔ ۱۹۸۵ء ۔ ص ۲۷ تا ۳۱ ۔

صابر کلوروی

○ تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ : [از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی] ایک جائزہ ۔ " قومی زبان " کراچی ۔ اپریل ۱۹۸۶ء ۔ ص ۵ تا ۱۲ ۔

صباح الدین عبدالرحمٰن ، سیّد

○ " زندہ رود " [از ڈاکٹر جاوید اقبال] کی تیسری جلد : " ہماری زبان " دہلی ۔ یکم اگست ۱۹۸۶ء ۔ [ص ۱ ، ۲ ، ۷] ۔

○ زندہ رود " کی تیسری جلد (آخری قسط) : " ہماری زبان " دہلی ۔ ۱۵ اگست

۱۹۸۶ء - ص ۷

طلعت ظہور

○ علامہ اقبال، ایک مردِ مومن : مجلّہ "کرن"، لاہور کالج برائے خواتین لاہور۔ ۸۶ - ۱۹۸۵ء - ص ۳۲ تا ۳۷ -

عاصم قادری، سیّد

○ اقبال کے فکروفن کا حقیقی سرچشمہ : "سیّارہ" لاہور۔ اپریل مئی ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۰۹ تا ۲۱۴ -

عبدالرّحیم، سیّد

○ Iqbal's Concept of Sovereignty and Literature
[اقبال کا تصوّرِ حاکمیّت اور ادب] : اسلامک سٹڈیز، اسلام آباد۔ جنوری تا مارچ ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۵ تا ۵۸ -

عبدالرشید، پروفیسر صوفی

○ اقبال کی ایک نظم "حور و شاعر" : کاغان، ایبٹ آباد، ۸۶ - ۱۹۸۵ء - ص ۸۷ -

عبدالرؤف۔ ڈاکٹر

○ فیض احمد فیض اور اقبال : روزنامہ "رہنمائے دکن" حیدرآباد [دکن] ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء -

عبدالکریم عابد

○ فکرِ اقبال سے گریزاں دانشوروں کی محفلِ اقبال (پروفیسر محمد عثمان کی تصنیف : فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو کی تعارفی تقریب کے مقررین کے خیالات) : "روزنامہ جسارت" کراچی۔ ۳۱ جنوری ۱۹۸۶ء -

عبد المغنی

○ "محبِ وطن اقبال" [از سید مظفر حسین برنی] ـــــ ایک مطالعہ و تجزیہ :
"زبان وادب"، پٹنہ۔ جلد ۱۲، شمارہ ۱ [۱۹۸۶ء] ۔ ص ۱۳ تا ۱۹۔

عشرت رحمانی

○ حکیم الامت نے ملوکیت کو اسلام کے صریح منافی قرار دیا : روزنامہ "مشرق"
لاہور۔ ۲۶ راگست ۱۹۸۶ء۔

عصمت زہرا

○ اقبال اور فلسفہ خودی : مجلّہ "کرن"، لاہور کالج برائے خواتین لاہور۔
۸۶-۱۹۸۵ء۔ ص ۳۸ تا ۴۰۔

غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر

○ اقبال کے عمرانی تصورات : "مجلّہ تحقیق"، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ پنجاب
یونیورسٹی لاہور۔ شمارہ مسلسل ۲۳ تا ۲۶ - ۱۹۸۵ء۔ ص ۱ تا ۱۸

○ اقبال اور ترکی : "ماہِ نو" لاہور ۔ نومبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۷ تا ۳۰۔

فہمیدہ عتیق

○ تعلیم اور اقبال : ماہنامہ "قومی زبان" کراچی ۔ جولائی ۱۹۸۶ء۔ ص ۶۹ تا ۳۰۔

کلیم سہسرامی، ڈاکٹر

○ تہران میں علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت : ماہنامہ "قومی زبان" کراچی ۔ اپریل
۱۹۸۶ء۔ ص ۵۳ تا ۵۶ ۔ [بین الاقوامی سیمینار تہران ۱۰ تا ۱۳ مارچ
۱۹۸۶ء کی روداد۔]

گلزار احمد

○ اقبال کا تصورِ خودی : مجلّہ "فاران"، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز

لاہور ۱۹۸۵ء ۔ ص ۵۷ تا ۶۱ ۔

گیان چند، ڈاکٹر

○ خضرِ راہ کا قدیم متن : (۱) ماہنامہ مریخ پٹنہ ۔ مئی تا جولائی ۱۹۸۶ء ۔ ص ۶ تا ۸ ۔ (۲) "اورینٹل کالج میگزین" لاہور : ۱۹۸۶ء ۔ ص ۴۵ تا ۴۸ ۔

○ میرے مضمون پر پروفیسر آزاد کا مراسلہ : ہفت روزہ "ہماری زبان" دہلی ، یکم ستمبر ۱۹۸۶ء ۔ ص ۵ ۔ [اقبالیات ۔ سے متعلق بعض امور پر پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے ایک مراسلے (ہماری زبان ۔ ۸ جولائی ۱۹۸۶ء) کے جواب میں ایک وضاحتی مراسلہ] ۔

○ اقبال کی رباعیاں : ماہنامہ "سب رس" کراچی ۔ دسمبر ۱۹۸۶ء ۔ ص ۱۷ تا ۲۰ ۔

○ اقبال کا منسوخ اردو کلام : "اورینٹل کالج میگزین" لاہور ۔ ۱۹۸۶ء ۔ ص ۴۹ تا ۶۷ ۔

محمد آفتاب ثاقب

○ اتحاد بین المسلمین ، علامہ اقبال کی نظر میں : ماہنامہ "اظہار" کراچی نومبر ۱۹۸۶ء ص ۵۱ تا ۵۳

محمد پرویز

○ مقاصدِ تعلیم ، فکرِ اقبال کی روشنی میں "کاغان" ، ایبٹ آباد ۔ ۸۶ ۔ ۱۹۸۵ء ص ۹۲ ۔

محمد جمیل الدین صدیقی

○ علامہ اقبال کا فلسفہ غم : روزنامہ "رہنمائے دکن" حیدر آباد [دکن] ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء ۔

محمد حنیف شاہد

○ شاعرِ مشرق کے حضور خراجِ تحسین : روزنامہ "نوائے وقت" لاہور - ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء - [سعودی عرب میں تقاریب یوم اقبال کی روداد] -

محمد رحمت علی

○ اقبال اور تعلیمِ نسواں : روزنامہ "منصف" حیدر آباد [دکن] - ۲۰ اپریل ۱۹۸۶ء-

محمد ریاض، ڈاکٹر

○ علامہ اقبال کی نوٹ بک : ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور - نومبر ۱۹۸۶ء - ص ۳۱ تا ۳۲ - [علامہ اقبال کی ڈائری Stray Reflections پر اظہار خیال]

محمد صدیق، پروفیسر

○ علامہ اقبال اور اسلامیہ کالج : مجلّہ "فاران"، گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور - ۱۹۸۵ء - ص ۷ تا ۳۵ -

محمد صلاح الدین

○ اقبال : اجالوں کا شاعر، اندھیروں کی زد میں : ہفت روزہ "تکبیر" کراچی - ۲۱ تا ۲۷ نومبر ۱۹۸۶ء - ص ۴۶ تا ۵۰ -

محمد ظہیر الدین احمد

○ اقبال کی قومی شاعری : ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدر آباد [دکن] - اپریل ۱۹۸۶ء - ص ۳۹ تا ۴۰ -

محمد عبدالرشید فاضل

○ زندگی، اقبال کی نظر میں : ماہنامہ "فاران" کراچی - اپریل ۱۹۸۶ء - ص ۹ تا ۱۷

مرتضےٰ حسین

○ Iqbal's Philosophy of Khudi [اقبال کا فلسفہ خودی]:
روزنامہ "ڈان" کراچی ۹ نومبر ۱۹۸۶ء۔

م شس

○ اقبال ۔ دورِ حاضر میں حکمتِ دین کے امین: روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔
۲۶ اگست ۱۹۸۶ء۔ [م شس کی ڈائری]

مغنی تبسم، پروفیسر

○ اقبال کے نظریۂ فن کے چند اہم نکات: ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدرآباد
[دکن]۔ اپریل ۱۹۸۶ء ص ۳۲ تا ۳۳۔

ممنون حسن خاں

○ دارالاقبال بھوپال میں اقبال کا ورودِ مسعود: روزنامہ "نوائے وقت" (میگزین)
لاہور۔ ۲۲ اگست ۱۹۸۶ء۔

ناصر زیدی

○ اقبال کی تصانیف: "پہچان" کراچی۔ مئی ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۴۔

نذیر بیگ، مرزا

○ عالمی اقبال سیمینار (رپورتاژ): ماہنامہ "سب رس" کراچی۔ جولائی
۱۹۸۶ء۔ ص ۳۵ تا ۳۹۔

نظیر صوفی

○ علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش: ماہنامہ "محفل" لاہور۔ مئی ۱۹۸۶ء

نقوش نقوی

○ یوم اقبال: ماہنامہ "قومی زبان" کراچی۔ دسمبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۱ تا ۴۵۔

[۹ نومبر ۱۹۸۶ء کو ریاض میں منعقدہ ایک تقریب کی رو داد]۔

نیہپال سنگھ ورما

○ علامہ اقبال کے بارے میں راشٹر کوی دِنکر کے خیالات : روزنامہ "سیاست" حیدر آباد [دکن] - ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء -

منظومات

اکبر یوسفی

○ نذرِ اقبال : روزنامہ "مصنّف" حیدر آباد [دکن] - ۲۰ اپریل ۱۹۸۶ء -

جگن ناتھ آزاد

○ نذرِ عقیدت : ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور - نومبر ۱۹۸۶ء - ص ۱۶ -

راہی، ڈاکٹر

○ نذرِ اقبال : ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدر آباد [دکن] - اپریل ۱۹۸۶ء - ص ۳۶ -

روحی قادری

○ عکسِ اقبال : ماہنامہ "آندھرا پردیش" حیدر آباد [دکن] - اپریل ۱۹۸۶ء - ص ۳۸ -

زاہد رضوی

○ اقبال : "ماہنامہ" آندھرا پردیش" حیدر آباد [دکن] اپریل ۱۹۸۶ء ص ۴۲ -

طفیل ہوشیارپوری

○ آئینۂ کردار : "سیّارہ" لاہور - اپریل مئی ۱۹۸۶ء - ص ۲۵۲ -

ضمیمہ ۲

فکروفن پر تنقیدی کتابیں

معین الدین عقیل، ڈاکٹر

○ اقبال اور جدید دنیائے اسلام، مسائل، افکار اور تحریکات: مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔ ۱۹۸۶ء۔ ۳۹۰ ص۔ $21\frac{1}{2}$ × ۱۳ سم۔

معروضات [دیباچہ] از مصنف۔ مباحث: جدید دنیائے اسلام، مسائل، افکار اور تحریکات کا پس منظر۔ وہابی تحریک۔ شاہ ولی اللہ تحریک۔ سنوسی تحریک۔ علی گڑھ تحریک۔ سید جمال الدین افغانی۔ تحریک اتحاد اسلامی۔ مسئلہ خلافت۔ ترکی تحریک تجدد۔ وطنی قومیت کا مسئلہ۔ مغربیت کا مسئلہ۔ مسئلہ فلسطین۔ اشتراکیت کا مسئلہ۔ بعض دیگر شخصیات و تحریکات ــــ ماحصل: حرف آخر۔

کتابیات۔ اشاریہ۔

غلام رضا ستودہ، ڈاکٹر

○ در شناخت اقبال، تہران۔ [دسمبر ۱۹۸۶ء]۔ [۱۶] + ۵۴۸ + ۱۴ ص۔

عالمی اقبال کانگریس، تہران۔ مارچ ۱۹۸۶ء کے مقالات کا مجموعہ۔

[دیباچہ] از مرتب۔ [کانگریس کی قراردادیں] ۔ کلمۂ افتتاحیہ از ڈاکٹر سید جلال الدین مجتبوی۔

تقاریر و مقالات : تقریر از سید علی خامنہ ای ۔ اقبال، اتحاد عالم اسلام اور تیسری دنیا از ڈاکٹر جاوید اقبال ۔ تقریر از ڈاکٹر سید محمد خاتمی ۔ فکر اقبال، پاکستان کی صورت گر از ڈاکٹر علی اکبر ولایتی ۔ شاعر انقلاب اور عالم اسلام کا انقلاب ساز از ڈاکٹر محمد فرہادی ۔ محور انقلاب پاکستان از ڈاکٹر حسین فروتن ۔ فلسفہ اقبال کی ماہیت اور اہمیت از استاد غلام رضا سعیدی ۔ مغرب سے اقبال کی کشمکش از ڈاکٹر سید جعفر شہیدی ۔ اقبال کے فکر و فن پر مولوی [روم] کے اثرات از ڈاکٹر سید محمد اکرم ۔ اقبال کی شاعری میں خوشبوئے محمدؐ از احمد احمدی بیر جندی ۔ اقبال اور عالم اسلام کی وحدت از ڈاکٹر عبدالشکور احسن ۔ اقبال اور رومی کا نظریہ انقلاب خودی از محمد تقی جعفری ۔ اقبال کے کلام میں عارفانہ مباحث از علی حسّون، ترجمہ از ڈاکٹر فیروز حریرچی ۔ علامہ اقبال و حافظ از ڈاکٹر شہین دخت کامران مقدم ۔ فکر اقبال اور برگساں و نطشے از ڈاکٹر غلام رضا اعوانی ۔ اقبال کی نظر میں مغرب کی سیاسی و اجتماعی زندگی از پروفیسر محمد منورؒ ۔ اقبال کے ہاں مغرب سے کشمکش از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ اجتہاد علامہ اقبال کی نظر میں از محمد مجتہد شبستری ۔ اقبال کا انداز غزل گوئی از ڈاکٹر اسماعیل حاکمی والا ۔ اقبال کی شخصیت کا عارفانہ پہلو ڈاکٹر علی شیخ الاسلامی اقبال اور ان کی جہاں بینی از ڈاکٹر نورالحسن انصاری ۔ شعر فارسی اور اقبال از سید مظفر حسین برنی، ترجمہ از مہدی افشار ۔ اقبال اور ایران کا اسلامی انقلاب از سید عطاء اللہ مہاجرانی ۔ اقبال کی شاعری میں انسان اور زندگی از عزیز الدین احمد عثمانی اقبال لاہوری اور سیاست از ڈاکٹر رضا داوری اردکانی ۔ اقبال کے فارسی اور اردو کلام میں ان کی امتیازی صفات از پروفیسر امام، ترجمہ از ڈاکٹر جاوید قیطانچی ۔ اقبال کی نظر میں تجدید ملت اسلامی کا فلسفہ از ڈاکٹر محمد کلیم سہسرامی ۔ قرآن اور اقبال از ڈاکٹر محمد علوی مقدم ۔ اقبال کی شاعری کا عارفانہ پہلو از ڈاکٹر عبداللہ خالدی ۔

فکرِ اقبال میں وجودی فلسفے کے عناصر از ڈاکٹر وحید اختر، ترجمہ از محمد مہدی رستمی (شاہرودی) اقبال کی شاعری میں کمٹ منٹ از ڈاکٹر جلیل تجلیل۔ اقبال لاہوری، وحدتِ اسلامی کا نقیب از ڈاکٹر ابوالفضل نبیؔ۔ اقبال کی فارسی تضمینات از ڈاکٹر امیر حسن عابدی۔ اقبال: دینی فکر کا احیا۔ از احمد آکوچکیاں۔ منظومات فارسی: ڈاکٹر غلام علی حداد عادل۔ عبدالرفیع حقیقت۔ حمید سبزواری۔ ڈاکٹر عبدالکریم سروش محمود شاہرخی (جذبہ) سپیدہؔ کاشانی۔ مشفق کاشانی۔ حسین لاہوتی (صفا) مقالاتِ عربی: اقبال کی شاعری کا عارفانہ پہلو از ڈاکٹر عبداللہ خالدی۔ فکرِ اقبال کے عارفانہ پہلو از دکتر علی حسونؔ۔

مقالاتِ انگریزی: تعارف از مرتب۔ اقبال اتحادِ عالمِ اسلامی اور تیسری دنیا از جاوید اقبال۔ اقبال کی اردو اور فارسی شاعری کا امتیازی پہلو از پروفیسر امام۔ ترجمہ از ڈاکٹر جاوید قیطانچی۔

تحقیقی مقالہ

خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن

○ محمد اقبال وموقفہ من الحضارۃ الغربیۃ [محمد اقبال اور مغربی تہذیب کے بارے میں ان کا موقف]: کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ، جامعہ ام القریٰ مکہ۔ ۱۹۸۵ء۔ [۱۵] + ۳۷۵ ص۔ ۲۲½ × ۱۲½ س م۔ — تمہید [ابواب: (۱) محمد اقبال کی زندگی اور ان کی تصانیف (۲) اقبال کا فلسفہ اور ان کے معتقدات (۳) مغربی تہذیب اور فکر کے بارے میں اقبال کا موقف (۴) فکرِ اقبال کا اثر، ان کے متعلق ان کے معاصرین کا موقف اور اپنے معاصرین کے بارے میں اقبال کی رائے۔]

اقبال نمبر

محمد بشیر الدین بشیر وارثی (مدیر اعلیٰ)

○ "ذوقِ نظر" : دفتر "ذوقِ نظر"، حیدرآباد [دکن]۔ مئی ۱۹۸۶ء۔ ۸۰ ص۔ ۲۴ ½ × ۱۸ ½ سم۔ ۵ روپے۔ [مضامین : عبادات اور علامہ اقبال از مولانا عبدالسلام ندوی۔ کلامِ اقبال، اسلامی پس منظر میں از ابو عبداللہ محمد۔ اقبال کے کلام میں چند قرآنی تصورات از محمد بدیع الزّماں۔ حافظ شیرازی اور علامہ اقبال از ڈاکٹر یعقوب عمر۔ مطالعۂ اقبال، غلط زاویۂ نگاہ سے از عبدالقیوم خان باقی۔ بزمِ اقبال [سوالات کے جوابات] از ادارہ ـــــ تبصرۂ کتب : محبّ وطن اقبال (سیّد مظفر حسین برنی) از ڈاکٹر یعقوب عمر۔ منظومات : احمد معین الدین بزمی۔ علی اختر۔ مخدوم محی الدین۔ وقار خلیل۔ مومن خاں شوق۔ تضمین بر کلامِ اقبال : محمود حسین ادیب۔ ڈاکٹر یعقوب عمر]

مضامین و مقالات

اسلوب احمد انصاری

○ اقبال کی شاعری میں 'لالہ' کی علامت : "نقد و نظر" علی گڑھ، ج ۸، ش ۲۔ ۱۹۸۶ء ص ۱۲۷ تا ۱۳۷۔

اقبال کا تصورِ خدا [ایس اے راشد کی کتاب Iqbal's Concept of God پر تبصرہ] : "نقد و نظر" علی گڑھ۔ ج ۸، ش ۲، ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۸۷ تا ۱۹۲

اکرام حیدر جعفری

○ اقبال کا فلسفۂ خودی : "مضراب" مجلّہ گورنمنٹ گورو نانک ڈگری کالج، ننکانہ صاحب

اکتوبر ۱۹۸۶ء - ص ۲۷ تا ۲۹ -

پرویز

○ اقبال اور قرآن : " طلوع اسلام " لاہور - دسمبر ۱۹۸۶ء - ص ۲۵

رفیع الدین ہاشمی ، ڈاکٹر

○ اقبال آشنائی [از ڈاکٹر حاتم رام پوری پر تبصرہ] : " اردو ادب " راولپنڈی - نومبر دسمبر ۱۹۸۶ء ص ۲۱ تا ۲۲ -

شجاعت علی ، سیّد

○ علامہ اقبال کا تصور قومیّت : " اظہار " کراچی - اکتوبر نومبر ۱۹۸۶ء - ص ۵۴ تا ۵۶

شکیل

○ اقبال کا تصور آزادی : " الشمس " ملتان - یکم نومبر ۱۹۸۶ء

شہین دخت مقدّم صفیاری ، ڈاکٹر

○ اقبال و علی ابن ابی طالب : " پاکستان مصوّر " - اسلام آباد - ۱۹۸۶ء -

اندیشہ اقبال : " پاکستان مصوّر " - اسلام آباد - ۱۹۸۶ء -

مقام علی بن ابی طالب در اشعار اقبال : در مجموعۂ مقالات : " بنیاد نہج البلاغہ "

تہران [۱۹۸۶ء]

عاصم علی ، سیّد

○ اقبال تنقید ، تناظر کا مسئلہ : " نقد و نظر " علی گڑھ - ج ۸ ، ش ۱ - ۱۹۸۶ء

ص ۶ تا ۳۰ -

عزیز عرفی

○ اقبال اور تصوّف : ماہنامہ " محفل " لاہور - نومبر ۱۹۸۶ء -

عثمانی، زیڈ اے

○ خواجہ منظور حسین اور اقبال کی شعری حیثیت کے بعض پہلو: "نقد و نظر" علی گڑھ
ج ۷، شمارہ ۲ - ۱۹۸۵ء - ص ۱۵۶ تا ۱۷۸

مجید جامی

○ بلادِ اقبال: ماہنامہ "فاران" کراچی - نومبر ۱۹۸۶ء - ص ۷ تا ۲۴ -

نکلسن، آر اے (مترجم: عبدالرحیم قدوائی)

○ اسرارِ خودی: "نقد و نظر" علی گڑھ - ج ۸، ش ۲، ۱۹۸۶ء - ص ۱۱۱ تا ۱۲۶

منظومات

عارف لکھنوی

○ تضمین بر کلام اقبال (نعت): ماہنامہ "سب رس" کراچی - نومبر
۱۹۸۶ء - ص ۵۰ -

عبدالرحمٰن طالب

○ مفکرِ پاکستان اقبال کی نذر: "فاران" اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور -
۱۹۸۵ء - ص ۸۱ تا ۸۲ -

یوسف اعظمی

○ آسمان کا سفر: روزنامہ "سیاحت" حیدرآباد [دکن] - ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء